

WWW.FAIRSOCIETY.COM

گھر کے ہر فرد کے لیے

سلاکھ نہی

پاکینہ

اپریل 2012

معراج رسول

عمیر احمد، ناہید سلطانہ اختر
عنیزہ سید، نمرہ احمد، انجم انصار
عذرا بیگ، اقبال بانو

ادریک و مصفا کی خوب سے تحریروں سے آگاہ

WWW.FAIRSOCIETY.COM

مدیر اعلیٰ
عذرارسل
مدیر
خبر فہرست
معاون
آمنہ

اخباریہ

مجموعہ کتب

مدیرہ 15

خصوصی گوشہ

عذرارسل 268

نثری انتخاب

سلسلہ وارناول

عمیرہ احمد 18

عکس

ناہید سلطانہ اختر 60

زندگی

شیریں حیدر 100

شیریں حیدر

مجموعہ طاوول

عذرا بیگ 172

عذرا بیگ

عنیزہ سید 234

عنیزہ سید

طاوول

نمرہ احمد 143

نمرہ احمد

انجم انصار 205

انجم انصار



اساتذہ

اقبال بانو 51

پایا قیاد

عطیہ عمر 93

عطیہ عمر

سکینہ فرخ 137

سکینہ فرخ

نوشین ناز اختر 223

نوشین ناز اختر

عظمیٰ آفاق سعید 285

عظمیٰ آفاق سعید

پبلشر: عذرارسل سقام اشاعت: C-63 فیز II الیکٹرونکس سٹریٹ، سائبرنگ، روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹریڈیم کراچی



مستقبل صغیرات

صغریٰ زیدی 304

میل احمد کمالی

ادارہ 16

پکیزہ بھینیں 306

خوش ذائقہ

مدیرہ 270

پکیزہ بھینیں 307

سحر ایسے

عظمیٰ آفاق سعید 296

ادارہ 309

خانی شوق

آمنہ حماد 299

310

ہومیو پیتھ

انجم انصار 301

شعبہ: غیر شہادت محفلستان 0333-2256789 0333-2168391
اشعارات: نغمہ ہمارے 0332-4214400 0323-2895528
جلد 40 • شماره 01 • ایڈٹ 2012 • زمستانہ 600 روپے • قیمت فی پرچہ پاکستان 50 روپے
پنا: پوسٹیکس نمبر 662 کراچی 74200 • فون: (021) 35895313 (نیکمی) 021 35892555 E-mail: jdggroup@hotmail.com



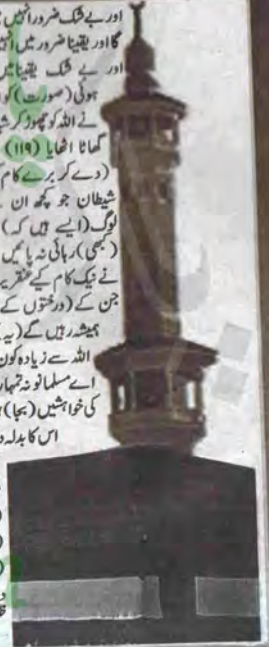
قارئین کرام! آپ سب کو پاکیزہ کی سالگرہ مبارک ہو۔ اللہ کے فضل و کرم سے پاکیزہ ڈائجسٹ چالیسویں سال میں داخل ہو گیا ہے۔ بلاشبہ اپنی اشاعت کے اس برس مکمل کر چکا ہے۔ ایک نصاب نامہ پودا آج ایک تناور درخت کا روپ دھار چکا ہے اور اس کی گہنی شاخیں تو اتنی دور دور تک پھیل چکی ہیں جس کا اندازہ تک نہیں لگایا جاسکتا۔ یہ یقیناً اس خواب کی خوب صورت تعبیر ہے کہ پاکیزہ خوب صورت اور فکر انگیز تحریروں کا ایسا گلدستہ ہو جس کی خوشبو سے ہر عمر کی خوانین مسحور ہو سکیں اور بلا جھجک اپنے گھر میں سب کے سامنے اس کا مطالعہ کر سکیں اور اس کو پڑھ کر انہیں آگاہی حاصل ہو۔ بفضل خدا پاکیزہ کی تحریروں حقیقتاً پاکیزہ ہوتی ہیں۔ ہمارے افسانوں اور ناولوں میں نہ صرف لڑکیوں کو اعلیٰ تربیت کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے بلکہ مسائل سے غٹنے کے احسن طریقے بھی بتائے جاتے ہیں۔ ہمارے افسانے ہوں یا ناول، شاعری ہو یا خطوط ہمارا مقصد ہر جگہ یہی ہوتا ہے کہ ہمارے قارئین کو آگاہی حاصل ہو۔ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ پاکیزہ گاؤں گاؤں کوٹھوں میں بھی بے حد شوق سے پڑھا جاتا ہے اور اس کی بے شمار قارئین ایسی بھی ہیں جو نوٹی پھونی اردو پڑھنا جانتی ہیں۔ جن کے ہاں اخبار بھی نہیں آتا جو نوٹی وی کی سہولت سے بھی محروم ہیں۔ اس لیے ہم ایسی تحریروں بھی شائع کرتے ہیں جن کو پڑھ کر وہ اپنی زندگی کو با مقصد بنا سکیں اور اپنی زندگی کے حوالے سے کبھی منفی قدم نہ اٹھائیں۔ جب افراد کی سوچ مثبت ہوگی، وہاں کے معاشرے میں مثبت اقدار خود پیدا ہوں گی۔ میری تمنا ہے کہ پاکیزہ کی ہر قاری اتنی باشعور ضرور ہو جائے کہ وہ اچھے برے، سچ جھوٹ، حرام و حلال کی پرکھ تو کر سکے کہ لاطمی، جہالت اور نادانیوں نے ہمیں بہت پیچھے دھکیل رکھا ہے اور ہمیں پاکیزہ کی مشعل لے کر بہت آگے جانا ہے بہت آگے..... (انشاء اللہ)

ملیرہ

انجم انصار

اور بے شک ضرور انہیں میں گمراہ کروں گا اور ضرور انہیں امیدیں دلاؤں گا اور یقیناً ضرور میں انہیں سکھاؤں گا تاکہ وہ جانوروں کے کان کا نہیں اور بے شک یقیناً میں انہیں سکھاؤں گا تاکہ وہ اللہ کی بنیائی ہوئی (صورات) کو (پیری کلیم کے موافق) بدل ڈالیں اور جس نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا تو بے شک اس نے صریح گمراہی اختیار کر لی (۱۱۹) شیطان انہیں (اچھے اچھے) وعدے دے (دے کر بے کام کرا لیتا) ہے اور انہیں امید دلاتا ہے حالانکہ شیطان جو کچھ ان سے وعدہ کرتا ہے وہ دھوکا ہے (۱۲۰) یہ لوگ (ایسے ہیں کہ) ان کا شکنا دوزخ ہے اور وہ اس سے (بھی) رہائی نہ پائیں گے (۱۲۱) اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے (مترقب) ہم انہیں ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے (دروختوں کے) نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (یہ) اللہ کا وعدہ ہے (جو نہایت) سچا (ہے) اور اللہ سے زیادہ کون (اپنی) بات میں سچا (ہوسکتا) ہے (۱۲۲) اے مسلمانو! تمہاری آرزوئیں (شک) ہیں اور تم اہل کتاب کی خواہشیں (سچا) ہیں (بلکہ) جو شخص کچھ برا کام کرے گا اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ کے سوا کسی کو (اپنا) کوئی کارساز اور مددگار نہ پائے گا (۱۲۳) اور جو مرد یا عورت (کوئی ایسا فعل) کرے گی (جو) نیک کاموں میں سے (ہو) اور وہ (کرے والا) مسلمان (بھی) ہو تو وہی (ان) پر زیادہ لوگوں میں ہوگا جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کثیر براب (بھی) ظلم نہ کیا جائے گا (۱۲۴)

(سورہ نسا آیت نمبر ۱۱۹-۱۲۴)



آنحضرت ﷺ کے اسلمے گزری سیدنا محمد

الہدیت محمد ﷺ

آپ ﷺ نے فرمایا۔

”زمین میں میرا نام محمد ﷺ اور آسمان میں احمد ﷺ ہے۔ اسی طرح تو رب تکبر میں میرا نام محمد ﷺ اور اہل میں احمد ﷺ ہے۔“

۲۔ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”اے ابوذر! تمہارا میں سب سے پہلے حضرت آدمؑ اور سب سے آخر میں محمد ﷺ (ترجمہ) ہیں۔“

۳۔ حدیث قدسی ہے کہ اے محمد ﷺ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو کائنات کا وجود نہ ہوتا۔

۴۔ روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا تو آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی نیت سے بلایا آپ نے عرض کی اللہ تعالیٰ امیری یہ نیت کیسے ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اپنا سراٹھاؤ۔ آپ نے اوپر دیکھا تو عرض پر تو میری ﷺ جلوہ گر تھا۔ حضرت آدمؑ نے پوچھا۔

باری تعالیٰ ایسے کس کا نور ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ محمد ﷺ کا نور ہے یہ میری اولاد میں سے ہوں گے۔ ان کا نام

آسمان میں احمد ﷺ ہے اور زمین پر محمد ﷺ ہے۔ اگر میں انہیں نہ پیدا کرتا تو نہ تمہیں پیدا کرتا اور نہ زمین و آسمان کو

پیدا فرماتا۔

قیصر حیات کی کتاب انوار الہامی ﷺ سے اقتباس





تعارف

عکس میرزا احمد

آج کی زندگی تیز رفتار ہے، اس کے تجربے بڑی تیزی سے کرنا اور ان کے نئے رخ سے معارف کراتے ہیں۔ اس تیز رفتار زندگی میں چونکا دینے والے موز بھی ہوتے ہیں... اور پراسراریت بھی... کہیں کریاروں کے حوالے سے تو کہیں ماحول کے حوالے سے... عمرہ احمد کے اس ناول میں نہ صرف آپ تیز ترین، سنسنی خیز اور چونکا دینے والے موز دیکھیں گے بلکہ ان کی مہارانہ چابک دستی کے ساتھ ان کے کرداروں کی تہ کاری کے بھی قائل ہو جائیں گے... یوں بھی اپنا عکس لکھنا سناہ پر شخص کے ساتھ رہنا ہے... مگر ان کی کرپاؤں چلا جاتا ہوتی ہیں... کہیں ایسا دوسرے... ہماری یہ مارتے تازہ مصنفہ... کوئی ایسا ناسور دکھانا چاہتی ہیں... جس کا آپریشن بھی ضروری ہو... بقول شاعر...

اس کائنات میں ہم مثل عشق و قمر کے ہیں
اک رابطہ مثل ہے اک قاسم مثل ہے



”تمہیں پتا نہیں تھا کہ جو اوڈرنک کرتا ہے؟“ شیردل نے عکس سے پوچھا تھا۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس کے شہر پہنچا تھا اور اب وہ دونوں عکس کے عکس میں بیٹھے تھے۔

سے جان بچوان کی تم دونوں کی..... پتا ہوا ہے تھا تمہیں۔۔۔ شیر دل نے بھیجے کے گردنی پیک کے ہوئے اس کو پھونک کر پکے کے نکالتے ہوئے کہا۔۔۔ عکس کچھ دیر بالکل خاموش بیٹھی رہی۔ سوال شرمندہ کرنے لیکن اسے شرمندہ کر گیا تھا۔ شیر دل اب چائے کا پلے پلے ہوئے اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

اس سے پوچھا گیا کہ آج ہمارے اس پیشے میں کیا کردہ ورک ہو رہی ہے؟ سر ریڈک نے یقین کرنا تھا کہ کردہ جوت پول رہا تھا۔ وہ اپنے غریب طرح اس سے بھی سمجھے ہیں کہ اس کے لیے کیا کرنا پڑا ہے۔ سو اب اس کی جگہ اس کے اسیدوار کے طور پر سامنے لانا پڑا ہے۔

کب بات ہوئی ہے تمہاری؟“ شہزاد نے سنجیدگی سے پوچھا۔

اس کی bail ہوئی کل رات ہی لیکن مجھے بات نہیں ہو سکی اس کی..... کہہ رہا تھا طبیعت ٹھیک
مجھے سے خود بات نہیں کر سکا..... کھس اپنا کچھ سوچے ہوئے چائے کے پلے دی اس نے "میں نے اس
سے اپنی جینٹر کے طور پر میرا نام لیا کیوں اس نے اسے کہا اس نے اپنا جینٹر کہا۔ یہ اپنے سے خود ہی خبر
لیا اور وہ اس کی جینٹر کہاں لیا ہو گا نام اس طرح ہی دی اس کو کہہ کر بددیہتی اور خوش ہوتی ہے۔
کاب رکھ دیا تھا۔

اس کی باتوں پر یقین آ گیا؟“ اس نے نظریں اٹھا کر شہر دل کو دیکھا۔
 پاس یقین کرنے کا آپشن نہیں ہے..... کم از کم اس اسٹیج پر۔“ اس نے بے حد بخیرگی کہا۔

اے میرے دل! جن میں خود بہار لانا کا کھانا ایک بار نہیں یاد رہا۔ وہ دوس کو بلے اپنے نام کا نام
بعد میں تمہارا نام لے کر۔ اے میرے دل! جس نے میری نگاہ سے مجھے ایک جواہر کی طرح کر
لیا ہے۔ کچھ نہیں ہوتا اسے اس سارے معاملے میں تمہارا نام نہیں لانا چاہیے تھا۔ اس میں اتنی
شہر ہوئی چاہیے کہ خود بہار سے بچے چھپنے کی کوشش کرتے ہوئے تمہاری عزت کا خیال کر لیتا۔

جائے گا۔ کوئی اعتراض نہیں۔ اور وہ بالکل جھوٹ بول رہا ہے کہ وہ دھوکہ نہیں کھتا۔ وہ فیضی وقت پرپیس نے اسی کا گڑی کو دکھا۔ پیسے والوں نے کوئی کوئی ہوشیار اور اس کی جان کی تحفظ تھا کہ ہمیں گاڑی مارنہو۔ وہ رن اس کے بعد اپنے جیت میں اس کا بھیجی گاڑی کو چاہئے گا۔ اس تھا اس پر بھی ایف آئی آر موجودہ جرنل کرنے کی کوشش کر کے کیا فائدہ کا۔ وہ بے جا کرے گا کوٹوال دینے کی کوشش کرے۔ مجھے کس کو اس کو لے جائے لیکن ان صوفیہ نے ہشی حالت میں پانچ گنا کر دیا کہ اس پاس سے گزرنے والوں میں سے کسی کی جھل کوٹوال کر دی اور یہ پانچ بعد کوٹوال کر دیا کہ اس خلاف ایف آئی آر جرنل کر دی۔ "شیر دل اسے بے حد تنبیہ کی ہے مارا تھا۔

معارف کی بات نہ کرنے کی وجہ طبیعت کی خرابی سے زیادہ نفس کی وجہ سے بات کرنے کے قابل نہ ہونا
 تو قبل سے ہو گیا ہے اب..... اور وہی بات سنا کر اچھے سے جواب دے کر ہمارے سر پر لڑائی کی بجائے چھوٹی
 سے چھوٹی جھڑپیں ہوتی ہیں اور ہمیں سزا دینے دیتے..... شہر دل نے چاہے کاپ و دوام تھا
 کہ جس جگہ میں تیر دل پر کون کون کا آئے گی۔ چاہے کاپ و دوام ہے کہ جسے تیر دل
 چاہتا ہے۔ 2012ء

[illegible]

”تم نبیوارک بھیج کر لیں؟“
 ”جی ہاں! میں اس کی دعا کرتا ہوں کہ تم کو بھیج دے۔“

”اکی لکھ لاکھ کا کیا ہے؟“ شیر دل نے اس سے پوچھا۔
 ”جیسے ابھی نہیں سامان و خیرہ لئے کے لئے لالہ تو ویسے ہی اکی لکھ لاکھ میں جا رہا ہے مجھے ہیں
 اکی اور میں اکی تک جی ہوں کہ میں نہیں جانتی بھی نہیں کتنی
 کی۔ شیر دل نے سہرا کرے ہوئے اس کو پھلنے والے انداز میں کہا۔

"I know yaar..... میں پہلے ہی بہت مس کر رہا ہوں کل رات سے تم دونوں کو....."

اس بات کو اس سے "شہر یانوئے مثال کو دیکھتے ہوئے نون کو بالآخر اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہ جیلر دل کا نام لے جانے پر بعد **impatience** پر مبنی تھی اس کی آوازوں پر سنائی دیتے ہی فریڈ کو کھینچے کچھ دے کیے واقعی یہ جھول ایک تھکا دہاں تھا۔ جس کو مرمضان کے ساتھ نون کے مثال کے ساتھ وہ والی اس کی گفتگو کرتے۔ یہ ایک عجیب سا رنگ ایک آقا سے شہر یانوئے مثال پر ادھر دل پر۔ وہ ایک پراچٹ کونل تھی۔ ایک مکمل خوب صورت مکمل جس کی کوئی رنگ آسکتا تھا۔

”جیسا می کو بالکل شک نہیں کہ کتاب تم نے“ مئی کا خیال رکھنا۔“ شیر دل اب اللہ اعلیٰ کلمات کہہ رہا تھا مثال سے اور اس سے ایک کے بعد ایک وعدہ لے رہا تھا۔

”مئی کو توں دو۔“ اس نے مثال کو آخری ہدایت دیتے ہوئے کہا۔
 ”شیر لہو تم پریشی سے بات کرتے ہوئے ہمیشہ مجھے بھول جاتے ہو۔“ شہر بانو نے فون پکارتے ہی کچھ ہنگامی سے اس

سے کہا اور اس کا یہ گویا غلو نہیں تھا۔ شہر دل میں بس پڑا تھا۔
 ”میں نہیں کہے ہوں کہ ہاں سوئے ہاں؟“ کس کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔ چائے کا خانقا کہ پیمبل پر کھڑے
 ہوئے اس نے چٹخوں کے لیے شہر دل سے نظر ہٹائی تھی اور بالکل اس لمحے دل کو کھینچ کر باہر اس ہوا کو روک دیا تھا۔ شہر
 شہر اور ان کا یہ لذت کے حوالے سے مجھ دلیات دیتے ہوئے اس نے الوداعی حلمات کہتے ہوئے خون بند کیا اور پھر
 منفرد خوابانہ انداز میں کس سے کہا۔

”سوری یاد..... میں وہ دونوں نیواک تھائی تھیں۔ شہر بانو پہلی بار مثال کیلئے اتنا سفر کر رہی ہے کہ اسے میں خود اے چین ہوں۔“ عکس نے منکراتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔

”میں نے کچھ کہا؟“

”نہیں تم نے کہا تو نہیں..... لیکن میں پھر بھی سوچ رہا تھا کہ کچھ زیادہ ہی لمبی بات ہو گئی ان لوگوں کے ساتھ

"تم کیسا سوچ رہی ہو۔۔۔؟" شہرل کو اچانک خیال آیا جیسے وہ کسی سوچی میں گھٹی۔
 "شہزادہ! ارے، اسٹارک آتا تھا مجھے۔ عکس نے انجی ٹیکنیکو کھسانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ایک خط لے کے

شیردل حیران ہوا۔ کس سے ایسا جملہ آتا ہے غیر متوقع تھا۔
 ”اچھا؟ اور کس لیے؟“ وہ پہلے استعجابی انداز میں ڈراسا ہنسا پھر اس نے کہا۔

ماہنامہ پیکر پریس پرائیویٹ لمیٹڈ

”وہ اتنی بری ہے۔“ اس کی ماں کو ایک عیب سی کر رہی ہوگی کس کے بارے میں۔

”Average“ she is just average (”اوسط“ وہ نہیں عجیب ہے) شیردل نے بے مدد فکری سے کہا۔
 mean below average عام معیار سے کم ہے۔“ شیردل کو عجیب اپنی ہی وضاحت سے تسلی نہیں ہوئی
 اور اس نے اضافہ کیا۔ ”very ordinary“ ”دوسرے افسانے پر ایک لمحے کے لیے دوسوچ میں گزار کس اس کے
 تصور میں آئی تھی اور اسے لگا اس کی وضاحت کچھ مناسب نہیں تھی۔

(میرا مطلب ہے کہ وہ اتنی بری لڑکی نہیں ہے لیکن وہ میرے مزاج کی لڑکی نہیں ہے۔) چند لمحوں میں ہی اس نے گزرا
 کر اپنے ہی عیب کی جھنجھکی۔

”دیکھو کو کبھی لڑکیاں پسند ہیں؟“ شیردل کی ماں کو یک دم جیسے اس موضوع پر اس سے تفصیل سے بات
 کرنے میں پھنسا دیا ہوگی۔

”مگر سارا دل کے علاوہ مجھے ہر لڑکی پسند ہے۔“ اس بار شیردل نے کندھے کاچکا کر مجھے مذاق میں ایک بات کہی۔
 ”کس کی تو تم بات ہی نہیں کر رہے۔“ تم اس کا ریفرنس کیوں دے رہے ہو؟“ اس کی ماں نے کہا۔

”ایسے ہی کہو یا میں۔۔۔۔۔ اور پھر آپ بھی بچپن create کرنے کی کوشش نہ کریں فی الحال۔ مجھے
 ابھی STP پوری کرنی ہے۔ پھر اپنی پہلی پبلیک ٹیسٹ کے دوران تو کم از کم اس طرح کے کسی مسئلے میں دیکھی نہیں ہے۔“
 شیردل کی ماں کے ارادے بچے بچے ہوئے گئے۔

”میں صرف انجینئرنگ کا سوچ رہی تھی۔“
 ”آپ اب کبھی صحت سوجھ best Probationer لینے کی اپنی بڑی سزا تو نہیں ملتی چاہیے
 مجھے۔“ وہ اٹھ کر اٹھو گیا تھا اس کے ماں باپ سکرا دیے تھے۔ کمرے سے باہر نکلے ہوئے بھی شیردل کو اپنے
 باپ کی خاموش بری طرح سمجھی تھی۔ انہوں نے لنگھو میں بہت کم حصہ لیا تھا اور وہ مسلسل تنبیہ رہے تھے جو ایک
 جملہ انہوں نے پورا تھا۔ شیردل کو کانٹے کی طرح چبھ گیا تھا۔ STP کے best Probationer کا ایوارڈ
 اب اس کے لیے عزت کا مسئلہ بن گیا تھا۔

☆☆☆

”وہ ذہن کا کلوا میرے لیے عزت کا مسئلہ نہیں ہے چڑیا۔۔۔۔۔ 20 سال کی حق حلال کی کمائی ہے میری۔ خون
 پسینے سے کمائی جانے والی ایک ایک پائی انھیں کر کے خریدی گئی تھی وہ زمین۔۔۔۔۔ میں اس سے اپنے ذہن سے کس لگا لگا سکنا۔
 چڑیا نے عجیب تکلف کے احساس کے ساتھ کہنے پرانا ناؤ کو بیکھا۔

وہ ایک کچھ بڑے پبلے حوالات سے نکلتا تھا اور اب وہ اور چڑیا میں پریشندہ واپس شہر چار ہے تھے۔ خردین کے کندھے سے
 ایک باغ پر عجیب سی گھٹن خوردگی کے عالم میں بیٹھ ہوئے تھے۔ چڑیا نے ہمدردی سے اپنے ناؤ کو بیکھا۔ وہ خردین کے
 لیے آج بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن اب کم از کم سمجھتی تھی اور وہ اس وقت وہی کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”میں اب اس ذہن کی ضرورت نہیں سے نا۔۔۔ اس کوچ کر بھی نہیں اٹھتے پیسے نہیں ملیں گے جن سے ہماری
 زندگی کو کوئی بڑی تبدیلی آجائے۔ ہمارے پاس گھر ہے۔ آپ نے اپنی دکان بھی خرید لی ہے۔۔۔ میں میڈیکل کالج
 جاری ہوں۔۔۔ میں اس ذہن کے لیے اب ذیل کوں سے کی ضرورت نہیں ہے۔“ چڑیا نے خردین کا ہاتھ اپنے دونوں
 ہاتھوں میں لیے ہوئے بن کے شہر میں قدرے پلدا واز میں کہا۔

”ہر چیز کو پیسے سے خریدی جاتا ہے۔ بعض چیزوں کی قدر پیسے کی وجہ سے نہیں ہوتی چڑیا۔۔۔۔۔ وہ میری حق حلال کی
 کمائی ہے۔ کس کا حصہ مجھے تو نہیں گیا تھا۔۔۔۔۔ اپنی چیز لینے گیا تھا۔۔۔۔۔ اتنی ہی نہیں مجھے کمالی چیز لینے کے لیے
 میں قانون کا سہارا نہ نک سکوں۔“ خردین بات کرتے کرتے رو پڑا۔ چڑیا نے بے حد تکلف سے اپنے ناؤ کو بیکھا۔ اسے

اگر سال پہلی تکلف اور بے بسی یاد آتی تھی۔۔۔۔۔ اور پھر بچے دونوں سے برابر یاد آ رہی تھی۔

”مست روئیں نا۔۔۔ اس نے گوگرد آواز میں خردین سے کہا۔ خردین نے یک دم خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ وہ
 چڑیا کے سامنے رو پڑا نہیں جاتا تھا۔ بے بسی کا کوئی اظہار نہیں جانتا تھا۔

نوسال کے بعد خردین چڑیا کے ساتھ بے غر سے گاؤں آیا تھا۔ اب اس کی جیب میں پیسے بھی تھے اور اس کے سر
 پر نوسال پہلی طرح ایک جوان بنی اور ایک چھوٹی بلی کا بوجھ بھی تھا۔ وہ گاؤں آ کر اپنے اسی دوست کے پاس ٹھہرا
 جس نے فی سال پہلے گاؤں سے شہر جاتے ہوئے اس کی ہانہ ماری تھی۔ خردین نے اپنے رشتے داروں سے ملنے کی
 کوشش نہیں کی تھی کیونکہ وہ اس کے رشتے داروں نے اسے منگ لیا تھا۔ گاؤں میں اب خردین کی عزت تھی کیونکہ خردین
 وہاں اسی طرح جس چند روپے آتا تھا جس طرح سرکاری نوکری کے دوران آتا تھا۔ اس کے سبب جہاں اور گاؤں
 والے اس کی شخصیت عزت کر سکتے تھے انہوں نے کی۔ وہ اس گاؤں کی پہلی ڈاکٹر لڑکی کی جو کافی لگا کر آیا تھا وہ کی کو زیادہ نظر
 نہیں آئی۔ شاید اس لیے کیونکہ چڑیا انجی میڈیکل کالج میں لگی تھی ڈاکٹر بنی نہیں تھی اور اس لیے بھی کیونکہ وہ ایک لڑکی
 تھی۔ وہ بھی اکیلی لڑکی جس کا والد انجینئر گاؤں کے بڑے پورے گھرانے کا بڑا تھا۔

خردین کو کبھی شہر میں ساری زندگی گزارنے کے بعد ان کے تعلیم پر کوئی بھی خیال نہ تھا تو والدین نے اسے چکنا چور کرنے
 میں کوئی نہیں سمجھا۔ چڑیا جس سے بے جا ملنے میں کوئی بھی خیال نہ تھا تو والدین نے اسے چکنا چور کرنے
 دکان بتائی کی وہ جس چال میں تھی وہ روز کے کتنے کتا اور کتنے بچے جانتا تھا۔۔۔۔۔ اور کیا گاؤں میں سے کسی اور کے شہر چا کر وال
 کو کوئی بڑی دکان سے ملے دیا اس کو پتہ تھا جیسے خردین کے لیے بنا تھا۔ لیکن کسی نے خردین کی ڈاکٹری بڑھنے والی
 نوکری کے بارے میں زیادہ نہیں پوچھا تھا کیونکہ وہاں کی کوئی بیٹیوں یا لڑکیوں کو ڈاکٹر تو کیا ایڈیٹری تعلیم سے
 زیادہ پڑھانے کی بھی خواہش نہیں کی۔ وہ عزت کے اسی رول اور حیثیت سے خوش تھے جو صمدیوں سے ان کے علاقے
 میں عزت کی تھی۔ چڑیا ڈاکٹر بن کے وہاں آتی تو شاید پھر بھی وہاں اس کی قدر ہوگی۔ مفت دوا اور علاج کی غرض
 بہت سے لوگوں کو غرض مند بنا کر ان کا احسان منور کر دیتی لیکن فی الحال خردین کا کادھو گاؤں والوں کے نزدیک کسی کام کا
 نہیں تھا۔۔۔۔۔ ان کے نزدیک شہر میں خردین کے کام میں ہونے والی قدرتی فراہمی چڑیا کی۔ یہاں تک کہ اپنی بیٹی کو کوئی
 اچھی جگہ دے دیا اور باہر بھی قابل محسن تھا۔ لیکن چڑیا کو وہ ایک ڈاکٹر نہیں جس کے لیے خردین نے انجینئر سے خواب
 دیکھے تھے۔ جس کے لیے خردین نے راتیں محنت کرتے کا نہیں۔

خردین نے گاؤں آتے ہی چوڑکت تھی اس نے یک دم اس کی ٹھٹھکی کی سالوں پرانی کدورت اور بھی جیسے چکا
 دیا تھا۔ خردین نے گاؤں آتے ہی چڑیا کے منع کرنے کے باوجود اپنے خاندان پر جملہ ساری کے ذریعے اپنی زمین بھلیا
 لینے کی ایف آئی آر کنوینٹنسی بھی اور تھا نے دار نے اس کے پیسے اور یوں چال سے متاثر ہوتے ہوئے کچھ لے دیے بغیر ہی
 ایف آئی آر صرف رجسٹر کر لی گئی بلکہ اس پر ڈاکٹر کا رولائی کرنے کی کوشش بھی کی تھی اور یہ کوشش جیسے ایک پیٹنڈہ باکس
 کھولنے کے برابر تھا۔

☆☆☆

”فی الحال تو شادی کی بات کرنا اور سوچنا بھی پیٹنڈہ باکس کھولنے کے برابر ہے۔“ ایک نے قاطعہ کے اس
 مطالبے پر کہ وہ اپنی اور اپنی ٹھٹھکی کو اس کے گھر رشتہ بانٹنے کے لیے لائے جواب دیتے ہوئے کہا۔ قاطعہ اس کی بات پر کچھ
 دیر کے لیے جیسے ٹھہر گیا نہیں سکا۔

”پیٹنڈہ باکس کس اعتبار سے کہہ رہے ہو؟“ وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ ایک چند لمبے بڑی جھجک کے اس کا
 چہرہ اور یکساں پتھر اس نے کہا۔

”میری بھیلی سال اچھی کرن سے گجھت ہوئی ہے۔“ قاطعہ کو لگا اسے سننے میں کوئی غلطی ہوئی تھی۔
 ”تم نے کیا کیا؟ میں نے سننا۔۔۔“

سالگرہ نمبر: "میری انجینٹ ہو سکی ہے لیکن میں کوکشل کر رہا ہوں کہ یہ قسم جو مجھے تھی تو اوقت چاہے ایک ڈیڑھ سال میں اس کے اسٹے کا ڈیوٹی مل ڈال لوں گا۔" فاطمہ چپ چاپ اس کا کچھ دیکھ رہی اس کے لیے یہ بات قابل تھنا کر ان کے اس طرح کے اعلان کے باوجود ایک نئے چپ چپانے لگی کہ وہ فاطمہ کو اس بارے میں بتایا نہیں تھا۔

"تم نے مجھ سے ڈرگن کیا؟" اس نے بالآخر ایک سے شکایت کی۔

"تم سے کیا کر رہا تھا؟" تم خود آؤ میں اپنی پیٹ ہوئی اور تم اپنی پیٹ ہوئی تو میں بھی کہاں خوش رہ سکتا تھا۔" ایک نے بڑی جھجکی سے اس سے کہا۔

"لیکن ایک یہ بہت بڑی بات تھی۔ ایک سال ہو گیا تھا میری جھجکی کو اور تم نے مجھے بتایا کہ نہیں۔"

"میں نے کہا کیا وہ میں اس رشتے سے خوش ہوں یہ نہیں اور نہ ہی مجھے وہ شادی کرنی ہے۔" پھر جھجکی کا ہونا نہ ہوا اور اس کے بارے میں بتایا نہ تھا کوئی نہیں رکھتا۔ "ایک نے اسی جھجکی سے کہا۔

"میرے لیے رکھتا ہے ایک۔" مجھے یہ خبر ہی نہیں رکھنا اور پھر بتے رہنا یہی اچھا نہیں لگتا۔" فاطمہ نے اس کی بات کا نتیجہ ہوئے کہا تھا۔

"میں جی قسم کروں گی کہ کوکشل کر رہا تھا۔" ایک نے کچھ زور و آواز میں اسے وضاحت دی۔

"پھر جی بتانا چاہیے تھا۔" فاطمہ نے اس کی بات کا ردی۔

"مجھے خود تھا کہ تم خفا ہو کر مجھ سے الگ ہو جاؤ گی۔" اس کی وضاحت نے یکدم کے لیے فاطمہ کو جیسے لاجواب کر دیا تھا۔ کچھ کہنے کے بعد اس نے اپنی کتابیں میٹھا خروار کر دیں۔

"تم اس طرح مجھ سے خفا ہو کر جاؤ گی تو میں بہت اپنی پیٹ رہوں گا۔" ایک نے اس کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں ہوں۔" ہرٹ ہوئی اور پھر اخیال سے مجھے اس کا حق ہے۔" کہتے ہوئے کبھی وکیل کر لائبریری کی بیز پر پڑی اپنی کتابیں اٹھا کر کھڑی ہوئی تھی۔ ایک ایک کھڑا ہوا۔

"I am sorry" اس نے مدھم آواز میں جیسے فاطمہ کو ایک بار پھر ماننے کی کوشش کی۔ فاطمہ کچھ کہی کیے بغیر وہاں سے نکل آئی۔ دل ٹوٹے جیسے جملے اس نے پہلے کی بات سے اور وہ نہ کر رہی تھی۔ مینڈل کا اسٹوڈنٹ ہونے سے پہلے نہ کرنا کہ پیار میں ناکی پڑل دل ٹوٹ سکتا ہے بالکل ناممکن تھا لیکن لائبریری سے ہل تک کا سفر کرتے ہوئے فاطمہ کو پہلی بار اس تکلیف دہ احساس سے گزرتا پڑا۔ کاج اور پلاسٹک کی وہ لڑکیوں کی جھیلیاں ہوتے اور ٹوٹے دھنکیں دھنکی تھیں۔" انگریز چلتے اور پھر اسی طرح بریک اپ ہو جاتے اور زندگی پلٹی ہی نہیں بکھینیں بدل گیا تھا۔ لڑکیاں پکھڑے پڑتی دھنکی تھیں پھر ٹھیک ہو جاتی تھیں۔" ہل جاتی تھیں۔ ان کی جھکیوں میں آنے والے مرد کا وہی ہی بہت جلدی اور جیٹ بھی دیر سے لیکن تھریل ہو جاتا تھا۔ اور اس کی چیزوں کو بہت رادہ دیتے رہے کہ بعد میں وہ اپنے اندر اپنی حسد جلیں

جھلیں پانی کی کڑی زندگی میں سے مائیں کر کے دلچسپی پائی تھی زندگی میں ایک کے بعد کسی دوسرے مرد کا تصور کر پاتی۔ اس نے زندگی میں پہلی بار کسی کے ساتھ کی خواہش کی تھی۔ کسی کے ساتھ کی خواہش کے لیے اس نے کڑھڑکی دی اور یہی گرائی نہیں اور اب اس کے یوں قدم پیچھے پھینکے پڑے پکھڑے کے لیے فاطمہ کو ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی میسر کے کھیل کا ایک کھڑی رہ گئی۔

پہلے آنے کے بعد بھی وہ بہت دیر تک نہ دماغ کے ساتھ اسے کمرے میں بیٹھی رہتی تھی اس کا ذہن اب بھی ایک ہی ماننے کو تیار نہیں ہو رہا تھا کہ یہ سب اس کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ اپنے آپ کو عام لڑکیوں کی طرح کمزور سمجھتی تھی۔

پہلے کے کسی کمرے میں بیٹھ کر وہ آؤں بار بار کرتی اور لڑکیوں کا بیج اٹھا کر کے ان کے ساتھ جیسے ساتھ ہونے والے دوسرے کوکشل کرتی لیکن بیج بات میں اب اس تکلیف سے گزرتے ہوئے اس کا دل بھی تھکا پھوٹا تھا۔

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

بستر پر

ہاں... تم سے کہہ رہا ہوں ناہ وہ بھی بڑا اچھا تھا... چھ دن پہلے تھا... پتہ پورا والا لگ رہا تھا... مجھے یاد تھا کہ اسے میری شکل جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ خبر دین سکتا ہے وہ نے چڑیا کے ساتھ پہلے سے بتانا لگا۔
 "کیا تم قاتل اس کا؟" پتہ پانے کا ایک پتہ چھا۔

☆ ☆ ☆

شری دل نے اسے گھوڑے سے گرتے ہوئے دیکھا تھا۔ گھوڑا دوڑتے ہوئے ایک ٹپکے کے لیے وہ غیر ارادہ طور پر گھوڑے کی باگ چیتھنے رک گیا تھا۔ اس کا گھوڑا چند گھنٹوں کے لیے لپکا ہوا بھریا میں طرے دوڑتا ہوا رنگ کے دوسرے سرے پر پہنچ گیا جہاں شری دل نے بالآخر اسے روک لیا تھا۔ چھل دیتی والے انداز میں گھوڑے کو چلائے ہوئے وہ اسے وہاں لے کر آیا جہاں اس کے مرادیلے سے سامنے ایک مرد کا سرخ رینگا اسٹرک اور پیو امیڈ ایک اسٹاف کے گھیرے میں زمین پر بالکل ہی سب و حرکت چٹ پٹی ہوئی نظر نہ رہی تھی اور اس کے بالکل قریب ہی ایک گھوڑا زمین پر لٹکا ہوا تھا۔ اس کے پاس اسٹاف کے گھوڑے سے گرتے ہی وہ کا سرخ رینگ سے پہلا آدی تھا جو اپنا گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس کے پاس پہنچا تھا اور اس کے گھس کے پاس پہنچنے پر شری دل کا اضطراب عجیب کی شکل میں بدل گیا تھا۔ رنگ کے باہر کھڑی ایک بوئیس نے بھاگ کر گھس کے پاس پہنچنے والے پیو امیڈ کی اسٹاف کے ساتھ ہی دوسرے مراد کا سرخ رینگ اور اسٹاف کے اسٹرک کو اسٹاف کے اسٹرک کے گرد اور بٹانے کھڑے سے صرف شری دل تھا جو گھوڑے پر بچھتا ہوا تھا۔ اسٹاف کے پیو امیڈ کے ساتھ اس کا جائزہ لے رہا تھا۔
 وہ لوگ صبح کے وقت باہر رینگنے کے لیے نکلے ہوئے تھے جب یہ واقعہ ہوا تھا۔ وہ DMG گروپ کی STP کے آغاز کا وقت تھا اور چند سویرے کلیمز کے آغاز سے پہلے اسٹاف کے سینئر مردوں کے اس کبر اور دو گم میں ان سب کے لیے مطالبہ جان تھا۔ شری دل اور پیو امیڈ سمیت DMG کے چند دوسرے آفیسرز چنگی اس اور اس جیسے دوسرے اور اس کے فارغ التحصیل ہونے والوں کے لیے گھر موار ہی جیسے بائیس ہاتھ کا کھیل تھا۔ رنگ میں اپنا اپنا گھوڑا لیتے ہی وہ تین چار لوگ گھوڑے کو بوئے زمینان سے اصرار اصرار نہلاتے تھے۔ صرف وہ گئے تھے اور باقی کا سامرا گروپ ہر مرد کی طرح آج بھی گھوڑے پر دروست طریقے سے چڑھنے اور بیٹھنے کی ڈل کرنے میں مصروف تھا۔ چند منٹوں پہلے گھوڑوں پر بیٹھے بیٹھے ہر مرد کی PT ڈزل کرنے کے بعد وہ سب اپنے گھوڑوں کو trotting (آہستہ آہستہ دوڑانا) کے لیے اسٹرک کے ساتھ ایک دائرے میں دوڑا رہے تھے۔ اس اور پیو امیڈ کے گھوڑے شری دل کے گھوڑے سے چار یا پانچ گز کے فاصلے پر تھے۔ ان کے درمیان عباس شری ذری اور عرفان محمود کے گھوڑے تھے۔ اس کرب میں گھس واحد لوگ تھی اور رینگنگ اسٹرک ہر مرد اس کے گھوڑے کو سب سے پہلے ایڈوینس کے لیے کہا تھا۔ دائرے میں گھوڑے دوڑاتے دوڑاتے ایک مرحلے پر تمام گھوڑے یوں ایک مکمل دائرہ بناتے تھے کہ یہ سب ایسا دکھانے لگے کہ اسٹاف کے دروازے دوڑاتے دوڑاتے ایک ایسا گروہ ہوا تھا۔ trot کرنے کی ہونی پہلے تھی۔ پھر نیچے پر گھوڑا دوڑاتے ہوئے شری دل کی نظر میں ہمیشہ کی طرح آج بھی ایک مرد تھے۔ وہ خود ایک ماہر گھوڑا سوار تھا اور trot جیسی چیز اس کے اور پیو امیڈ کے لیے ایک ملو گھی۔ اس لیے اس کی توجہ رینگنگ سے زیادہ گھس پر مرکوز رہتی تھی جو گھوڑے سے قابو پانے کی کوشش میں حال نظر آتی تھی۔ چوتھے دن تک وہ گھوڑا اپنا انداز میں کنٹرول کر رہی تھی اور شری دل اس وقت بھی اسے دیکھتے ہوئے ایک چیز پر غور کر رہا تھا جب اس نے گھس کے پاؤں کو کاب سے باہر نکلتے دیکھا۔ وہ ڈراما بائیں طرف پھل کر بھیجی پھر اس نے گھوڑے کی گردن سے لپٹ کر پیچھے اپنا توازن ٹھیک کرنے کی کوشش کی۔ فنی حیرت بیک اپنا گھوڑا تیزی سے بھاگتے ہوئے اس کے برابر لے آیا تھا۔ اس نے گھس کے گھوڑے کے برابر گھوڑا بھاگتے ہوئے اس کے گھوڑے کی باگ بکڑ کھینچنے کی کوشش کی۔ جب تک اس کے ہاتھ سے گھس کے پیچھے جھول رہی تھی۔ گھس کا گھوڑا قریب کے گھوڑے کے الفاظ قریب آئے یہ ایک دم باگ تھا اور اس نے بھاگتے ہوئے دائرہ دوڑنے کی کوشش کی اور بالکل اس وقت شری دل نے گھس کو توازن مکمل طور پر کھو گھوڑے کے

☆ ☆ ☆

ہاں... تم سے کہہ رہا ہوں ناہ وہ بھی بڑا اچھا تھا... چھ دن پہلے تھا... پتہ پورا والا لگ رہا تھا... مجھے یاد تھا کہ اسے میری شکل جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ خبر دین سکتا ہے وہ نے چڑیا کے ساتھ پہلے سے بتانا لگا۔
 "کیا تم قاتل اس کا؟" پتہ پانے کا ایک پتہ چھا۔

ہاں... تم سے کہہ رہا ہوں ناہ وہ بھی بڑا اچھا تھا... چھ دن پہلے تھا... پتہ پورا والا لگ رہا تھا... مجھے یاد تھا کہ اسے میری شکل جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ خبر دین سکتا ہے وہ نے چڑیا کے ساتھ پہلے سے بتانا لگا۔
 "کیا تم قاتل اس کا؟" پتہ پانے کا ایک پتہ چھا۔

شری دل نے اسے گھوڑے سے گرتے ہوئے دیکھا۔ وہ گھوڑے کے ڈراما سوار تھا۔ اس کے بالکل سیدھا چارٹ کے بل زمین پر گر گئی۔ اس نے اس کے گھوڑا رینگڑا سے ہونے بھی سنبھل لیا اور بندہ اسے اتارنے کے اوپر کڑا ہوا اس کے جیروں سے ڈری ہو ہاں۔ وہ سب انداز میں گھس کی شری دل کو یقین کا وہ گھوڑا رنگ سے چلتے ہوئے گھس کا سستی تھی۔ رینگنگ رنگ میں گھس پر ریت کے اس کے باوجود گھس کی ادنیائی سے وہ گھس کی ایسا ممکن تھا کہ وہ گرتے ہی اٹھ کر بیٹھ جاتی۔ چند گھنٹوں کے لیے شری دل کو بھی واقعی سمجھیں آیا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ گھوڑے سے اتر کر اس کے پاس دوسروں کی طرح جانا چاہیے یا ہی طرح گھوڑے سے بیٹھے بیٹھے اس دائرے کے گرد گھومنا چاہیے۔ جو س مرادیلے کے گرد بھاگتا تھا اور جس میں سے اسے اس کی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ایک منٹ، دو منٹ، تین منٹ، چار منٹ... پانچ منٹ پر شری دل نے اس دائرے کو گھومتے دیکھا۔ وہ کا سرخ رینگ آہستہ آہستہ اسے گھوڑوں کی طرف جانے لگے تھے اور اس نے اس چھتے ہوئے ہجوم کے درمیان مرادیلے کو دیکھا۔ وہ زمین پر بیٹھا دیکھا تو وہ کھٹک کھٹکی۔ زمینان کی ایک سانس اسے آتی تھی۔ وہ اب سر پر پینا ہوا ہیڈلٹ اور ہار پہنتے ہوئے اس کی ٹیٹ کو اپنی گھوڑی کے پیچھے رکھ رہی تھی۔ شری دل کو کچھ فاصلے پر اپنا گھوڑا روکے اسے دیکھتا رہا۔ اس کے کا سرخ رینگ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے۔ ایک امیڈ کی اسٹاف فرسٹ ایڈ باس زمین پر رکھے گھس کے پاس اترے گئے تھے۔ دو دنوں رینگنگ اسٹرک اور پیو امیڈ بھی وہیں تھے۔ وہ اب ہاتھوں میں پیٹے پر ہلکا گھوڑا کھٹک کر رہی تھی۔ شری دل نے اسے اپنے بازو سے چہرے پر لگی ریت صاف کرتے دیکھا تھا۔ اس نے رینگنگ ٹپکے بوش کے اندر اپنے جیروں کی پانچوں ٹھیک کرتے ہوئے ان کی ڈپ پیچھے کر کے دوبارہ بند کی۔
 ساتویں منٹ میں شری دل نے اسے حید کا بڑا ہوا ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہوئے دیکھا۔ وہ اب اپنے دونوں جیروں پکڑ کر اپنی گھس کے رینگنگ گھوڑوں کے ریت بھاڑنے کے بعد اپنے گھس کے اور پکڑ کر گھوڑے کے گرد اپنے اسٹاف کو کھٹک کرتے ہوئے کوٹ کے پٹی بند کر رہی تھی جب اس نے اپنے بالقاتل باج گز کے فاصلے پر گھوڑے پر بیٹھے شری دل کو دیکھا۔ صرف چند گھنٹوں کے لیے دونوں کی نظریں ہی گھس، صرف چند گھنٹوں کے لیے وہ کھٹکی میں بھریا سرمت سے اس نے نظریں چراہیں۔ ایک امیڈ ایک اسٹاف کے ہاتھ سے پانی کی بوش کے گرد گھومتی کی بکڑوں واپس اس کی اوپر شری دل نے اسے دائرے کے وسط میں گھس کے اپنے گھوڑے کی طرف جاتے دیکھا جس کی باگ ایک سانس پکڑنے کے بعد اس کا شری دل کو اس کے قدموں میں کوئی ٹکڑا اٹھ اور چہرے پر تکیف کے کوئی آثار دیکھنے کی خواہش تھی تو اس کی خواہش پوری نہیں ہوئی تھی۔

دوویں منٹ میں شری دل سمیت 16 پرفیئر نے سس مرادیلے کو ایک عجیب کی خاموشی اور تعظیم جیتنے کے عالم میں حد پر اعتماد اور اصرار سے اپنے گھوڑے پر دوبارہ سوار ہوئے دیکھا۔ اس نے رینگنگ اسٹرک کو کاب میں پاؤں پکڑنے کے لیے کاب کو ہاتھ لگائے دیا تھا۔ نہ باگ پکڑنے میں اس کی مدد نہ تھی۔ وہ باگ پکڑ کر بھی جی

Laces are romantic!

”نہیں! انداز میں تائیدی۔ عکس نے اس کے انداز اور جے“ کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔
 ”ہر بار میری judgement بہت flawed (ناقص) نکلتی ہے۔“ وہ واقعی کافی دل شکستہ تھی، شادی سے
 پہلے پہلے ایسی کوئی صورت حال کسی بھی لڑکی کو اسی طرح دل شکستہ کرتی اور وہ بہر حال ایک لڑکی تھی۔
 ”میری سمجھ میں صرف یہ نہیں آیا کہ تمہیں جو اداسی میں نظر کیا آیا تھا..... مجھے ایک نظر دیکھنے پر ہی وہ اچھا نہیں لگا
 تھا۔ تم دو سال اس سے ملتے جلتے رہنے کے بعد بھی یہ نہیں جان سکیں کہ وہ ایک short tempered (غصے والا)
 آدمی تھا جو تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود عورت کے ساتھ ہر طرح کی جہالت کا مظاہر کر سکتا تھا۔ میں یہ تو نہیں مان سکتا
 کہ تم محبت میں اندھی ہو گئی تھیں کیونکہ عکس مراد علی تم کو کوئی محبت میں اندھا کر سکتا تو یقیناً اس کی جگہ یہ اعزاز صرف مجھے
 حاصل ہونا چاہیے تھا اور اگر یہ کام میں بھی نہیں کر سکا تو کوئی دوسرا اس کا اہل نہیں ہو سکتا..... تو واقعی سوچنے والی بات ہے یہ
 کہ تم نے اس آدمی کو اتنا misread کیا، اس کے مزاج کے حوالے سے“ عکس نے اس کے ابتدائی جملوں کو
 ایک بار پھر نظر انداز کرتے ہوئے اس کے آخری جملے پر کہا۔
 ”مجھے تو یہ تک چٹانیں چل سکا کہ وہ ڈرنک کرتا ہے۔“
 ”غیر وہ میرے لیے کوئی اتنا قابل اعتراض کام نہیں ہے۔“ شیردل نے اسے لوکا۔
 ”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ یہ ایسی بات نہیں ہے جس پر تم کسی کو شادی کے لیے رجسٹر کر دو۔ عادی ڈرنک ہوتا اور بات ہے
 اور سوشل ڈرنک کرنا ایک بالکل الگ..... بہت سارے مرد سوشل ڈرنک کرتے ہیں لیکن وہ بہت اچھے شوہر بھی ثابت
 ہوتے ہیں۔“ شیردل نے بڑی بنجیدگی سے اس سے کہا۔ عکس نے یک دم اس کی بات کا نٹے ہوئے اس سے کہا۔
 ”تم ڈرنک کرتے ہو شیردل؟“ شیردل اس سوال کے لیے قہقہہ تیار نہیں تھا۔ وہ کچھ حیرانی سے ہنسا تھا۔
 ”یہ کیا سوال ہوا؟“
 ”تم ڈرنک کرتے ہو شیردل؟“ عکس نے اپنا سوال دہرایا۔
 ”یہاں میری بات نہیں ہو رہی۔“ شیردل نے ایک بار پھر جواب سے چٹنا چاہا۔
 ”تم ڈرنک کرتے ہو؟“ عکس اب بھی ڈائریکٹ تھی۔
 ”اگر کرتا ہوں تو تم کیا کرو گی؟“ شیردل نے جواب دینے کے بجائے الٹا پوچھا۔
 ”تم ڈرنک کرتے ہو؟“ اپنی اتنی طویل دوستی کے دوران آج پہلا موقع تھا جب شیردل نے عکس کو کسی بات کو اس
 قدر اصرار سے پوچھتے دیکھا تھا۔
 ”نہیں۔“ شیردل نے بالآخر کہا۔
 ”میں جانتی تھی۔“ اس نے دوسری طرف عکس کے انداز میں ایک عجیب سا اطمینان محسوس کیا۔
 ”لیکن میں اسے برا نہیں سمجھتا۔“ شیردل نے ساتھ ہی کہا۔
 ”میں سمجھتی ہوں۔“

”کون سی چیز زیادہ قابل اعتراض ہے تمہارے نزدیک، بدتمیز اور شارٹ میمر ڈھونڈنا یا شراب پینا؟“ شیردل نے
 عکس کے عجیب احساس کے تحت اس سے پوچھا تھا۔
 ”شراب پینا۔“ عکس نے جواب دینے میں ایک لمحہ نہیں لیا تھا۔ وہ چند لمحے خاموش رہا۔
 ”مجھے بھی اندازہ نہیں تھا کہ تم شراب پینے والوں سے اتنی نفرت کرتی ہو..... کیوں؟“ عکس اس بار چند لمحے خاموش
 رہی پھر اس نے کہا۔
 ”بہت سی چیزیں ہمیں پسند ہوتی ہیں اور کچھ پسند نہیں ہوتیں..... ہر پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے لیے وجہ کا ہونا
 ضروری ہے کیا؟“

”اور یہ جونی وی پرفیس آتے ہیں۔“
 ”وہ تو معاوضہ لیتے ہیں۔“
 ”تم بھی معاوضہ دے دینا۔“
 ”ابھی میں اتنی امیر نہیں ہوں“ وہ پوچھا صاف کرتے ہوئے بولی۔
 ”یاد رہت امیر ہو“ وہ بلا۔
 ”اچھا مجھے تو چاہی تھا۔“

”آخر تم میری بیوی ہو۔“ ارسلان چکا۔
 ”ہاں یہ تو یاد ہی نہیں رہا۔“ وہ زور سے ہنسی۔
 ”میں تو بہت امیر ہوں۔“ عالیہ نے ارسلان کے بازو میں ہاتھ ڈال کر محبت سے کہا۔ ”چلو اب کام ختم ہو گیا ہے۔“ عالیہ نے کچن کا دروازہ بند کیا اور ارسلان اسے ساتھ لگے کمرے میں داخل ہوا۔

گرم دودھ پی لی اور پی گرمی کم لگے گی مگر ہو سکتی ہے گرم کر کے پی کر لیں۔“
 ”ای جی جب عالیہ دودھ لائی تھی بھاپ نکل رہی تھی۔“ ارسلان نے ماں کی طرف دیکھا۔ ”خوشخبری تو یہ ہے۔ اس لیے جلدی ختم ہو گیا ہوگا۔“
 ”دو چار جوش دے لیں تو ایسا نہ ہوتا۔ اچھا ہن میں تو سونے جا رہی ہوں۔“ حمیدہ بیگم صوفے سے اٹھتے ہوئے بولیں۔

”شب بخیر امی۔“ ارسلان نے کہا۔ عالیہ جلدی سے کچن میں گئی، پانی کی بوتل اور گلاس اٹھا کر حمیدہ بیگم کے کمرے میں آئی، پیڑ پر گلاس اور بوتل رکھی۔ حمیدہ بیگم واکس روم میں تھیں وہ جلدی سے کمرے سے باہر آ گئی۔ ارسلان لاؤنج میں بیٹھ تھا۔ اس نے کچن میں آ کر برتن دعوے، چوہا اور فلیٹ صاف کر کے وہ ہوائی پانی کی بوتلیں رکھ رہی تھی کہ ارسلان آ گیا۔

”بھئی کب تک انتظار کرواؤ گی؟“
 ”آپ جا سکتے ہیں۔“ میں نے کہا۔
 ”عالیہ نے فریج میں بوتل رکھتے ہوئے کہا۔
 ”تمہارے بغیر کمر کاٹ کھانے کو دوڑنا ہے۔“
 ”یہ رو مانس کا نام نہیں ہے۔“ وہ مسکرائی۔
 ”مچھروں کا نام ہوتا ہے بھلا۔؟“ چلو کمرے میں۔“

”کچن تو سمجھتے ہیں۔“ اس نے سانس کا ڈونکا۔
 ”میں میں رکھا اور پلٹ کر صوفے پر تن ریک میں رکھتے تھی۔“ ارسلان سینے پر ہاتھ باندھے دروازے سے اٹھا۔ اگلے اسے دیکھ رہا تھا بھڑکایا۔
 ”مجھے کوئی کام بتاؤ۔“
 ”میں نے دیکھیں۔ کچن میں صرف عورتوں کے کام تھے۔“

حیرت سے پوچھا۔
 ”ہاں کیا خرچ ہے؟“
 ”کیوں۔“ جاکر نے کہا ہے دودھ پیا کرو۔“
 ”آج ذرا صحت ہے تا تو دل چاہ رہا تھا۔“ مسکرا کر بولی۔
 ”کوئی ضرورت نہیں ہے بس دودھ پیو۔“
 ”چائے تیار کیا جائے گی۔“ عالیہ نے کہا۔
 ”میں پی لوں گا، تم اپنے لیے دودھ لاؤ۔“ ارسلان نے دوسرا کپ بھی اپنے گھر کا لیا۔
 ”اچھا میں سوئے وقت پی لوں گی۔“ عالیہ نے گنگ اپنی طرف کیا۔
 ”ابھی۔“ ارسلان نے کہا چائے کا حمیدہ بیگم بول پڑیں۔

”کچر تو وہی ہے پی لے گی، تم تو پیجی ہی پڑ جاتے ہو اور ذرا شرم نہیں کہیں کہ ماں سامنے بیٹھی ہے چھلپیں سوچ رہی ہیں۔“ حمیدہ بیگم نے غصے سے کہا۔
 ”ای یہ چھلپیں نہیں ہیں، میں خیال نہیں رکھوں تو۔“

”تمہارا کیا خیال ہے، میں عالیہ کا خیال نہیں رکھتی؟“ بات کاٹ کر وہ مسکرائی۔
 ”یہ بات نہیں ہے امی۔“ ارسلان گڑبڑا گیا۔
 ”مچھروں کا مطلب ہے تمہارا۔“ ایسی حالت میں عورت کی طبیعت اوپر نیچے ہوتی ہے، یہ بھی دل چاہتا ہے کوئی چیز کھانے کو کہی نہیں زبردستی ٹھونسے تو گھر سے کر دے گی۔“ حمیدہ بیگم نے اپنا دودھ کا گلاس یوں سے لگا یا اور ایک ہی سانس میں غنا غٹ پی کر بولیں۔
 ”بھوک نہیں کیا تھا؟“
 ”یہ کیا تھا کمر۔“
 ”اے“ لڑکیں جھوٹ کہہ رہی ہوں۔ دل تھا ذرا

سالگرہ نمبر اکٹو بیٹا ہے، خاندان والے کیا کہیں گے کہ ارسلان کے پہلے بیٹے پر سسرال والوں نے بیٹی کو گھر لائی کہ رسم بھی نہ کی۔“
 ”خاندان والے۔۔۔۔۔۔“ عالیہ دھڑکے سے ہنس دی۔ وہ تنگ کر بولیں۔
 ”لو بیٹے کی کیا بات ہے۔ میری تو بیٹیوں کے تین تین بیٹے ہو گئے ہیں مگر میں نے ہر بیٹی کی مرتبہ ان کی سسرال جا کر کو گھر لائی۔ اس سے بیٹیوں کے سربلند ہو جاتے ہیں۔ تم بھی ماں کو کوہو بیٹی اور لاو بیٹہ تمہاری۔“
 ”جی۔“ کہوں گی۔؟“ عالیہ پرات اٹھا کر اندر چلی گئی۔

”عجب لڑکی ہے، جو بات کہو ہمارے ہاں یہ رسم نہیں وہ رسم نہیں۔ یہ دیکھیں، ریتیں تو پہچان ہیں ہماری۔“ حمیدہ بیگم بڑبڑا رہیں۔

☆ ☆ ☆
 رات کا کھانا کھانے کے بعد عالیہ نے برق سینے اور کچن میں رکھ کر ڈرائنگ روم میں آ کر میز صاف کی۔

”چائے نہیں لے گی بیگم۔؟“ ارسلان نے پوچھا۔
 ”میں پانی چو لے پر رکھ آئی ہوں۔“ عالیہ نے جگ اٹھایا۔ ”ای آپ کے لیے بھی۔“

”نہیں مجھے کرات بھر نہیں آتی۔“ مجھے گرم گرم دودھ لا دو ایک گلاس۔“ حمیدہ بیگم جلدی سے بولیں۔
 ”عالیہ نے چائے بنائی، ساں کے لیے دودھ گرم کیا، گلاس میں دودھ ڈالا، دوگ چائے کے گھرے میں رکھے اور گلاس بھی رکھ کر وہ باہر آئی تو ماں بیٹا لاؤنج میں بیٹھی بی بی دیکھ رہے تھے۔ عالیہ نے وہیں میز پر ٹرے رکھ دی اور دو بھی بیٹھی۔
 ”تم بھی چائے پی رہی ہو؟“ ارسلان نے

Monthly Digest
 SUSPENSE
 سسپنس
 SARGUZHAST
 سرگزشت
 PAKEEZA
 پاکیزہ
 JASOOSI
 جاسوسی
 Sole Distributor
 ویکم بک شاپ
 WELCOME BOOK SHOP
 P.O.Box 27869
 Karama, Dubai
 Tel: 04-3961016
 Fax: 04-3961015
 Mobile: 050-6245817
 E-mail: wibooks@emirates.net.ae
 JD Group of Publications

بیڈ پر ہٹھا کر یولا۔

”تم تھک جاتی ہو گی؟“ ارسلان اسے

لگانے کی۔

خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

— 112 —

☆☆☆

”کیوں نہیں۔“ عالیہ نے پاس پڑے خالی تنگ
میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا: ”مجھے پتا تھا آپ آنے
والے ہوں گے، پہلے ہی کپ لاکر رکھا ہے۔“

”بیوی ہو تو ایسی.....“ ارسلان نے کپتھام لیا۔ حمیدہ بیگم نے مت بتایا تو عدیہ بیگم کے چہرے پر خوشی مسکراہٹ بن کر کھڑ گئی۔

”اب آپ عالیٰ کو کب بھیجیں گی؟“ خدیجہ بیگم نے حمیدہ بیگم سے پوچھا۔
”کہاں.....؟“ ارسلان نے پوچھا۔

جائیں گے۔“
”مگر ابھی تو عالیہ کی ایسی کنڈیشن نہیں ہے خالہ

جان۔“ ارسلان نے کہا۔
 ”پتا ہے مگر پلے کے لیے تو جائے گی۔“
 ”نہیں، عالیہ کہیں نہیں جائے گی۔“ ارسلان

جلدی سے بولا۔
 ”یہ رواج ہے ارسلان۔“ حمیدہ بیگم بولیں۔
 ”میں کسی رواج کو نہیں مانتا، عالیہ میری ذمہ داری ہے۔“

داری ہے اور میں ہی بچاؤں کا۔ ارسلان نے ی سے کہا۔
 ”فضول کی ضد ہے تمہاری۔“ حیدہ بیگم

”امی آپ سمجھیں..... عالیہ کی طبیعت خراب ہوگی تو وہ کسے کہے گی؟“

باپ ہے، میں ہوں، بھائی ہیں اس کے۔“ خدیجہ بیگم
تک کر پولیں۔

فوتے داری ہے، جب آپ کے ہاں تھی تو باپ بھائی کی ذمہ داری تھی۔“

خدیجہ بیگم اور فخر علی، عالیہ کے ہر آنے پر وہ ماں اور بھائی کو دیکھ کر بے حد خوش ہوتی۔ انہیں وہ لاؤنج میں بٹھا کر چائے پنانے چلی آتی۔ خدیجہ بیگم بھی ڈھیر سارے فروٹ اور بڑا سا آئٹم کیب لائی تھیں۔ عالیہ نے چائے پنانے کے بعد ان کی تواری سے گفتگو بھی کر لی۔ لاؤنج میں آئی تو امی سے خدیجہ بیگم باتیں کر رہی تھیں جبکہ فخر بھائی اخبار پڑھ رہے تھے۔

”ارسلان کب آتے ہیں؟“ انہوں نے اخبار
 لپیٹ کر رکھتے ہوئے کہا۔
 ”بس آنے ہی والے ہوں گے۔“ عالیہ نے

وال کلاک کی طرف دیکھا۔
 ”بہو تم کیک بھی اٹھا لائیں، تمہاری اماں کیا
 سوچیں گی کہ ہمارے گھر میں چائے کے ساتھ سرو

”ایسی بات نہیں ہے امی.....“ عالیہ نے کہا
چاہا تو خدیجہ بیگم جلدی سے بولیں۔

وے، عالیہ کو آٹھ ٹیک بہت پسند ہے تو ظفر نے لے لیا، سب کھا میں گئے۔“

امی۔ ”عالیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ اسی وقت ارسلان بھی آ گیا۔

میں۔۔۔“ ارسلان خوشی سے بولا۔ ظفر سے گلے ملا اور خدیجہ بیگم کی طرف سر جھکایا تو انہوں نے اس کی

”ہمیں بھی چائے ملے گی بیگم۔“ وہ عالیہ سے

”تم جھوٹ مت بولا کرو۔“

میں نے پھر اسی سے ملنے خالہ رشیدہ آئیں تو آپ جا رہے ہیں کہ کھانے کے ساتھ ساتھ ان کے لیے دوسرے چائے بنی..... تو.....“

دودھ نہیں پچتا..... کل سے دودھ والے کو کہو ایک
کلو تمہارے لیے الگ دیا کرے، سب کچھ جہنم میں

تم نے ایک کلو دودھ پینا ہے بس۔
 ”امی سے کیا کہیں گے؟“
 ”یہ میرا ہیڈک ہے، تم پریشان نہ ہو۔“

”اچھا آپ بھی پریشان نہ ہوں آرام سے جا لیجئے، میں دودھ نہیں پیوؤں گی تو مر نہیں جاؤں گی۔“

”ہونے والے بیچ کے لیے اور تمہارے لیے
 پروٹین بہت ضروری ہے۔“
 ”ڈاکٹر ایویں کہتے ہیں، عورتیں تو سوکھی روٹی

”بس کچھ بھی ہو.....“ ارسلان نے کہا چاہا تو

عالیہ نے بات کاٹ دی۔
 ”پلیز ارسلان! میں کوئی مینشن نہیں لینا چاہتی
 جس طرح چل رہا ہے چلے دیں۔“

”خیال نہیں۔“

”خیال ہے جیسی تو کہہ رہی ہوں کہ مجھے ٹینس نہ

ہوئے دیں۔ آپ کو پتا ہے میں بہت حساس ہوں
ارسلان..... بس مجھے خوش رہنے دیں۔ یہی بہت
ہے۔“ عالیہ نے ہاتھوں پر کریم لگا کی اور ارسلان

بیڈ پر بیٹھا کر بولا۔
”جب آپ کی محبت کی پناہوں میں آتی ہوں
ساری جھکن اتر جاتی ہے۔“ عالیہ نے اس کے با

پھر اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا اور اس کا ہاتھ ا

ان رموز سے آشنا کیا جو مجھے پہاڑی نہیں تھے۔
 ”اچھا۔“ عالیہ نے مصنوعی حیرت سے کہا۔
 ”نہیں، یہ تو ایک عجیب سا لفظ ہے۔“

حالانکہ لوگ کہتے ہیں اورج یرج جھوٹا ہوتا ہے مگر میں کہتا ہوں ایسی بات نہیں ہے۔ بعض مرتبہ لو میرج میں بھی سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔“

لیکن مجھے لگتا ہے جیسے کل کی بات ہو جب تم میرے

”آج آپ کو یہ سب کیوں یاد آ رہا ہے؟“
”کبھی کبھی دل چاہتا ہے تم سے اظہارِ محبت کر دوں۔“

”جناب کو علم ہونا چاہیے کہ کبھی کبھی نہیں بلکہ روز بروز آج محبت کا تہجد کہ ”آج محبت کا تہجد“ ہے۔“

”اچھا مجھے تو پتا ہی نہیں چلتا۔“

”میں سنتی ہوں، مجھے تو پتا ہے نا۔“ عالیہ نے ہنس کر کہا۔

”تم نے دودھ پیا؟“
 ”ہی کیا ہے۔“ وہ نظریں چرا کر بولی۔
 ”میری طرف دیکھ کر کہہ۔“

”کیوں ایک بات کے چپے پڑ جاتے ہیں۔“
عالیہ اٹھ کر ڈریننگ کے قریب آئی اور ہاتھوں پر لوشن
(54) مہنامہ پاکیزہ — اپریل 2012ء

”صحیح تو کہہ رہی ہیں دیکھا کیا ہے گی۔“ عیدہ بیگم بولیں۔

”بھری اپنی دنیا ہے اور مجھے لوگوں کی پروا نہیں۔“ ارسلان ساٹ لہجہ میں بولا۔

”میں سمجھاؤں گی ارسلان کو، آپ بے فکر رہیں۔“

”دیکھو! اسپتال کا ہمارے یہاں سے بھی اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا یہاں سے بلکہ کچھ نزدیک ہی ہے اگر وہاں رہے تو کمرہ پر نہیں چھوڑ سکتا۔“

”یہاں بھی رہ بھولت ہے۔ میں اپنی بیوی کو دوسروں کے کم و کمرہ پر نہیں چھوڑ سکتا۔“

”دوسرے.....“ خدیجہ بیگم نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”ہم دوسرے ہیں۔“

”ہاں میرے لیے دوسرے ہی ہیں۔“ ارسلان نے غیرت کی انجھا کر دی تھی۔ ظفر علی ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔

”میں غیر ہیں تو غیر ہی تھا۔“

”ظفر بھائی آپ تو میری بات سمجھیں۔ رسم و رواج سہولیات کے لیے ہوتے ہیں کسی کو پریشان کرنے کے لیے نہیں۔ آپ بھی مصروف آدمی ہیں دفتر سے شام کو آتے ہیں مظفر بھائی بھی شاپ سے رات کو آتے ہیں، انکل بوڑے ہیں، میں آپ لوگوں پر اپنا بوجھ لاد دوں تو یہ کئی شرافت تو نہیں ہے۔“

”دنیا میں یہی رواج ہے۔“ عیدہ بیگم پھر بولیں۔

”تو اسے ختم کر دیں۔ میرا بچہ ہے اور اسے میرے گھر ہی پیدا ہونا چاہیے۔ میں اس کا حقیق چلہ ہو چر بے شک عالیہ کیجے جائے گا۔“

”میں اسے ختم کر دیں۔ میرا بچہ ہے اور اسے میرے گھر ہی پیدا ہونا چاہیے۔ میں اس کا حقیق چلہ ہو چر بے شک عالیہ کیجے جائے گا۔“

”میں اسے ختم کر دیں۔ میرا بچہ ہے اور اسے میرے گھر ہی پیدا ہونا چاہیے۔ میں اس کا حقیق چلہ ہو چر بے شک عالیہ کیجے جائے گا۔“

”میں اسے ختم کر دیں۔ میرا بچہ ہے اور اسے میرے گھر ہی پیدا ہونا چاہیے۔ میں اس کا حقیق چلہ ہو چر بے شک عالیہ کیجے جائے گا۔“

”کیا یہاں کھر میں تمہاری امی کیسے دیکھ بھال کریں گی، عالیہ کو کچھ سنبھالنا ہوگا۔ ہمارے گھر میں تو دو بھویں ہیں، عافیہ ہے، میں ہوں۔“ خدیجہ بیگم نے کہا۔

”میں اکیلا ہی بیوی بیٹے کی دیکھ بھال کروں گا۔“

”تو بے، دماغ خراب ہے اس لڑکے کا۔“ ٹھیک کھڑی ہیں خدیجہ۔ سو کام ہوتے ہیں پٹے والی عورت کے۔

”میں کروں گا۔ ظاہرہ کو بلالوں گا اگر ضرورت پڑی۔“ عیدہ بیگم نے ٹھوکر دیکھا مگر بولیں کچھ نہیں۔

”تم تو کچھ بولو، چلتا ہے یا نہیں؟“ خدیجہ بیگم نے عالیہ سے پوچھا۔

”جیسے ارسلان کہیں گے۔“ عالیہ نے آہستہ سے کہا۔

”اپنی رائے بھی تو دو۔“

”آپ نے ہمیشہ درس دیا ہے کہ میاں کی مرضی پر چلو تو بس۔“ عالیہ نے کندھے اچکا دیے۔

”اپنی مرضی بھی تو کوئی ہوتی ہے۔“

”میں کچھ نہیں کہتی..... میں نے زندگی ارسلان کے ساتھ گزارنی ہے۔“ عالیہ نے بڑھتی اور لاد آج سے کل گئی۔

”چلو پھر.....“ خدیجہ بیگم طویل سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ”کل کو میاں تم ہی طعنے دو گے کہ والدین خرابے سے بھاگ گئے۔“

”میں ان دامادوں میں سے نہیں ہوں جن سے آپ کا اور امی کا بالا پڑا ہے، میں اپنے زہر یا زہر جھروسا کرتا ہوں۔ آپ بے فکر رہیں، میرے کمر سے آپ کو طعنہ نہیں ملے گا۔“ ارسلان نے اطمینان سے کہا۔

”میں امی سے بحث نہیں کرتا۔ جو چیز میں غلط سمجھتا ہوں وہ نہیں ہوتے دوسلوں کا۔“

”دنیا کیا کہے گی، دو تمہاری پھوپھیاں کہیں گی کہ تم کو بچوں میں جینا پڑا ہے نہ گو بھرائی کی دم سے کہا۔“

پاکستان کی پہلی کہانی ورکشاپ

اُن کیلئے جنہیں اپنی تخلیقی صلاحیتوں پر یقین ہے، جو کہانیاں، افسانے، ناول لکھنا چاہتے ہیں! صرف اُن کی کہانی کا رول اور لادیں کی تحریر میں نقش و رنگ کیجئے۔

فکشن فورم پاکستان اور میڈیا اوپریٹس اینڈ کانسٹریکٹس سوسائٹی (پشاور) کے زیر اہتمام

17 اور 18 اپریل 2012 (11 بجے سے 5 بجے)

ورکشاپ کے موضوعات

- ★ چارٹیڈ انکیت ★ اچھا انداز لکھنا
- ★ جتنے جتنے کردار ★ تحریر کی سہولت
- ★ سب سے پہلے کہنا ★ کہانی شائع کرانے کیلئے ضروری

مکدوس فیس :-/1900 دوہ (جس میں شامل ہیں کورس میٹریل، اسٹیشنری، لچ، چائے، اسٹیکس، ٹریننگ اور پیکٹس)

مقام

APEX ACADEMY سہارا، گورنمنٹ، 27-19-C، منوٹر پکاس افسر نے، محلہ شاد آباد کی کھڑا سے، کوٹلی میں، ہاٹ جاتے ہوئے، فی اس بار، ہر ایک کے لیے، جو کچھ تو کچھ کر لیا، اس کا سہارا۔

رجسٹریشن کیلئے فوری رابطہ کیجئے

ای میل: fictionforumpk@gmail.com

تلفون: 0315-3830001, 0301-8210848

”آپ میری پوچھیں کو میرے سامنے کر دیجئے گا میں تو اب تحریک چلانے لگا ہوں، یہ سب آپ کسی عموقتوں نے رکھنا ہی ہیں۔ بھوک آپ کی بٹا آپ کا کھانے کی اولاد آگے کھوئے تو نہیں ملے گی، کون ہی تک ہے۔ دل سے بروکھی تک ہے اتنے فرچوں سے۔“

”تم نے اتنی آسانی سے کہہ تو دیا، اب دیکھو میں تو بیمار ہوں کس طرح دیکھوں گی عالیہ کو اور پیٹے کو۔“

”ظاہرہ آجائے گی، ہا کھلائیں۔“
”مگرے فالتو ہیں نا۔۔۔۔۔ آجائیں۔“
”پانچ ماہ پہلے جب ظاہرہ کے تیسرا بیٹا ہوا تھا یہاں تو عالیہ نے ظاہرہ کی خدمت کی تھی، اب ظاہرہ آجائے کروائے عالیہ کا چلے۔“ ارسلان اطمینان سے بولا۔

”ایسا تو کہیں نہیں سنا جو تم کہہ رہے ہو اور پھر ظاہرہ کیسے اسکتی ہے؟“
”عالیہ اس کی خدمت کر سکتی ہے تو وہ بھادج کے کام نہیں اسکتی۔ بس ای رہنے دیں آئندہ میری بہنوں کو کہہ دوں چکر نہ یہاں نہ آئیں۔“

”کیا کہہ رہے ہو تم؟“
”رسم ہوتی ہے پہلے پیٹے کے لیے مگر یہاں تو ہر تیسرے سینے پر پیدہ ہو رہا ہے۔ میں اتنا خرچ فورڈ نہیں کر سکتا۔ کبھی ظاہرہ آ رہی ہے تو قہری مینا اور پھر ماں کی طرح۔“

”وہاں؟“ ارسلان حیرت سے بولا۔

”آپ یقین کریں ارسلان، اماں کی بالیاں آخری بچی تھیں جو نظر بھائی کی ایم کے فیس کے لیے دینی چلی۔“
”مالی کا؟“
”ان دنوں بھی چھوٹی چھوٹی آئندہ کی چھوٹی بچی

کرے گی طرف بڑھ گیا۔

”اسے بھادج کو دیکھنا کے ساتھ چلے۔“
”میری کب مانتے ہیں۔“

”ماتا تو وہ تمہاری ہی ہے۔“ معنی خیز انداز میں کہا گیا۔

”غلطی ہے آپ کو۔“ عالیہ سر جھٹک کر بولی اور کچن میں چلی گی۔

☆☆☆

عالیہ نے فرے میز پر رکھ دی ارسلان چھینچ کر کے اچکا تھا۔ وہ پوچھنے لگا۔

”تمہارا دل تو نہیں چاہ رہا تھا جانے کو۔“
”نہیں ارسلان۔۔۔۔۔ میں نے بھی سوچا ہوا تھا کہ یہ فیضول رموں سے بھٹکا رہا پاؤں کی۔ مجھے خوش ہے آپ میرا ساتھ دے رہے ہیں۔“

”تم نے کب سوچا؟“

”بہت بچپن میں جب ہماری پانچوں پھوپیاں ڈیلوری کے سلسلے میں آئی تھیں۔ آپ کی طرح اب بھی اکیلے بھائی تھے صرف ایک پرچون کے استور کی آمدنی کیا کرتی۔“ مگر ہماری وادی کی فرمائش پر پھوپیاں کی گود بھرائی کی رسم پر تو ڈیر و فرود اور خٹک بیوہ لے جایا جاتا۔ ہم بھی شوق سے جاتے، خوب کھاتے، کبھی ماں اور باپ کے گرد نہ چہرے نظر ہی نہ آتے۔ وادی میں اب ان کو پچھڑی بھی تھیں۔ اماں کا سارا زور بیوی مردوں کے بچوں اور گود بھرائی کی نظر ہو گیا۔

”وہاں؟“ ارسلان حیرت سے بولا۔

”آپ یقین کریں ارسلان، اماں کی بالیاں آخری بچی تھیں جو نظر بھائی کی ایم کے فیس کے لیے دینی چلی۔“

”مالی کا؟“

”ان دنوں بھی چھوٹی چھوٹی آئندہ کی چھوٹی بچی

مارے ہاں ہی پیدا ہوئی تھی۔ روز کے پھل، اناج سے، کائی کے علاوہ روزانہ شام کو دامادج کے لیے اچھا کھانا پڑا۔۔۔۔۔ مشکل وقت کا ماں ہے ہم نے۔۔۔۔۔“

”کوئی منع نہیں کرتا تھا۔۔۔۔۔؟“ ارسلان نے پوچھا۔

”کون کرتا، وادی کو کون بھجاتا؟؟ ہمیں اماں سمجھتیں، ہماری خواہشوں کو کبھی پشت ڈال دیتیں مگر وادی کے سامنے آف نہ کرتیں۔“

”وادی میں یا عذاب؟“ ارسلان نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

”کھانا تو کھائیں آپ۔۔۔۔۔“

”یار میں ان رسوں کو دیکھ کر دل خوش نہیں ہوتا اوب جاتا ہے۔ اب ای کی بات سنو، یہ بھلا کیا تک ہے کہ تم ظاہرہ کی خدمت کر سکتی ہو وہ نہیں کر سکتی صرف بھادج پر ہی فرض ہے۔ بس میں خود ہی تمہاری دیکھ بھال کروں گا۔ چھٹی کے لوں کا آفس ہے۔“ ارسلان محبت سے بولا۔

”اس کی ضرورت نہیں پڑے گی، آپ فکر نہ کریں، میں کام کروں گی۔ ماسی کو ذرا دیر تک ٹھہرا لوں گی۔“

”ہاں یہ ٹھیک ہے۔“ ارسلان نے کہا اور پھر کھانا کھانے لگا۔ حیدر بیگم کا موڑ بیٹے بہو سے خراب تھا۔ وہ چاہتی تھیں، ہو بیٹے جانے مگر جب بیٹا نہیں مان رہا تو وہ کی کر تھیں فون پر ہاتھ نہ رکھتی تھیں۔

”چائیں کیا کھول کر پلا دیا ہے عالیہ نے کہ وہ ای کی مانتا ہے۔ اسے بیوی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔“

”ای ٹھیک تو ہے، ارسلان صحیح کر رہا ہے۔“

”اے لو۔۔۔۔۔ کیا صحیح ہے۔“

”کسی پر اتنا بھروسہ ڈالنا چاہیے۔“

”تم بھی تو یہاں۔“ انہوں نے کہا پتا تو تھا

نہ بات کاٹ کر کہا۔

”آپ کی بات درست ہے مگر میرے سماں کو اتنی محنت ہوئی تو۔۔۔۔۔ میرا ایک ہی بھائی ہے اور جب میں اسے اتنے بوجھ تلے دیتی ہوں تو دکھ ہوتا ہے یقیناً سب بہنوں کو ہوتا ہوگا۔ ارسلان نے ہمت کی ہے آئندہ ہم بھی اپنے مردوں کو سمجھاتے ہیں۔ آپ ارسلان سے بخانا ہوں اور خود بھی سوچیں تو آپ کو لگے گا کہ ارسلان غلط نہیں ہے۔ اس نے پہلا قدم اٹھایا ہے۔۔۔۔۔ بری رسم کے خلاف اس کا ساتھ دیں۔“

حیدر بیگم نے آہستہ سے ریور رکھ دیا۔

☆☆☆

درختوں پر نئے پتے بہار دکھا رہے تھے۔ اور کیا ریوں میں گل باب بھی جھوم رہے تھے۔ بہار کا موسم تھا جب ایک جگہ عالیہ نے خوب صورت سے بیٹے کو صرف دیا۔ ارسلان اسے خود اسپتال لایا تھا اور پھر صرف ایک گھنٹے بعد اسے پتا چلا کہ بیوہ بے کاپ بن گیا ہے۔

”نس نے ارسلان کی گود میں پکڑا دیا تو اسے بے حاشا خوش ہوئی۔ عالیہ کرے میں شفٹ ہوئی تو ارسلان بچے کو لے کر اس کے پاس گیا۔ ”بھار کا پہلا پھول ہمارے آگن میں کھلا ہے۔“ ارسلان نے بچے کو اس کی گود میں دیا تو عالیہ بھی لپکتے ہوئے مسکرا دی۔

”دیکھو عالیہ اگر تم سیکے چلی جاتیں تو ہم دونوں اس خوشی سے محروم رہنے کر اپنے بچے کو سب سے پہلے ہم نے دیکھا، ہم نے پیار کیا۔“ عالیہ نے سر ہلایا۔

”اب میں سب کو اطلاع دیتا ہوں کہ ہم باپ بن گئے ہیں۔“ محبت سے سرشار ارسلان نے جب سے اپنا موبائل فون نکالا اور مسکرا کر بٹن پیل کرنے لگا۔ عالیہ بیٹے کے چہرے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

بغلا قدم

بغلا قدم

بغلا قدم

بغلا قدم

بغلا قدم

بغلا قدم

بغلا قدم

بغلا قدم

بغلا قدم

زندگی میں جہاں رشتہ ناتہ اور روابطیت اہم ہوا کرتے ہیں... وہیں ایک دوسرے کے مثبت رویے بھی کسی

خاندان کے لیے مضبوط ستون کا درجہ رکھتے ہیں... مگر ہمیں بہت سے

لوگ بہت سے مواقع ایسے ضرور ملتے ہیں... جب

محبت دستک دیتی ہے... اور اس کی خوشبو

میں روشنی کی تابناکی بھی ہوا کرتی ہے۔ اس کے

ساتھ ساتھ... مگر غریب... سفالکی اور تنگ نظری کے

ساتھ... ازل سے محبت کرنے والوں کے دشمن رویے ہیں اور زندگی بھی یہی ہے کہ کبھی

کبھی تپ کی لگی بھی حکم کے آگے ٹوکتا دیا کرتی ہے...

ہماری مایہ ناز مصنفہ ناہید سلطان اختر کے قلم سے ایک شاہکار ناول

جس کی سطر میں زندگی سڑکتی نظر آئے گی



دولت خان آفریدی تھے اور بھاتب شادری..... دولت خان کی پہلی منگہ بی بی بی بی جان تھیں۔ بی بی جان کی پہلی شادی دولت خان کے بڑے بھائی رحمت خان آفریدی سے ہوئی۔ رحمت خان اپنے ساتھ بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے ان کے بعد جاسٹس ایچ اور پھر دولت خان تھے۔ رحمت خان سے بی بی جان کے دو بیٹے ایاز خان اور ارباز خان تھے۔ دولت خان اپنے بڑے بیٹے ایاز خان کے ہم عمر تھے۔ رحمت خان کو دل کا دورہ پڑا، تو بی بی جان کی عدت کے بعد روایت کے مطابق ان کا عقد جانی دولت خان سے کر دیا گیا۔ دولت خان کو اس سے رہنے سے انکی شرم آئی کہ وہ بغیر بتائے گراچی آگئے اور آٹھ سو سال ایک کلبرنگ کے استاد کے پاس رہے۔ پھر ایک دیکرہنگ انجینی کے توسط سے کویت جانے کا موقع مل گیا۔ استاد کے کہنے پر ان کی بی بی بھاتب سے شادی کر لی۔ بھاتب پھر ان کی شادی کو کوری کی اور بچوں کو کوشن پر چا کر دولت خان کا مقابلہ کیا۔ بی بی جان اور اسیا شادری سے اس کی شادی کر دی۔ بھاتب نے انجینی جو طے سے حالات کا مقابلہ کیا۔ بی بی جان کو ڈاکٹر بنایا اور اسیا شادری سے اس کی شادی کر دی۔ بھاتب نے انجینی ایکٹر بنائیں لیکن آخر ایک پرائیوٹ ادارے سے وابستہ تھا۔ بھاتب کی بیوی ارم، بھاتب کی ایک کوگی کی بیٹی تھی۔ بھاتب نے ارم سے ایم اے لی ایڈ کیا اور وہ ایک محکمہ تعلیم میں سولہ گریڈ کی آفر تھی۔ پھر ایک سروریشن کے توسط سے خود کو ہیڈ مسٹریس کی اسامی کا اہل ثابت کیا۔ ایک قانونی تعلیمی ادارے میں جاب کا تقرر کیا گیا۔ رباب انجینئر بننے چاہتی تھی۔ نایاب کے دو بیٹے تھے اور بھاتب کی ایک بیٹی تھی ارم۔ بھاتب اب چاہتی تھیں کہ بھاتب کی شادی ہو جائے۔ تقدیر کی اماں سولہ سال سے معذور تھیں اور ایک کینسر بورڈ میں ملازم تھیں۔ تقدیر، ہمیدہ، تسنیم، تغیر اور تقدیس پانچ بیٹیاں اور ایک بھائی موس تھا۔ اماں کی معذوری کی وجہ سے تمہید نے پڑھائی چھوڑ دی اور ان کے ساتھ گھر میں رہتی۔ تقدیر ایم اے خانہ میں ماسٹر کرنے کے بعد ایک این بی اے سے وابستہ تھی۔ تسنیم بیوروٹری میں شہر نیفیا کی طالبہ تھی موس فوج میں تھا۔ اپنی اندھیرا کی بیٹی خوش بخت سے موس کی شادی کرنے کا ارادہ تھا اماں کا..... بیٹیاں کے جوڑے رہنے نہ آئی تھیں۔ تسنیم نے شادی کی وجہ سے کسی کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ تسنیم بیوروٹری میں ایک سال جوئر ڈیزائن میں انٹرویو کیا۔ عباد الرحمن پانچ سال کا تھا۔ ایک ایکٹو شخص تھا انتقال ہو گیا۔ تانیا نے چالاکی سے آپائی گھر سے واپس کر کے انہیں کھینچ دیا۔ ماں باپ تھے نہیں بھائیوں کے گھر فکروں سے بدتر حالت میں وہ رہیں۔ عباد الرحمن نے سول انجینئرنگ میں ڈگری کے لئے جرائی رقم سے واسطی اختیار کی تو اس میں ایک فلیٹ کرائے پر لے کر اس میں رہائش پذیر ہو گئے۔ بھاتب ای کے لیے جوتے بننے جاتی تھیں تو وہاں الحظ کو وہ پسند آ جاتی ہے اور وہ اپنی بہنوں کو جاب کے گھر رہنے کے لیے بھیجتا ہے۔ موس کے بیٹے جیل میں تھے۔ ہمدانی کے ماموں سمور احمد اسلام آباد میں تھے۔ جیل کے ساتھ موس کا ان کے گھر تھا جہاں وہ ہے۔ سمور احمد اور طاہرہ کے دو بیٹے معذور اور مہیور اور بیٹی عازہ تھیں۔ مدثر اور تسنیم کا عشق شرف اختیار کر رہا ہے۔ عباد الرحمن کے منسل ہونے کے بعد فضائل دو دیوال والے لاپٹی بیٹیوں کے لیے عبادی آس نگاہ تھے لیکن عباد خاندان میں کسی سے شادی کرنے کے لیے تیار نہیں۔ بھاتب اپنے لیے آنے رہتے کے لیے استاذہ کرتی ہیں اس کے خواب سے ای مطمئن نہیں ہوتیں اور شرمیلے کر دیتی ہیں۔ مدثر، تسنیم کو کورٹ میرج کے لیے زور دیتا ہے، منسل چوٹی پر جاتا ہے تو سمور احمد کو کھارہ کی طرح ڈے کے لیے بلاتے ہیں، تقدیر، تسنیم کے موہل پر مدثر کے بیچ پر دھنپتی ہے اور سب کچھ اکو تواتی ہے، تسنیم بیوروٹری کے بہانے مدثر کے ساتھ جا کر کورٹ میرج کر لیتی ہے، مدثر اپنے دوست نادور کے گھر لے جاتا ہے نادور کی بیوی شایو سے عجیب اعزاز میں ان کا استقبال کرتی ہے، تسنیم، تقدیر کو بیچ کر دیتی ہے اس نے کوٹ میرج کر لی ہے۔

(اب آگے پڑھیں)

تقدیر ہمیں اس وقت دفتر میں تھی اور "موسٹ ارجنٹ" کام جلدی جلدی نمٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہاس سبز ہال میں اس سلسلے میں کافی سخت تھیں۔ کسی کام کو غیر ضروری اتواں نہیں رکھنا انہیں پسند نہیں تھا۔ اپنے کام سے دلچسپی رکھنے اور اپنی ذمہ داریوں کو بروقت نمٹانے والے رہتے تھے کارکنان کی گڈ کس میں رہتے۔ احترام بھی پاتے اور ترقی بھی۔ تقدیر انہیں شکایت کا موقع نہ دیتی۔ بہت خوش رہتی تھیں وہ اس دور میں بیچے کے لگ بھگ تاجاب اپنی چھوٹی بہن رباب کے ساتھ اس کے دفتر آئی تھیں۔ آنے سے پہلے اس نے فون کیا تھا۔

"مڈم! اجازت ہو تو حضور دیو آپ کے دفتر آ جاؤں گا؟"

"دفتر کیوں گھر آ جانا؟"

"ماتم شادری سے رباب؟"

"خیریت! وہ ٹھیک ہے۔"

"آگے تھانوں کی فکر مت کرو، زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ مجھے پتا ہے تمہاری پاس کو غیر ضروری وزیر کا آنا پسند نہیں۔"

"پاس جاتی ہیں میرے پاس کوئی غیر ضروری وزیر نہیں آتا۔ میرے ذاتی مہمان بھی اجنبی ضروری کام ہی آتے ہیں۔"

"اور تم آفس میں ایکسٹرا انکم لگا کر اپنے مہمانوں کو دیے جانے والے وقت کا حساب کتاب پورا کر دیتی ہو۔"

"جناب!؟"

"چھانہ حضور دیو میں آ رہے ہیں تمہارے پاس۔"

"ہم؟"

"میں اور رباب۔"

"اوکے۔"

بھاتب اسے اپنے کاح کی تقریب میں شرکت کی دعوت دینے آئی تھی۔ تقدیر نے اس قدر ہنگامی دعوت دی چھانہ۔

"پار پوسٹ کالج ہے اور تم آج تیار ہی ہو۔ کم از کم چار چھ دن پہلے تو بتایا ہوتا تاکہ میں ایک نیا جوڑا تو سلاؤں۔"

"چار چھ دن پہلے تو نہیں خود بھی پتا نہیں تھا تقدیر باجی۔" رباب نے بھاتب کے کچھ کہنے سے پہلے ہی صفائی ڈال دی۔

"لیکسا نہ نہ رباب جب پر یقین کرنے کوئی نہ چاہے۔"

"ایمان سے یہی بات ہے۔" بھاتب بولی۔ "سب کچھ بہت اچھی طرح میں ہوا ہے۔"

"ایم جی کی وجہ؟"

"شادی نہیں ہو کر نہیں کوئی اور نہ لے جائے۔" رباب نے ہنسنے لگا۔

"نہیں نہیں؟" تقدیر نے پوچھا۔

"ان کے ہونے والے ان کو۔"

"تم اس کی فضول باتوں کو ایک کان سے سنو دوسرے سے نکال دو..... دونوں کان کھول کر میری بات

اس نے دیکھی اور آواز میں اس کو بتایا۔
 ”تسہم نے کسی سے شادی کر لی ہے کورٹ جاکر۔“ اماں کی آنکھیں جھٹی کی
 پٹنی رہ گئیں۔
 ”مجھے کچھ ہو جائے گا تقدیم کی ماں۔“ اماں نے اپنے دونوں ہاتھ اماں کے گھٹنوں پر رکھ دیے اور سر جھکا کر گھٹ
 گھٹ کر رونے لگے۔

تجربہ، عقیم اور تقدیم کر کے کے دروازے میں کھڑی ہر اماں نظروں سے گزرے گا منظر دیکھ رہی
 تھیں۔ اماں نے اپنے سر کا مقبلی حصہ دیکھ کر ہنسی پرست سے لگا کر آنکھیں موندی تھیں۔ ان کے چہرے پر سمرتی سی
 تھی۔ تقدیم ان کا سر بھلاتے ہوئے آنکھیں دلاسا دینے کی کوشش کرنے لگی۔
 ”اماں کے لیے پانی لاؤ۔“ تقدیم نے بہنوں کی طرف دیکھا۔ تجہید اگلے قدموں پانی لانے کے لیے نکلی۔
 تقدیم بھی اس کے پیچھے چلی گئی۔
 ”کیا ہوا آئی؟“ تقدیم نے وہ پاؤں تقدیم کے نزدیک آکھڑی ہوئی۔ تقدیم نے اپنے دونوں پر انگلی
 دھرتے ہوئے اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی۔
 تجہید اور تقدیم اماں اور اماں دونوں کے لیے پانی کے گلاس لیے ہوئے بٹھیں۔ پانی کے دو چھوٹے چھوٹے گھونٹ
 بھر کر اماں اپنی قوی کو بچنے کرنے کی کوشش کر رہی دکھائی دیتے تھیں۔ اماں حال تھے۔ تجہید، تقدیم، عقیم اور تقدیم
 چاروں کی نگاہیں اماں سے ابڑا پر اماں سے اماں پر ڈول رہی تھیں۔
 ”کیا ہوا تقدیم؟“ تجہید نے سرگوشی میں پوچھا۔

تقدیم جب رہی۔
 ”تسہم نے کچھ میں اب اصرار تھا۔
 ”تسہم نے کسی سے شادی کر لی ہے۔“ تقدیم کو بتانا چاہی۔
 ”ہا۔“ تجہید نے گہرا کراہتے منہ پر ہاتھ دھر لیا۔ تقدیم اور تقدیم کی بات سننے کو قدرے جھک گئی
 تھیں ان کی آنکھوں میں وحشت ڈرائی۔
 تقدیم کا خیال تھا اماں کیستونے پر دعائیں مار مار کر روئیں گی مگر اس کی توقع کے برخلاف اماں نے حیرت
 انگیز رد عمل کا مظاہرہ کیا۔ اپنے قدموں میں پیٹنے اس کے سر پر اپنا چٹھی ہاتھ یوں دیرے دیرے پیچھے ہٹے ہوئے
 جیسے کوئی درد مند ماں اپنے کی تکلیف سے دوچار نہ ہوتا بھڑے کس سے دلاسا دینے اور اس کی ہمت بندھانے
 کی کوشش کرے۔ انہوں نے خلاف معمول بڑی آواز میں کہا۔
 ”کی ہے۔“ جانے دو۔“ کہنے کی۔ اب گھر میں آئے دن کوئی دنگا سا تو نہیں ہوگا۔“

اب اس راہ کر رہی تھی۔ تسہم نے اماں کو دیکھنے کے لیے۔ نیار، کرور، اور معذور شریک حیات کا یہ روپ ان کے لیے
 چرآن تھا۔ اپنی وکیل جیٹر پردہ بڑے اعتماد اور مطمئن سے بیٹھی تھیں۔ کچھ دیر کو تو جیسے پوری کائنات کو چپ سی لگ
 گئی پھر اماں کی آواز نے اسے خاموشی کا سینہ چیرا۔

”اپنے ماں باپ اور بھائی بہنوں کی ہمید و لڑکیاں ایسے تھوڑی رہ گئی ہیں گھر میں جیسے وہ رہا کرتی تھی۔ ہر
 وقت کہ انہوں نے گھر کے کام کا ج سے کوئی دیکھی نہ گھر والوں کے دکھ کے غرض۔“ اس اپنی ذات میں سن
 آپ ایسی ہی گورہ رہے ہیں۔“ اپنے آخری فقرے پر اماں نے اب کو دیکھا جو کچھ جی باندھے اسی بے یقینی سے اماں کو
 دیکھ رہے تھے۔

”کہاں چلی جاتی ہے تسہم؟“ اماں نے اپنا سوال دہرایا۔
 ”اس نے۔۔۔ اس نے کورٹ میرج کر لی ہے۔“
 ”کیا۔۔۔“ اماں کے لہجے میں بے یقینی تھی۔
 میرج۔۔۔“ اماں کے لہجے میں کڑواہٹ تھی۔

تقدیم نے آہستگی سے اپنا سرائٹس میں بلایا۔ ”اس نے منہجی کیا تھا میرے موبائل پر۔“
 اپنا چند لمبے چٹا کپاس کا مندر کھینچے رہے پھر اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام کر شہید صدمہ کی کیفیت میں
 بولے۔ ”میرے خدا ایسی بھی ہو تھا۔“ اماں کی آواز تقدیم کو کسی جاں بلب بیماری کی کراہ محسوس ہوئی۔ دفعتاً اماں اپنا
 پھر وہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور ان کا پورا جسم ارتعاش میں آ گیا۔ وہ شہیدہ بند باندی کیفیت سے دوچار محسوس
 ہوتے تھے۔

”اماں! اپنا جیٹر!“ تقدیم انہیں دلاسا دینے کی کوشش کرنے لگی۔ ”اماں تک آپ کی آواز سچنی تو وہ پریشان
 ہوں گی۔“ اماں اپنی سسکیاں سینے میں گھونٹنے کی کوشش کرنے لگی۔
 ”ساری زندگی اللہ سے دعا کرتی رہی۔“ روڑی میں بھی ہے ایمانی نہیں کی۔ کسی کا حق نہیں چھینا۔ کسی کا
 دانشدہ نہیں دکھایا۔“ پھر بھی۔۔۔“ جگہ سے کہاں غلطی ہوئی۔“ تاؤ دیکھا جیسے کہاں ہوئی بچہ اماں تقدیم کو
 اپنی آنسوؤں سے دیکھی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
 تقدیم نے یوں سر جھکا لیا جیسے انہیں پراسا دے رہی ہو۔ دفعتاً اماں اپنی وکیل جیٹر خود چلائی کمرے میں در
 آئیں۔

”ارے ڈر تسہم کو۔۔۔“ اماں کو روتے دیکھ کر اماں نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ ”کیا ہوا؟“ انہوں نے
 تقدیم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 اماں اپنے گھٹنوں پر ہاتھ دھرتے ہوئے بدلت اٹھے۔ یوں لگا تھا جیسے وہ لمحوں میں برسوں کا سفر کر کے انتہائی
 تھک گئے ہوں۔ اماں کی وکیل جیٹر کے نزدیک منہجی کچھ کر وہ ان کے قدموں میں بیٹھ گئے اور بھرائی ہوئی آواز میں
 بولے۔

”تقدیم کی ماں تھی تو۔۔۔ میری ڈھارس بندھا دو۔۔۔ میرا دل پھٹ جائے گا۔“
 تقدیم یہ تو جانتی تھی کہ اپنا کزور اور عصاب کے آوی ڈی ڈی کر لیا اعلازہ نہ تھا کہ اس حد تک کزور ہوں گے یا پھر
 سامنا تھا شہیدہ کا کہ وہ ہانڈی پڑا رہے تھے۔

”ارے کچھ نہ پتا تو چلے کیا ہوا؟“ اماں روہنی ہو کر پھر تقدیم کو کہنے لگیں۔
 ”مگر کیا ہوں۔“ مگر کیا ہوں تقدیم کی ماں۔“ جیسے جی مارا جیسے تھے تھک رہی تھیں۔ کسی کو نہ دکھانے
 کے لائق نہیں رکھا تسہم نے نہیں۔۔۔“ دفعتاً ابلا بک کر رونے لگے۔
 ”ہوا کیا ہے۔“ تاؤ تو وہ کیا ہے؟“ اماں متحش دکھائی دیتے تھیں اور آنکھیں بند کر کے وکیل جیٹر پر ایک
 طرف کو جھک گئیں۔

تقدیم اماں کو سہارا دینے کے لیے آگے بڑھی۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور مردہ سی آواز میں
 بولیں۔ ”کیا ہوا ہے تقدیم؟“ تسہم نے لایا کہ رہے ہیں۔ ارے! اتنا تو اپنی اپنی ماں کی موت پر بھی نہیں جکے
 تھے۔“
 ”یہاں کے لیے ان کی ماں کی موت سے بھی بڑی موت ہے۔“ تقدیم نے دیکھی ہو کر دل ہی دل میں سوچا پھر

”جس ٹھیک ہوں۔ میری فکر نہ کرو۔۔۔ اس کا پتا کرو کہاں ہے۔“ اماں بولیں۔
تقدیم نے پہلے اپنے نمبر سے پھر ابا کے نمبر سے تین کا نمبر ملایا۔ فون بھنکا۔ مٹر کے نمبر فون کیا تو پہلے تیل
جی پھر اس نے بھی فون بند کر دیا۔ رات سو پر سچی۔ پریشانی میں رات اس آدھ کس قدر مہیب محسوس ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆
ٹاور شام کو دفتر سے گھر واپس لوٹا تو مڈ رن تینیم سے اس کی ملاقات کر دوائی۔ شادی کی مبارکبادوں کے
بعد اس نے کہا۔

”بھائی! اس غریب خانے کو اپنا ہی گھر سمجھیں۔ جس چیز کی ضرورت ہو کر یا کوتاہیوں۔“
”کیا کیا؟ امیرانہ اس سلسلے میں لایا جا رہا ہے۔“ ٹاور کی بیوی ایک چھوٹی غریبہ تھی جس میں چائے کے تین
کپ رکے ہوئے تھے مگر سے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

”میں بھائی کو بتا رہا ہوں کہ شریا میری بیوی اچھی بیوی ہے۔“ ٹاور نے کہا۔
”اگر شریا اچھی بیوی ہے تو کیا کوئی میری بیوی بھی رکھی ہوئی ہے۔“ ٹاور کی بیوی نے چائے کی ٹرے رکھتے
ہوئے کہا۔

”کان پڑتا ہوں میرے لیے ایک ہی کافی ہے۔“ ٹاور نے دونوں کانوں کو چھوتے ہوئے کہا۔
”آپ مردوں کا کیا اعتبار۔ اب مٹر کوئی دیکھ لیں۔ کتنے مڑے سے گھر والوں سے چھپتے چھپاتے شادی
کمر کے پیچھے گیا۔ ماں باپ کو مار نہیں ہوتا ہے کیا عزت سے ہو کر لانے۔ دس لڑکیاں نظر میں رکھی ہیں مائیں
اپنے بیٹوں کے لیے۔“ آگنی بے چاری کو جب پتا چلے گا تو کتنا افسوس ہوگا انہیں۔“ شریا نے چھپتے ہوئے لہجے میں
کہا۔

”چلو کوئی نہیں جہاں میرے یار کا دل مل گیا۔“ ٹاور نے اپنے صلح جو لہجے میں بیوی کی گرمی گفتار کو گویا دھیمّا
کرنے کی کوشش کی۔

”میرا تو کبھی سوچ سوچ کر دل دیکھے جا رہا ہے کہ بے چارے لڑکی کے گھر والوں کو کیا گز رہی ہوگی۔ جیتے
جی مر گئے ہوں گے وہ تو۔“ شریا نے اپنے دونوں رخسار پھینے۔ ”جس گھر کی ایک لڑکی گھر سے بھاگ کر
انہی سرخسی سے پچھری جا کر شادی کر لے اس گھر کا پھر رستہ بھی دیکھنا پسند نہیں کرتے لوگ۔“ کیا کہ شریا نے تینیم
کو مخاطب کیا۔ ”تینیم اور تینیم ہیں تمہاری؟“

”جی۔“ تینیم جس کا فہمہ شریا کی باتوں سے اور بھی جھک گیا تھا آہستہ سے اپنا سر اٹھاتے میں ہلاتے
ہوئے دھیمی آواز میں بولی۔

”کتنی؟“
”چار۔“
”تم سے بڑی یا۔۔۔؟“

”دو بڑی ہیں مجھ سے دو چھوٹی۔“
”بڑی؟ بیوی کی شادی ہوئی؟“
”تینیم کو دل ہی دل میں پھر غصہ آنے لگا۔ یہ سب کچھ وہ اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں بھی تو پوچھ سکتی تھی مگر
ٹاور وہ اسے اپنے شوہر کی موجودگی میں ذلیل کرنا چاہتی تھی۔

”جی نہیں۔“ اس نے بڑی بیوی کی شادی کے بارے میں شریا کے استفسار پر کہا۔

”ابن بات گھر سے نکل۔“ یہ حکم صادر کرتے ہوئے اماں نے چاروں بیٹیوں کو ایک نظر دیکھا۔
”تک سب! تقدیم کی ماں کب تک نہیں نکلتی گھر سے بات؟“ ابا کے لب چڑکے۔

”پتا چلا میں کہ وہ لفتکا ہے کون اور اس مردو سے کہیں ہماری بیوی کو ہم پر رحم نہ کیا تو ہم پر اتنا رحم کر کے اسے
چار لوگوں کی موجودگی میں جہاز سے گھر سے ایک بار لے جاتا کہ ہماری دوسری بیٹیوں کی راہ کو ہونی نہ ہو۔“ میں پھر
اس کا اور ہمارا رشتہ ساری زندگی کو بھڑکے۔

”تینیم اور تقدیم چاروں کی نظریں باہم ملیں۔ ہر ایک کو اپنی آنکھوں میں ڈبکیاں کھاتے
آنسوؤں کا سواں پانیوں کی آنکھوں میں لڑاں دکھائی دیا۔ برسوں سے وہیل چھتر پر غصہ مچلنے کے مانند بڑی اماں
ایسی حیرت انگیز تازگی کا مظاہرہ کریں گی یہ ان میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔
”میرا خیال ہے اس کا نام مٹر ہے۔“ تقدیم نے کہا۔ اماں! اب اوڑھتیں نہیں سب بے ساختہ چوہک کر اسے
دیکھنے لگی۔

”تمہیں کیسے پتا؟“ اماں نے پوچھا۔
”میں نے تینیم کے موبائل میں اس کے میسجز پڑھے تھے۔“

”اور مجھے بتایا نہیں تھا۔“ اماں نے اسے ناگواری سے دیکھا۔ اُن کے لہجے میں گلہ اور نگاہوں میں ایسی
کات جھی کہ تقدیم شرمندہ ہو کر رہ گئی۔
”وہ مجھ سے لڑتی۔“

”ارے لڑتی ہی نا۔۔۔ بدلتی تو زندگی بڑتی۔۔۔ خدا جانے اور کیا کچھ چھپایا جاتا ہوگا مجھ سے۔“
تقدیم نے چونک کر اماں کو دیکھا۔ اس کی زبان سے نکلا ایک جملہ اماں کو اس حد تک بدگمان کر دے گا یہ اس
کے وہم و خیال میں بھی نہیں تھا۔

”مجھے بتایا تھا اس نے۔“ اماں نے اسے انتہائی بھاری لہجوں میں تک بھم پچھائی۔
اماں نے چونک کر لہا کی جانب دیکھا۔

”جس روز تینیم اس سے لڑی تھی اس روز میں باقی تھی۔“ اماں نے مزید کہا۔
”تو پھر اب شیشے کا بے کورہ رہے ہیں۔ ارے جب پتا چلا تھا تو اسی وقت اس منہوں مادی کی منڈیا مرود
دیتے۔ اس کی گردن پر پاؤں رکھ دیتے۔ مگر جاتی تو چھٹا تھا۔“ اماں بولیں۔

”ٹھیک بتی ہو۔“ ابا بولے۔
”نفتا اماں اتنی زور سے کراہیں کہ تکلیف کی شدت ان کا سینہ قش کر دے گی۔ اپنا سر وکل جھیر کی پشت کے
کنارے پر ٹکا کر انہوں نے آنکھیں موند لیں۔

”تینیم گھبرا کر اماں کے کندھے دھیر سے دھیر سے دبا نہ گئی۔ تقدیم نے پانی کا گلاس اٹھایا اور اماں کے لبوں
سے لگا تے ہوئے بولی۔“ پانی پی لیں اماں۔“

اماں نے ایک گھونٹ پھر۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور پپوٹوں پر ارتعاش۔۔۔ اچانک ان کی بند آنکھوں سے
آنسو نکلے اور ان کے دونوں رخساروں پر ہم گہری سمجھتے چلے گئے۔ اماں کا بے اختیار گراہنا اور ان کی آنکھوں سے
بہہ نکلنے والے آنسو اس کے منہ فزائے کہ وہ اپنی طاقت سے زیادہ پیچھے ہٹنے میں نا کام ہو چکی تھیں۔

”اماں۔۔۔ اماں پلیز حوصلہ کریں۔“ تقدیم نے دھیر سے دھیر سے ان کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے
انہیں دلاسا دینے کی کوشش کی۔

”چھوٹیوں کا تو پھر سوال ہی نہیں یہ ہو گئی کسی کی؟“
”جی نہیں۔“

”بہت ظلم کیا تم نے اپنی بہنوں کے ساتھ..... کیا ہو گا بے چاروں کا مستقبل؟ کون لے جاتا پسند کرے گا انہیں اپنے گھر“

فری کا تباہ و برباد حال سے تسخیر کر کرشنجی کی اور لذت کا احساس ہو رہا تھا۔ اپنی خطا سے زیادہ اسے ہوش پر غصہ آ رہا تھا جس نے اسے اپنے گھر لے جانے کے بجائے ایک انجانے گھر میں لایا تھا۔

”بھائی کتنے ہیں؟“ فری نے پوچھا۔

“ایک۔”

”بڑا اچھا چھوٹا؟“

“چھوٹا۔“

”آب میے کدھرتی ہو جو بندہ کچھ کھانی سکے۔“

”اچھا! میسے دے بغیر ہی تم اتنے بڑے ہو گئے۔ ساڑھے آٹھ بجنے والے ہیں کھر کب آؤ گے؟“

"آج آؤ، کل آؤ، کلاں ختم کر لو۔" اس نے تسنیم کی جانب دیکھتے ہوئے دوبارہ آنکھ دہائی۔ محی

تختہ کر کے اس نے دوبارہ فون آف کر دیا اور نسیم سے بولا۔

مجھے بتاے تمہیں امر کی کہی کہی اور رات کو

تو مانندہ شرتھارہ اپنی کوئی بہن نہیں ہے تا اس لیے تمہیں دوسرا راکا پہنا دینا چاہیے۔ میں خود بھی بہنوں بیٹی والی ہوں۔ برا

ایسی بات نہیں ہے بھائی۔ ”نڈر ٹانگواری۔“

میں تو کرتی ہوں کھری بات کسی کو بری لگتی رہتے لگے۔“

ب۔ بس بھی کروڑیا۔ "نادر نے ٹوکا۔

”تو کیا تو بس کر ہی دے گی، زمانہ بس نہیں کرے گا۔ ان کی اولاد بھی طلعے سے ہی اس بات کے کرائے کرے گی۔“

ی جا لراپنی مرضی سے نکاح کیا تھا۔

ہوا۔ نادر رزق دکھائی دینے لگا۔

ہو۔ برپائے نادری کی سبب اتار تے ہوئے اسے گھورا۔

اچھا یاد رکھو کہ چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا۔“ نادر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ٹریا نے چائے کی ٹرے سے ایک ٹھاکر نادر کو تھما دیا۔

”رات کو کھانے میں کوئی خاص چیز بناؤ؟“

”نہیں، نہیں، کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔ انا گھر پر موجود رہوں گا۔“

”میں نے تو اہر کی دال چڑھا رکھی ہے۔“ تڑپا ہوا۔

وال بڑا مال۔ "مذرا اپنی خفت مٹانے کو چکا۔"

”دال بڑا مال۔“ مدثر اپنی خفت منانے کو چکا۔

نادور اور ثریا کے جانے کے بعد میڈر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے "میرا کیا کرتا ہے؟"

...ذرا صاف گوئی عورت ہیں مگر دل کی بری نہیں۔“

”جیسے لگتا ہے ایسے ہمارا یہاں آنا اچھا نہیں لگا۔ دو پہر کو بھی وہ بڑی اکھڑی اکھڑی سی تھیں۔“

سالگرہ تہوار "انشاء اللہ اس سے پہلے ہی کوئی راستہ نکل آئے گا۔" تقدیم نے تمہید کے شانے پر ہاتھ دھرے ہوئے کہا۔

"کیسے، کیسے نکلے گا راستہ، جب اس کا موبائل ہی بند ہے۔" تمہید کی آواز سے ملاں چمک رہا تھا۔

"کب تک بند رہے گا۔" جب گھر کی یاد کی آئے تو ضرور کھولے گی وہ اپنا موبائل۔

"کیا پتا کب یاد آئے۔" کتنے دنوں بعد۔" تمہید بہت دبی ہوئی تھی۔

"جی تو ہو سکتے ہیں تقدیم آئی کہ شادی والی بات کی نے ان سے زبردستی بیچ کرائی ہو کوئی انہیں اغوا ہی کر کے لے گیا ہو۔" تعلیم دور کی کوڑی لائی۔

تقدیم نے چونک کر تعلیم کی طرف دیکھا۔ اس نکتے پر تو شام سے ایک سبک کی کا دھانی ہی نہیں گیا تھا۔ ہاں یہ ممکن تو تھا لیکن نہیں..... حالات اور واقعات تو یہی ظاہر تھا کہ ایسا نہیں تھا۔ نسیم کے موبائل فون پر ایک ٹیکس پیسوں ایس ایم ایس آئے تھے جو تقدیم نے پڑھتے تھے اور تقدیم کے اندیشے کی نفی کرتے تھے۔

"کل صبح یہ ٹیکس کی جھاڑ میں، ہو سکتے ہیں وہاں سے کوئی سراغ مل جائے۔" تقدیم نے کہا۔

تمہید سست بیٹوں، بیٹوں نے اسے انتہائی گھبرائے اور بیٹوں سے دیکھا۔ گھر میں جب کوئی چھوٹا بڑا مسئلہ ہوتا ہے بعد میں اسی کو حالت دہندہ کے طور پر دیکھتے تھے اور وہ عموماً اس اعتماد پر پوری تھی کہ اسی رات ہی پتہ چل جائے گا۔ تقدیم نے بعد لدا خرچا دیوں نہیں آؤی تھی وہ گرد و چنگوں پر سوئیں۔ کی نے جاکے خیر سولی پر چنگی آجاتی ہے۔ جب کہ ایذا دہن نہیں گئے۔ تقدیم نے بھی اپنے دفتر سے پھٹی کی اور یہ ٹیکس کی جانے کی تیاری کرنے لگی۔

☆☆☆

تسلیم کو گذشتہ رات اس طرح سے خبر ہو کر نہیں سو سکی تھی جیسے اپنے گھر میں سویا کرتی تھی۔ ٹینڈر اور اس کی آنکھوں میں آنکھ چوٹی سی رہی۔ تھوڑی دیر کو آنکھ کھلی پھر کل جانی۔ ایک فیر گھر نے اس میں رات بسر کرنے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ گوردواڑہ اندر سے منتقل تھا۔ گھر کی کی دونوں چھتیاں بھی اوپر چڑھی ہوئی تھیں۔ مدھر می می یہ اطمینان دلا گیا تھا کہ اہل خانہ سے اسی کی نہیں اس کے گھر والوں کی بھی برسوں پرانی شناسائی تھی مگر پھر بھی وہ خوفزدہ نہ تھی۔ کتنے بہت سے واقعات ایسے ہی ہوتے تھے جن میں شناسائی کا راز گر لیا دکھا جاتے تھے۔ اسی خوف کے درمیان اسے دور رہا اپنے گھر والوں کا خیال بھی آتا رہا۔ اس نے دور بہت مدھر کو بھی فون کیا۔ پہلے کوئی فیر نہ بچے کے لگ جھگ پھر تھیں بچے۔ جھگ کال پر وہ کال دیر اس سے بات کرتا رہا۔ دوسری کال پر اس نے کہا۔

"سو جاؤ یاد۔" تمہاری آواز سے تادار اور بھالی دھڑبھڑاہوں گے۔"

"میں بہت آہستہ بول رہی ہوں۔"

"چربی۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے مدھر۔"

"آپ کیسے بند کرنا اور سونے کی کوشش کرو۔"

"تیندی نہیں آری۔" تم جھگ کال آؤ گے؟"

"جیانا تو تھا تمہیں۔" یہ ٹیکس کی جانے سے پہلے تمہاری طرف ہی آؤں گا۔"

"میں بیڈی کو کب بتاؤں گے؟"

"انشاء اللہ بہت جلد۔" جیانا اب تم سو جاؤ۔"

"نہرا تم سے باتیں کرنے کوں چاہ رہا ہے مدھر۔"

2012ء اپریل 2012ء

زندگی

"کرلیں گے یاد۔" باتیں ہی کریں گے اور ہم نے کیا کرتا ہے مگر اس وقت سوتے سے جاگا ہوں کل پروردان اس طرح گزارا کرتا جاتی ہی ہو۔ دو تین گھنٹے سو جاؤں پھر فریش ہو کر تمہاری طرف آؤں گا..... اوکے..... گلد۔

"اس کے گلدنا نہ کہنے سے پہلے ہی مدھر نے فون کا کل منقطع کر دی۔

علی الصباح کسی نے زور زور سے کرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کون؟" اس نے دروازے کے نزدیک جا کر پوچھا۔

"میں ہوں۔"

وہ بچکانہ ٹی، بچکانہ خاندانی آواز تھی۔ اس نے دروازہ کھول دیا پھر اسے مدھر کے دوست کی بیگم کی چیمٹی

اوی لگا ہوں کا سامنا تھا۔

"السلام علیکم۔"

"سلام! السلام! انہما و صلوٰۃ چائے لے آؤں۔" انہوں نے اسے سرتاپا سختی دی گئی تھی۔ دیکھا۔ وہ شرم سے

اکٹ کر رہی تھی۔ مدھر کے بچے سے تھوڑے پلٹ گئیں اور تسلیم دروازہ بند کر کے غسل خانے میں جا گئی۔ غامی دیر بعد

وہ ایک ٹرسے لیے ہوئے آئیں۔ چائے کا ایک گلاس، ایک پراٹھا اور بات فرمائی انڈا۔ شرے کو بیٹے پر کھڑے وہ اس کی

طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"رات کو جب میری آنکھ کھلی، مجھے تمہارے گھر والوں کا خیال آیا۔ کیا گڑی ہوگی بے چاروں پر۔" تسلیم کو

صبح صبح ہی بچکر بازی بری کی۔

"ناہا کرتے ان کی کل کو بچ کر دیا تھا، ایک مرتبہ فون بھی کر لیتیں۔" وہ چہ رہی۔

"ہاں مگر کس سے کر کوئی فون..... ان کی تو عزت خاک میں چلی۔" دفعتاً زور چوگی۔ "اچھا کپڑے بدل

لے تم نے، میں نے قلاب نور کیا۔ پڑے کے کر لگی ہوگی گھر سے۔ کیوں؟" مڑیا کا آخری استفسار یہ جملہ جواب

کا کتنا سخی تھا۔

"جی..... ایک جوڑا..... لے آتی تھی میں۔" اس نے سر دھپے میں جواب دیا۔

"بھئی واہ! بڑی ہوشیار ہو۔" اس کے کسی میں ایک بے سادہ تو آپ بھی نہیں تھیں مگر مصلحت کے تحت چپ

رہی۔

"ایک بات بتاؤ۔" وہ اس کے درپردہ آکھڑی ہوئیں اور اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔ ایک

پھر آری کے لیے اسے گھر کو چھوڑتے ہوئے تمہیں ڈر نہیں لگا۔ کوہن جا کرتے سے شاید کرنے کے بجائے اگر مدھر

"میں نہیں اور اسے جاتا اور خراب کر کے چھوڑتا تھا۔ یاد آؤ۔" تسلیم نے بار بار سوچا تھا۔

"مدھر تو آپ کے سپن کے دوست ہیں، کیا آپ انہیں ایسا سمجھتی ہیں۔"

"بات سے میرے بچے کی کہیں نہیں سمجھانے کی ہے۔ میرے سپن کا دوست ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ مدھر

"فون ہے..... انسان ہی ہے اور انسان پر شیطان آتے تھی دیر لگی ہے۔ اللہ نہ کرے بدل جانی اس کی نیت تو

پھر یہ دیکھ کر دینیں ناؤ گھر..... اور میری بھی کیا کہ مدھر کے گھر والے انہیں قبول کرتے ہیں یا نہیں۔"

تسلیم نے سے سانس پڑا کر کرنا کو دیکھا۔

"ہاں ہاں غلط تھوڑی کھدہری ہوں۔ اپنا گھر چھوڑ کر آنے والی لڑکیوں کو لوگ آسانی سے تھوڑی قبول کرتے

سہی لڑکے والوں کی بھی عزت ہوتی ہے آخر..... عزیز رشتہ دار ہوتے ہیں، دوست احباب ہوتے ہیں۔

لے جانے والے ہوتے ہیں۔ انہیں بھی تو منہ دکھانا ہوتا ہے۔ لوگ چوہے تھوڑی ہیں باتیں بنا لے اور انہیں

2012ء اپریل 2012ء

”جی ہاں۔“ وہ چونکنا نظر آنے لگا۔

تقدیم کو اپنے جڑوں پر دباؤ محسوس ہوا۔ ”مجھے تسنیم سے ملنا ہے۔“ اس نے براہ راست استفسار سے گریز کیا۔

”تت..... تسنیم.....؟“ وہ بے ساختہ ہلکایا۔

”ہاں..... تسنیم۔“ تقدیم نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔ ”مجھے اوپر آپ کے ڈیپارٹمنٹ میں بتایا گیا ہے کہ تسنیم سے ملنے کے لیے مجھے آپ کو تلاش کرنا چاہیے۔“

”میرا..... تسنیم سے کیا تعلق؟“ وہ شیشا کر بولا۔

”کچھ نہ کچھ تو ہوگا جو تسنیم سے ملنے کے لیے مجھے آپ کو تلاش کرنے کو کہا گیا۔“

”کس نے کہا؟“

”کسی ایک نے نہیں۔“

”اچھا خیر..... باقی داوے آپ ہیں کون؟“

”میں تسنیم کی بہن ہوں۔“

”آئی سی۔“ وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی کی چین کو اپنی انگشت شہادت پر مضطربانہ نچانے لگا۔

”تسنیم کہاں ہے؟“

”مجھے کیا پتا۔“

”غلط بیانی کی ضرورت نہیں۔“

”مجھے کیا ضرورت ہے غلط بیانی کی..... غلط بیانی تو آپ کر رہی ہیں..... خود کو تسنیم کی بہن کہہ رہی ہیں اور

پوچھ مجھ سے رہی ہیں کہ وہ کہاں ہے۔“

”غلط بیانی نہیں بد قسمتی ہے میری۔“

”ایسا کیسی زمی..... میری کلاس شروع ہونے والی ہے۔“ تقدیم سمجھ گئی وہ فرار کو بہانہ تراش رہا تھا۔

”تسنیم کل صبح یونیورسٹی کے لیے کمرے نکلی تھی۔ شام کو اس نے میرے موبائل پر بیج کیا۔“

”سوری..... مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ وہ مستقل نظریں چراگئے ہوئے تھا۔

”یہ نہیں پوچھیں گے آپ کہ کیا بیج کیا تھا اس نے؟“

”دیکھیں جی..... مجھے کسی کے بیج سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں یہاں پڑھنے کے لیے آتا ہوں اور بس۔“

”کاش ایسا ہی ہوتا۔“

”کیا مطلب؟“

”تسنیم کل سے گھر نہیں لوٹی ہے۔“ تقدیم نے اس کا رد عمل دیکھنے کو توقف کیا۔ ایک نوجوان لڑکی کی گمشدگی کی خبر کسی اجنبی کو بھی چونکانے کے لیے کافی تھی مگر اس نے ایسا کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔ ”اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرانی ضروری ٹھہری تو ہمیں کسی پر تو اپنا شبہ ظاہر کرنا ہی ہوگا۔“ تقدیم نے گہری نگاہوں سے اس کے تاثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ اس نے یوں ظاہر کیا جیسے اسے اس قصے سے نہ سروکار تھا نہ دلچسپی۔ ”ہم پولیس کو تمہارا نام دیں گے۔“ تقدیم نے گویا ٹیپ کا مضموع ادا کیا۔

”میرا! میرا نام کس سلسلے میں؟“ اس نے ہڑبڑا کر تقدیم کو دیکھا۔

”تسليم کی بازیابی کے لیے۔“

”دیکھیں۔“ وہ تیوری بگاڑ کر بولا۔ ”آپ مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں، آخر چاہتی کیا ہیں

”تسليم کی ویرا باؤس..... اس کا اتا چتا..... کہاں ہے وہ..... ورنہ.....“ تقدیم نے اسے میز می نظروں سے

ہٹے ہوئے اپنی بات نامکمل چھوڑ دی۔

”ورنہ؟“

”پولیس خود معلوم کر لے گی۔“

قریب سے گزرتا ایک طالب علم تقدیم کی بات سن کر ٹھٹک گیا اور اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مدثر سے

پہچان کر کے معاملہ کیا ہے۔

”کچھ نہیں یار۔“ مدثر نے ہاتھ اٹھا کر اسے اطمینان دلایا۔ وہ ایک نظر تقدیم پر ڈال کر آگے بڑھ گیا۔

”دیکھیں یہ یونیورسٹی ہے۔ یہاں اس طرح کی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ اور ہیر کرنے والے کہانیاں بتا لیتے

”اے۔“

”کہانیاں بنانے کی ضرورت ہی نہیں۔ ڈپارٹمنٹ گواہی دے گا کہ تسليم سے تمہاری دوستی تھی۔“

”جھوٹ..... بکواس.....“ وہ پاؤں زمین پر مارتے ہوئے بولا۔

”چلو..... گواہی دلاؤںی ہوں تمہارے اپنے ڈپارٹمنٹ کے لوگوں سے۔“

وہ غلیں جھانکنے لگا۔

”اب چپ کیوں ہو گئے؟“ تقدیم آپ سے تم پر آچکی تھی۔

اس نے ایک نظر تقدیم کو دیکھا۔

”بولو؟“

”اگر دوستی تھی بھی تو آپ صرف مجھے قصور وار نہیں ٹھہرا سکتیں۔“

”تو تم اس سے اپنی دوستی تسلیم کر رہے ہو؟“

”جی۔“ وہ نظریں جھکا کر بولا۔

”وہ تمہارے پاس ہے؟“

اس نے سر جھکا یا پھر آہستگی سے اثبات میں بلایا۔ تقدیم نے ایک گہری سانس لی۔

”کورٹ میرج والی بات میں کتنی حقیقت ہے؟“

”سو فی صد۔“ اس نے آہستگی سے کہا۔

تقدیم کا دل پھٹ پڑنے کو تیار ہوا مگر مصلحت وقت کے تحت اس نے اپنے جذبات کو قابو میں رکھا اور متحمل

”میں بولی۔“ صرف ایک باریہ سوچ لیتے کہ وہ کسی کی بیٹی، کسی کی بہن بھی ہوگی۔

”میں اسے پیرش کو آپ کے گھر بھیجنا چاہتا تھا مگر وہ کہتی تھی جب تک بڑی بہنوں کی شادی نہیں ہو جاتی

”پیرش رشتی نہیں ہوں گے۔“

”اب ان باتوں کا وقت نہیں رہا..... پوچھ سکتی ہوں تمہاری اپنی کہتی نہیں ہیں؟“

”کوئی نہیں۔“

”لگتا ہے پونک کر اسے دیکھا۔“ تبھی تمہیں بہنوں کی عزت کا احساس نہیں۔ سوچ سکتے ہو کہ کیا گزری ہے

۵۵ دھیرے سے ہنسی۔ مدر چوٹکا۔

وہ تقدیم سے اپنی ملاقات کے پورے دو درجے میں پہلے بارودھیر سے آگیا۔ ”ہر کوئی آپ کی طرف سے
 بخیر و خوشی رہتا ہے۔“ اس نے ایک لمحے کو توقف کیا پھر بولا۔ ”اگر میں غلطی نہیں تو آپ تقدیم آپ کی ہیں۔“
 ”جی نہیں میرا نام کیسے معلوم؟“ وہ بے ساختہ چوکی۔
 ”تقدیم آپ کا اکثر ذکر کرتی رہی ہے۔“
 ”دیکھو! اگر میں آتا ہوں تو آپ کو یہ سب کچھ یاد آئے گا۔“

تقدیم ناموش روی کیا بیت کرنے والے یہ کرتے ہیں جو ستم نے کیا تھا۔ یہی سببتی کی سیم کو اس سے اور
 کی خبر والوں سے اس سے بدیوق اور عاقبت ناخائیں لڑی کوئی شاہراہ اپنے آپ سے بھی نہیں نفرت کی درودہ
 باب کے کھر کو اس ذلت کے ساتھ چھوڑنے کے بجائے اسے کھر میں عزت سے سرعائے کو ترجیح دیتی۔ وہ ایک
 یہ قدم قدم اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں جس کی آستین اس کے والدین کی ناموس کے خون میں ڈوبی ہوئی
 ہے۔

”کیا مطلب؟“
 ”ڈیڑی کو تو نہیں مئی کو بتا دوں گا کہ میں نے ایک لڑکی سے کورٹ میرج کر لی ہے، بھائی بھائی کا
 خند میرج کا ڈراما کرنا ہے۔“

”مئی کو میں راضی کروں گا۔ ڈیڈی کو راضی کرنا ہی کا کام ہوگا۔ ہو جائیں گے، دونوں راضی ہو جائیں گے۔ اپنے بچوں کی عزت تو سبھی کو پیاری ہوتی ہے۔ اب دیکھیں نا آپ کی اپنی عداوتی بچوں کی عزت کی خاطر ہی لڑتا جا رہی ہیں۔“

”اب آج کہاں جاؤں گی؟“ وہ اسے ایک مطلق سی کیفیت میں دیکھنے لگی۔

”سوری!“ وہ اس کے چپ ہوجانے کے بعد آہستہ سے بولا۔
 ”تمہارے سوری کہہ دینے سے کئی ہفتی عزت واپس نہیں آسکتی۔ یازہمے باپ اور معذور ماں کے دل پر
 لگے دم تمہارے ہیں۔“ تقدیر نے اس پر غور نظر کیا۔
 ”مٹھنے اپنا جگہا جگہا اور درمی جگہا جگہا۔ میں نے کوئی عورتی ان دونوں کے درمیان جاگتی ہوئی پھر تقدیر نے
 گھما لیا۔ اور بھول آواز میں کہا۔“ اسے جو عزت کرتی تھی وہ کہیں آج نہیں آکر تجھ کو دے۔“

وہ سوچ میں پڑ گیا۔
 ”یہ میری والدہ کا فیصلہ ہے اور خواہش بھی۔ وہ نہیں چاہتیں کہ نسیم کی اس غلطی کا اثر باقی بھائی بنیوں کے مستقبل پر پڑے۔“

”والدہ چاہتی ہیں اس سے پہلے کہ محلے والے اور شیخ دار کرم میں تینیم کی عدم موجودگی کا نوٹس لیں۔ اسے ایک بار گھر واپس لا کر رخصت کر دیا جائے۔“

نوجوان طلباء کے ایک گروپ نے ان کے نزدیک سے گزرتے ہوئے مٹھر پر آواز کی۔ ”کیا ہو رہا ہے؟“

”سوری..... فی الحال نہیں۔“
 ”کیوں؟“ وہ چونکی۔
 ”بیلے مجھے پلو چھینے اس سے۔“
 ”دو“

بندوبست ہوا ہے آپ سب کو بتا دیجیے گا۔ حجاب کو پارلر جانے کے لیے گاڑی کتنے بجے چاہیے؟

”نایاب لے جائے گی اسے اپنی گاڑی میں۔“

”نہیں، نہیں جب میری گاڑی ہے تو کسی کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے؟“ اس نے گرجوٹی سے کہا۔

”میں حجاب سے پوچھ کر بتاتی ہوں۔“

”جی ٹھیک ہے میں ہولڈ کرتا ہوں۔“

امی نے حجاب سے پوچھ کر اسے پارلر جانے کا وقت بتایا۔

زیادہ نہیں پون گھنٹے بعد الطاف کا دوبارہ فون آ گیا۔ اس نے ایک فانیو اشار ہوٹل میں نکاح کی تقریب کے انعقاد کا بندوبست ہو جانے کی اطلاع دی۔ امی نے سب سے پہلے بھرت نایاب کو اطلاع دی۔ پھر مدعو کے گئے رشتے داروں کو فون کرنے لگیں۔ قریبی رشتے داروں کو بلانا ضروری تھا۔ بابا کے گاؤں سے رشتے داروں کی شرکت امی نے رخصتی پر موقوف رکھی تھی تاہم انہیں اطلاع کر دی تھی کہ حجاب کا نکاح کر رہے ہیں۔ ہمایوں میں سے کسی کو مدعو نہیں کیا تھا جس کو نہ بلاتیں اسے گلہ ہوتا۔ نایاب باہی کا مشورہ تھا کہ نکاح کے بعد آس پڑوس کے گھروں میں مشائی بھجوادیں گے بس۔ حجاب کے اسکول میں ساتھیوں کو اس کے نکاح کی خبر تو تھی مگر اس نے بار کسی کو نہ تھا۔ دوستوں میں سے بھی صرف تقدیم کو دعوت دی تھی۔ مقام تقریب کی تبدیلی سے اسے آگاہ کر کے لیے حجاب نے پارلر جاتے ہوئے راستے سے فون کیا۔ تقدیم جو اپنی پریشانیوں میں الجھی ہوئی تھی معذرت خواہانہ لہجہ میں بولی۔

”حجاب اگر میں نہ آسکوں تو ناراض نہ ہونا پلیز۔“

”قتل کردوں گی تمہیں۔“

”ہاں ہے کیا آج تمہید باہی کو دیکھنے کے لیے آرہے ہیں کچھ لوگ۔ میرا گھر پر ہونا ضروری ہے۔“ اس نے دروغ مصلحت آمیز سے کام لینے کی تدبیر کی۔

”ہاں..... پھر تو مجبوری ہے۔“ حجاب کا جارحانہ لہجہ یک دم مفاہمانہ ہو گیا۔ ”کسی اور دن بلالیا ہو۔“

”انہیں شاید آج ہی سہولت لگی ہو آنے میں۔“

”کتنے بجے آتا ہے انہوں نے؟“

”سات ساڑھے سات بجے۔“ تقدیم نے جان بوجھ کر وہی وقت بتایا جو تقریب نکاح کا تھا۔

”اگر وقت مل جائے تو آ جانا۔ فون کر دینا مجھے۔ میں کسی کو بھیج دوں گی تمہیں لانے کے لیے۔“

”ٹھیک ہے۔“

شام ہوتے ہی گھر کے فرنٹ پر آراستہ قہقہے جگمگاٹھے۔ امی نے مہمانوں کے استقبال کے لیے بڑے چا سے گھر کے باہر برقی قہقہوں والی جھالریں آراستہ کروائی تھیں۔ مگر الطاف کی جانب سے ہوٹل میں تقریب کے بندوبست پر انہیں میزبان کے بجائے مہمان بن کر جانا پڑ گیا تھا۔ ہوٹل پہنچ کر نگاہیں خیرہ ہو گئیں۔ الطاف شاندار بندوبست کروایا تھا۔ بہترین آرائش، پُرکلف ضافت، فوٹو گرافرز، مووی میکر، الطاف نے ہر بات کا خیال رکھا تھا۔ تقدیم کا نہ فون آیا نہ حجاب کو تقریب کی رونقوں میں اس کا خیال آیا۔ دلکش عروسی لباس میں ملبہ بھاری زیورات پہنے، پھولوں سے ستوری، خوشبوؤں میں لمبی وہ روشنیوں کے ہالے میں بیٹھی تھی۔ الطاف اس کا نکاح پڑھایا جا چکا تھا اور الطاف اس کے پہلو میں بیٹھا بار بار اسے میٹھی نگاہوں سے دیکھنے لگتا تھا۔ امی ڈاڑھ

کراچ کے دوسرے ہی دن الطاف تصویریں پہنچانے کے بہانے گھر آگیا۔ "آئی، فوٹو گرافری
دکان سے تصویریں اٹھائیں اور سیدھا یہاں آگیا ہوں۔ میں نے خود بھی نہیں دیکھی ہیں ابھی۔"
"تو بیٹا پہلے تم خود دیکھ لیتے بہنوں کو دکھاتے۔"
"پہلے حجاب دیکھ لے۔ تو ٹوئشن والی اہم ابھی تیار نہیں تھی۔ کل شام لے گی تو وہ بھی لے آؤں گا۔ آپ
کے گھر میں رشید کر کے میں بہت خوش ہوں۔"
"خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔"
"حجاب تو خوش ہے نا؟"
"ہاں..... خوش کیوں نہ ہوگی بھلا..... تم نے بہت عزت دی ہم لوگوں کو۔"
"کل حجاب کے اسکول سے بھی کوئی آیا تھا یا نہیں؟"
"میں جیٹا اس نے ابھی کی کوئٹس بلایا، ابھی ہے مگر کسی پر بزنسنگ ہوگا تو بلائیں گے۔ ویسے اطلاع تھی اس
کے اسکول میں۔"

اس نے حجب سے والٹ نکالا، ہزار ہزار کے پانچ کمرائے فوٹ وائٹ سے نکال کر امی کی طرف بڑھاتے
ہوئے بولا۔ "حجاب کو دے دیکھئے گا اسکول والوں کو کم از کم سٹائی تو کھلا دے۔"
"کھلا دے گی جیٹا اس کی کی ضرورت ہے؟ امی اس کے ہاتھ سے پیسے لینے میں مڑ دوئیں۔"
"یہ میری خوشی ہے۔"
"میں بتاتی ہوں اسے۔"
"یہ تصویریں بھی لے جائیں۔ امی میرے اور تصویریں لے کر بیٹشک سے نکلیں گی۔ رباب تصویریں کو
دیکھتے ہی جیٹا۔ امی نے حجاب کو پیسے دیے اور بولیں۔ "یہ الطاف نے دیے ہیں کہ تم اپنے اسکول کو سٹائی
کھلا دیا۔"

"پانچ ہزار" رباب نے آنکھیں پھاڑیں۔ "استے بیسوں میں تو پوری دعوت ہو جائے گی۔"
"پیسے لینے کی کیا ضرورت ہے امی۔ اسٹاف کو سٹائی میں خود بخود حجب سے بھی کھا سکتی ہوں۔"
"میں نے تم سے پہلے خود ہی بات کی اس سے مگر اس نے کہا میری خوشی ہے۔"
"رکھیں اور رکھیں۔" رباب جھکی۔

"ہاں اب تو تمہارا شو ہر بے حد۔ حق ہے تمہارا اس پر کچھ دتا ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں۔"
"ابھی تو آپ دیکھے گا دینی سے آپ کے لیے کیسے کچھ آئے ہیں۔" رباب مسکرائی۔
"امی جائے بیٹے امی یا.....؟" حجاب نے پوچھا۔

"ہائے کیسا خیال ہے؟" رباب نے شرارتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔
"پوچھ کر بتاتی ہوں۔ جب تک آپ تصویریں دیکھیں۔" رباب نے دیکھی ہوئی تصویریں حجاب کو تھاہیں۔
حجاب اس خیال سے کہ اسے الطاف کے لیے جانے پانی کا بدوہت کرنے کو اٹھنا ہو جلدی جلدی
تصویریں دیکھنے لگی۔ جیٹا ان بات ہی کو ایک فیض کی تصویروں میں الطاف ڈاؤن آف ٹوکس دکھائی دیتا تھا اور
ان تصویریں میں اس کا سر ای طرح غائب تھا جیسے حجاب نے استخارہ کرنے پر خواب میں دیکھا تھا۔

آئیٹنوں کی لٹی پیر

عطیہ عمر

میں اور زینت دو بہنیں تھیں اور ایک بھائی مہدی۔
..... جو ہم دونوں سے چھوٹا تھا۔ اماں ہر کامی لازم تھے۔
مہرودا مدنی لیکن بہت سی قاعدت اور اس قاعدت کے
صلے میں عطا ہونے والا اطمینان اور سکون! جس کے
باعث ہمارے گھر میں کبھی افراتفری نہیں دیکھی گئی۔
اماں بھی ابا کی طرح تھیں اس لیے دونوں
میں خوب جتنی تھی۔ میں ان دنوں تازہ تازہ کالج میں
آئی تھی کہ چھپو کی بیٹی کی شادی کا دعوت نامہ ملا۔



داروں نے اس معاملے کو خوب اچھا لیا۔
رخصتی کی تقریب میں زریہ بھائی، اماں
سے انتظار رازداری سے لوچ رہی تھیں مگر امداد ایسا تھا
کہ جو بھی ارد گرد موجود ہو، مجلس حضور ہو۔
”چچی جان! زریہ کی سرال کو طوم ہو گیا کہ...
عبداللہ رات کو حالات میں تھا تو کیا ہوگا؟
”انہیں معلوم ہے۔۔۔“

”آئے، ہائے ایک انڈا اور بھی کھا۔۔۔ کبھی
بدنامی ہو رہی ہے۔ چلو ایک، بہن کی تو شادی ہو گئی مگر
دوسری ابھی باقی ہے۔ بھائیوں کے کروت کی سزا
بہنوں کو چھیننا پڑ جاتی ہے۔“
”اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ سب کا بھلا
کمرے اور میرے بچوں کا بھی۔۔۔ اللہ سب کو برایت
دے۔“ اماں نے اپنی طرف سے بات ختم کی مگر
زریہ بھائی اور کچھ خاتمن کو ایک جگہ رے دار
موسو خال کیا تھا۔

عبداللہ لالہ ابی اور شرارتی تو تھا لیکن اللہ کا شکر
ہے جسے نہیں تھا۔ حوالہ کی وہ رات، اسے سرتاپا
بدل گئی۔ جب ایسا اٹھ اٹھ گیا۔
”لو کہ! اپنے ابا کی طرف دیکھ، ان کی سفید
ڈاڑھی ابھی چہرہ دیکھ کہ ہمارے دل میں ان کا
احرام پیدا ہو رہا ہے اور تیری وجہ سے انہیں تھانے آنا
پڑا ہے۔ تو کوئی ایسا کارنامہ کر لوگ کہتے ایسے
تیک باپ کے بیٹے کو ایسا ہی برا کام کرنا چاہیے تھا۔
اب لوگ ان کا بھی مذاق اڑائیں گے عبداللہ نے رو
ر کر اسے معافی مانگی، ان کے ہجر چڑھ لیے، جن کے
گھر واردات کر رہے تھے ان سے بھی معافی مانگی اور
پھر ایک ذستہ اور دھندرا عبد اللہ سامنے آیا۔ میزک
میں پورے بے زور میں اس کی تیری کی تونز نہ تھی۔
اماں اب اللہ الرحمن و رحمہ کا شکر ادا کرتے نہ تھے۔
زریہ بھائی مبارک باد دے تو آئیں لیکن اس روز

بھی عبداللہ کے حالات جانے کا ذکر نہ ہوئیں۔
نہت ابھی ایف اے میں تھی کہ ابا کو دل کا
دورہ پڑا۔ عبداللہ نے اسی سال فرسٹ ان تیریں داخل
لیا تھا۔ اماں، اس نے نہت کی جلدی شادی کا فیصلہ
کر لیا۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ کبھی جلد ممکن ہو جائی
ذستہ داروں سے سکدو ش ہو جائیں۔ عبداللہ کی تعلیم
مکمل ہونے میں ابھی کافی وقت باقی تھا لیکن بیٹی کو
جلد از جلد رخصت کر دینا چاہتے تھے۔

خالہ کی دیورانی اپنے بھائی کے لیے لڑی دیکھ
رہی تھیں۔ خوب پیسے والے، کاروباری لوگ تھے۔
خالہ کی دیورانی نے نہت کو دیکھ رکھا تھا۔ پھر اماں
کے کہہ کر رکھا۔ جسے بھی متاخر تھیں۔ انہوں نے خالہ سے
کہا کہ میں اپنی اسی وغیرہ کے ساتھ تمہاری بھانجی کے
لیے آگئی۔ زریہ بھائی اسی خاندان کی فرد تھیں۔
انہیں معلوم ہوا تو کسی ہانے اپنی دودھ کو لے کر خالہ کی
دیورانی کے گھر جا پہنچیں۔ خالہ نے بتایا کہ اس روز
وہاں کوئی تقریب تھی۔ ان کی دیورانی کے سنے والے
مدعو تھے۔ وردہ کا رنگ روپ، ہر ابا نظر انداز کرنا ممکن
نہ تھا۔ پھر زریہ بھائی کی باتیں۔۔۔ میری وردہ کے تو
اسنے رشتے آ رہے ہیں کہ میری بھجھ میں نہیں آتا کہ اس کو
ہاں کروں۔ اس کو ہاں۔۔۔ ویسے ابھی ابھی اس کی عمر ہی
کیا ہے۔ بس اللہ نے شہزادوں کی جیسی صورت دی ہے
تو اللہ نصیب دیکھی میری کرے۔“

سجاد اعلیٰ شکل صورت اور رازدقہ کا حامل جوان
تھا پھر اس کا خوب چٹا ہوا کاروبار تھا۔ اس نے وردہ
کو دیکھا تو کبھی کبھ بھول گیا۔ نہت دینی، چلی، عام
سی صورت شکل اور بونے سے لڑکی ابھی بھی جبکہ وردہ
گلابی رنگی رنگت، ورازدقہ، خوب صورت نفوس کی
مالک تھی۔ تو فیصلہ ہی کے حق میں ہونا تھا۔
خالہ کو کافی غصہ ہوا۔ اکثر کہیں۔۔۔ ”زریہ کو
معلوم تھا کہ لوگ نہت سے لیے امداد رکھتے ہیں

اپنے وطن واپس آجائے مگر اس کا کہنا تھا کہ چند
سالوں تک کی ملازمت خرید اور اتنے تھکے تھکے جا
باص ہوئی۔ اس کے بعد اس کا ارادہ بھی منظور
پرا پاکستان میں اپنی باتیں اختیار کرنے کا تھا۔ تو میں
نے مناسب سمجھا کہ اس کی شادی کروں۔ عارف
کے بھائیوں میں سے صرف ایک بھائی کی بیٹی تھی اور
اس کی شادی بھی ہو چکی تھی۔ اسے اے ہاشم کی دھیمال
کی بھی مشترکہ پسند موثر تھی۔

شروع کے کئی سال مشترکہ خاندانی نظام میں
رہنے کے بعد اب سب بھائیوں نے اپنے الگ الگ
گھر بنالے تھے کیونکہ سب کے خاندان بڑے ہو رہے
تھے لیکن پھر بھی سب کا ایک دوسرے کے گھر میں
آنا جانا، سلاسل و پی پرانے غلطی اور رازداری کا
مظہر تھا۔ میرے ساس، مسر کا انتقال ہو چکا تھا اور وہ
مارا لالہ ابی اور کلنڈر داس عبد اللہ آج ملک کا ایک جانا
پہچانا سرجن تھا۔ اللہ نے اماں کو اگوتے بیٹے کی زیادتی
... خوشیاں بھی دکھائی۔ اپنی بناری کے باوجود
اپانے اپنی زندگی ابھی طرہ کراری۔ عبداللہ
اچھا لڑکھن سے ہے اسے امریکہ جا رہا تھا تو اس نے
ابا کی گھرچ کریم بہنوں کو ہمارا حصر دینے کے بعد
اماں کو اگوتے کے بیٹے بھیج دیا۔ ہمارے گھر کے قریب
ایک چھوٹا سا گھر اماں، ابا کے لیے خریدا جس میں وہ
دونوں چند سال ہی اٹھ رہے۔ عبداللہ کی شادی کی
جاری مقرر ہو چکی تھی کہ اماں وضو کرنے کے بعد جا
نماز پجھاری تھیں کہ کر گئیں۔ اسپتال لے جانے کی
نوٹس ہی نہیں آئی۔ وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملی
تھیں۔ عبداللہ اپنی دہن کے ساتھ ساتھ ابا کو بھی
اپنے ساتھ لے گیا۔ سال، دو پڑھ سال ہی، ہوہ بیٹے
کے ساتھ رہے۔ اور پھر ابا کا بھی انتقال ہو گیا۔

آج کل عبد اللہ پاکستان میں ہے۔ اس کے
ہاتھ میں اللہ نے بہت شفا دی ہے۔ اس کے تئیں
مہینہ دنیا کی 2012ء اپریل 97

جیسے بھی بہت لائق معنی اور سچے ہونے
ہے ہیں اور ماشاء اللہ جنتوں ہی تعلیمی
میدان میں نمایاں ہیں۔ ایسہ ہماری بھائی محبت کرنے
والی، سلیقہ شعار خاتون ہے جس نے ہمارا میکا آباد رکھا
ہے۔

نہت نے کم عمری کے باوجود ازدواجی زندگی
کے اتار چڑھاؤ بہت طریقے سے سنبھالے۔ شادی
کے بعد اس کی ساس جو ابھی خاصی صحت مند تھیں ایک
دم فاج کا شکار ہو گئیں۔ نہت کی اپنی طبیعت ان
دنوں ٹھیک نہ تھی۔ ماں بٹنے کا پہلا تجربہ تھا کہ اس نے
حتی المقدور اپنی ذمے داری نبھائی۔ دونوں چھوٹی
نندیں، اس کا ساتھ دیتیں مگر ایک کالج اور دوسری
اسکول میں پڑھتی تھی۔ دن بھر گھر اور ساس کی دیکھ
بھال ایکلی نہت کی ذمے داری ہوتی۔ جب ہماری
اماں حیات تھیں اور صحت مند تھیں۔ وہ ہر دوسرے
تیسرے روز نہت کے ہاں جاتیں، کھانا یاد دیتیں،
اس کی ساس کو کھلانے دھلانے میں اس کی مدد کرتیں
پھر ایوب کے لیے ایک مستقل ملاز مد رکھ لی۔ وہ بہو
کی حالت دیکھ رہے تھے۔ وہ خود بھی ملازمت کر رہے
تھے اس لیے پورے گھر کا مالی بوجھ اکیلے ایوب پر نہ
تھا۔

رفتہ رفتہ دونوں نندوں کی شادیاں ہو گئی۔
نہت نے نہ صرف بھائی بلکہ بڑی بہن اور ماں کا
کردار ادا کیا۔ اس بات کا اظہار بارہا اس کی بڑی نند
ثمینہ نے کیا۔ اپنی اماں کی دیکھ بھال میں وہ بھی
نہت کا ساتھ بھائی کی طرح تھیں ایک تو اس کی سرال ذرا
قاسمے پر تھی پھر اس کی ساس کو ثمینہ کا روز روز میکے جانا
پسند بھی نہیں تھا۔

نہت کی شادی کا پچاس سال تھا، اس کی
ساس کا چاند چمکے انتقال ہوا تھا اور وہ اب تین بچوں
کی ماں کی طرح ایک ایوب بھائی پر زمین کا الزام لگا اور
98 سالہ عید 2014ء اپریل

ان کی جانب ختم ہو گئی۔ حالانکہ انکوائری میں یہ بات
ثابت ہو گئی تھی کہ ایوب بھائی کو پھنسانے کی کوشش کی
گئی ہے تا کہ اصل جرم کو چھایا جاسکے۔ لیکن ایوب جیسے
ایماندار شخص کے لیے جھوٹے الزام میں نام آنا ہی
بہت زیادہ ہے۔ غزنی اور شرمندگی کا باعث تھا۔ وہ بہت
زیادہ دانا ہو گئے اور کسی حد تک نفسیاتی مسائل کا بھی
شکار ہو گئے۔

یہ حالات نہت اور اس کے سر کے لیے بہت
زیادہ پریشانی کا باعث تھے۔ اب تو سبھی پریشانہ
تھے۔ صبح پوچی روزمرہ اخراجات کے لیے نام بھی تھی۔
نہت نے اجرت پر سلائی شروع کر دی لیکن
ظاہر ہے اس سے اخراجات پورے ہونا تقریباً ناممکن
تھے۔ نہت کا زبردستی ایک ایک کر کے بک گیا۔ اس
روز ایوب بھائی کی طبیعت بہت خراب تھی اور وہ بہت
پایابی کی باتیں کر رہے تھے۔

”بہش محنت اور ایمان داری سے کام کیا لیکن صلہ
کیا ملا؟ ایک جھوٹا الزام، جگ بھائی اور ان کے سرے
پیوی پیٹ ڈھنگ کے روٹی کپڑے کو ترس رہے ہیں؟
میں کیا کروں؟ کدھر جاؤں؟“

”تو یہ کریں ایوب، سوچیں، اللہ نے ہم پر کتنی
کرم تو ازایاں کی ہیں۔ ہم میاں، بیوی میں پیار،
محبت، اعتماد کا یقین دیا۔ آپ کے اور میرے
والدین، ہم بھائیوں، بچوں کی تحشیں دیں اور سب
سے بڑھ کر ہمیں مسلمان بنایا۔ ایمان کی دولت دی،
کیوں ناشکری کرتے ہیں؟“
برآمدے میں بیٹھ نہت کے سر کی ہچکوں
میں آٹو آگئے اور دل سے دعا نکلی۔ ”اے الٰہی! میں
اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے تجھ سے ہی مدد مانگا
ہوں۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تو میرا
مددگار ہے، ہم تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں، تجھے ہی
پکارتے ہیں۔“

اور پھر ان کی پریشانیوں کے دنوں میں ایوب کا
پراٹا دوست برہان ان سے ملے آیا۔ وہ کھانا پیتا
کاروباری شخص تھا۔ ایوب کی بے روزگاری اور زمین
کے الزام کے بارے میں چند دن پہلے ہی اسے معلوم
ہوا تھا۔ وہ کاروبار کے مسئلے میں شہر سے باہر تھا۔
واپس آیا تو یہ اطلاع ملی۔ پہلے تو اس نے ایوب سے
مشورہ کیا۔ ”سال، ڈیڑھ سال سے تم بے روزگار ہو،
پیار ہو، یہی بات تم سے ملاقات ہوئی مگر تم نے ذکر نہ
کیا۔۔۔ کیا غیر کیجئے ہو یا تم بھر و ماٹیں جانتے؟ یہ
تو ابھی اتفاق سے معلوم ہو گیا اور ایوب نے کہا۔

”ابھی کوئی بات نہیں، میں نے اپنی پریشانی سے
دوسروں کو پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ برہان کہنے
لگا۔

”تم کیا سمجھتے ہو، تمہاری پیاری، پریشانی ہم
سے سمجھ سکتی ہے اور پھر دوست کا فائدہ کیا اور مشکل
میں کام نہ آنے۔ لی حال تو میرا ایک کام ہے۔ تم
ذات اپنی پیاری بھگادو کیونکہ مجھے ایک ایماندار اور
حق پیوندہ چاہیے، نورانی اور بہادر خیال آیا۔ فیضان
(برہان کا بھائی) نے بھی تمہارا ذکر کیا تھا لیکن ہم
دونوں یہ سوچ کر چپ ہو گئے کہ تمہاری اپنی جانب
ہے۔ نہ جانے یہ کام چلے نہ چلے کیونکہ کاروبار میں
رہک کر تو لین پڑتا ہے اور تم اپنی جانب سے بھی جاؤ لیکن
اب تو تم فارغ ہو، کیا خیال ہے میرے ساتھ کام
کرو گے؟ میں اور فیضان تو اپنے کاروبار میں بہت
مصرف ہیں لیکن پرچہ دیکھتے ہماری نظر میں ہے۔ امید
تو ہے کہ انشاء اللہ فائدہ ہوگا لیکن میں بس سوچ کر
فائدہ دیتی تھی کہ ہمارے پاس وقت نہیں اور کی غیر شخص
میں رہنا نہیں کر سکتے۔ اب جب تم یہ کام دیکھو گے تو
میں کوئی فکر نہیں ہوگی۔“ برہان نے بغیر احسان
کے، اس طرح ان کی مدد کی پیشکش کی کہ اب ان کی
دل میں آٹو آگئے لیے شک و شبہ نہ رہا اور وہ

طرح اپنے بندے کی مدد کرتا ہے کہ وہ سوچ بھی نہیں
سکتا۔“ ایوب کہنے لگا۔
”مگر کیا، کاروبار کو کافی تجربہ نہیں، پھر میرے
پاس ایک دھپا نہیں تو بغیر پیسے کے کس طرح۔۔۔“
برہان نے اس کی بات کاٹ دی۔
”تجربہ میرے پاس ہے، رہ بات میں مشورہ
دوں گا، مگر ابھی کچھ کروں گا اور چہرہ تو ہم دیکھے
لگے تو کیا رہتے۔ مسئلہ تو صرف ایک گھرانہ کا تھا جو
تمہاری صورت میں حل ہوا ہے۔“

پھر اللہ نے کرم فرمایا۔ ایوب بھائی کی پیاری کی
اصل وجہ پریشانی تھی۔ جب اللہ نے پریشانی دور
فرمائی تو صحت بھی مل گئی۔ ایوب بھائی نے صحت کی،
اللہ نے مدد فرمائی اور کام ابھی طرح چلے لگا۔ ایوب
بھائی کے ابا نے مشورہ دیا کہ اپنا گھر کچھ بڑھایا
کاروبار میں لگا دو۔ اگرچہ پہلے بھی برہان بھائی انہیں
ایسا خاصا منافع دے رہے تھے یہ کہہ کر سرمایہ ہمارا
اور صحت تمہاری۔

یوں رفتہ رفتہ مشکلات کم ہوتی گئیں۔ اور اللہ
نے آسمانیں زیادہ کر دیں۔ اللہ نے ایوب بھائی کے
کاروبار میں اتنی برکت دی کہ بچوں کی تعلیم، گھر کی
تعمیر، سب کام ہوتے گئے۔ آج زریہ بھائی نے
جب میرے سامنے رشک اور کی قدر صحت سے
ورود اور نہت کا مقابلہ کیا تو مجھے گرا وقت یاد آنے
لگا۔ میں نہت، عبد اللہ، گئے دنوں میں انہیں کٹر
لگتے تھے۔ ہمارے منہ پر بھی ہمارا مذاق اڑانے سے
باز نہ آتی تھیں۔ آج انہیں رشک سے دیکھ رہی ہیں
اور خود کو کٹھن اور بے چارہ سمجھ رہی ہیں تو میرا دل چاہتا
ہے انہیں سمجھاؤں کہ دوسروں سے حسد کرنے والا خود
کبھی خوش اور مطمئن نہیں رہتا مگر میں سوچ رہی ہوں
کہ انہیں کس طرح سمجھاؤں کہ بعض لوگوں کو سمجھنا
واقعی مشکل ہوتا ہے۔ ہے ناں؟

تم ناحق کلمے چن چن کر
دامن میں چھپائے بیٹھے ہو
شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں
کیا آس لگائے بیٹھے ہو

اس ٹاول میں شیشوں سے مراد صنیق تازک ہی ہے کہ جس کے ساتھ مرد نے کبھی بھی اور کسی بھی دور میں ایسا سلوک روا نہیں رکھا، جیسا کہ رکھا جانا چاہیے تھا۔ تخلیق کائنات سے لے کر اب تک مرد اور عورت کے مابین نت نئے رشتے قائم ہو رہے ہیں، یہ رشتے جو محبت اور احترام کے مقاضی بھی ہوتے ہیں، کبھی انہیں یہ محبت اور احترام میسر آتا ہے اور کبھی نہیں... ان دونوں کے مابین ایک ازلی رشتہ ہوس کا ہے، عورت ہمیشہ مرد کا پسندیدہ شکار رہی ہے اور رہے گی۔ عورت کا احترام عموماً مرد نے جن رشتوں میں کیا ہے وہ ماں، بہن یا بیٹی ہیں... بیوی کم کم اس احترام کی حقدار ٹھہرتی ہے، وہاں بھی جہاں محبت کے بلقدو بانگ دعوے کیے جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے بہت سی ایسی صورت حال بھی آجاتی ہیں، جب عورت کا احترام بالکل ہی نہیں کیا جاتا، خواہ وہ ماں ہو یا بہن یا بیٹی... مرد پر جب غصہ سوار ہو یا اس کی انا اور ضد کا معاملہ ہو تو سبھی رشتے ناتے پس پشت ڈال دیتا ہے۔ غصہ مرد کے دماغ پر حکمرانی کرتا ہے تو وہ عورت کو اپنی چٹکیوں میں منسل کر اپنی مردانہ حس کی تسکین کرتا ہے۔

شیریں حیدر

شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں



۱۔ ریت ہے؟ ۲۔ مینا تو وہ تھیل جانے گا۔۔۔ کرشم اس کو کہے یاوں؟ ۳۔ کیا اس طرح لوٹ آئے تو تیرا بوجا ہے اور اس سے پہلے کی بات ہے؟ تو تے داری تو لوں کر لے؟ ۴۔ کیا میری دوسری شادی کا تیرا ہی لوٹ آئے کی؟ تو اب اس بھی مجھ سے ہے، وہ اس سارے قصے کو جان کر کس کو کھانا کھاتا کر کے ۱۹ سے ماں سے جدا کر کے میں نے اس پر اور اس کی ماں دونوں پر غصہ کیا۔ مجھے حائف کر دے میرے مولانا، وہ چپکول بچکول رونے لگا۔۔۔ مجھے پھر میری استخفاف سے بڑھ کر میرے نڈانا، نڈوانا کے دل میں میرے لیے بڑی بڑی کارے، ہمراہ لایا اور گھر میرے پاس آئے۔۔۔ میرے مولانا۔۔۔ الماں سے بھی بچی نہ دینا۔۔۔ میں اپنی بیٹیوں کی پیدائش پر بھی ٹال دیتا تو جاتا۔۔۔ اس کو اس بات پر خوش تھا کہ میرے لیے کھانا کھائی تو نے بیٹیاں دیں اور مجھ سے ناچو، اس سے میری کوئی بات نہ جاتا۔۔۔ کس میں اپنی بیٹیوں پر پردوں کے ان کے کفن میں اس قدر شوکر، روپیہ قمارت ہے؟ میری بیٹیوں کی قربت پاتا مجھ سے اسے تنہا ہے، شاید میرے لیے آواز کی کسی شام کا مظاہرہ نہ کر سکا۔۔۔ میرے حائف کر دے اللہ اے میری بیٹیاں! اگر زندہ ہیں تو کہیں کسی ٹیک کی پناہ نہ رکھا، ہمارا ہی کوئی مولانا نہ رکھا۔۔۔ میرے مولانا!۔۔۔ میری بیٹیاں کی نوازیں بھیگ گئیں، میں نے انھیں گھر سے نکال دیا اور وصلے پر لٹکا اور کھانے کے بعد یہی معلوم ہوا تھا کہ وہ کس وقت کی لڑائی میں ملے لگا۔

☆☆☆

”زور زور جانی کس چیز کا استحسان دینے کی شہنشاہی کی؟“ اس نے پوچھا، وضاحت اس کے لہجے سے عیاں تھی۔
 ”اس کے بارہویں جماعت کے دو پرہیزگار تھے، جو چھٹی بار اس کی تیار کی تھی اور باہر جاسے اس کے مامے
 بھی آج سے آئے ہیں۔ کئی چھٹیوں میں اس کے وہ کچھ دن اور رہے گی وہاں!“ مہران بی بی نے وضاحت سے بتایا۔ ”تو
 کتاب کیسے افسوس کر رہی ہے؟“

..... اس نے کراہ جیسی آواز نکالی۔

”اس کم بخت نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی مگر مارنے والے سے بچانے والی قوت بڑی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے

اس بچے کی حفاظت کی ہے جو تمہاری کوکھ میں پل رہا ہے۔۔۔۔۔
 ”مگر میرے پورے جسم میں بہت درد ہے۔۔۔۔۔ وہ آبا نہیں، میرا پوچھنے؟“ اس نے پوچھا۔

”بڑا ہوگا کہیں شہ کر کے“ معراج نے غصے سے کہا۔

”میں کب تک اٹھ کر اپنے گھر جانے کے قابل ہو جاؤں گی؟“
 ”کلشوم..... تیرے گھر کو ہمسائے تالا لگا کر جانی مجھے دے گئے ہیں اور اسے انہوں نے دھکے دے کر گھر سے

قال دیا ہے!

”مکروہ کہاں جائے گا، کہاں سونے گا، کہاں سے روٹی کھائے گا؟“ اس نے پریشانی سے پوچھا۔
”وہ ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ تو اس کے لیے پریشان ہو۔“ معراج نے کہا۔ ”میں نے تیری بھلائی کے لیے

تو ٹھیک ہو جا پھر بتاؤں گی اور اب میں تجھے اس وقت تک تیرے گھر نہیں جانے دوں گی، جب تک

اے اپنی زیادتی کا احساس نہ ہو اور وہ ناک رنر لڑکھ سے معافی نہ ماننے آئے۔۔۔۔۔

ہال نہ رکھوں گی تو اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گی؟“

"گفت ہے ایسے شوہر پر..... جانے تیرے ماں باپ کے کس لٹاؤ کی سزا کے طور پر یہ سیرے بے پڑ گیا ہے، میری

اور آجاتی ہے..... ”معراج کی آنکھیں بھرا میں۔

سکھان نے اپنی بیوی کو ایک نظر دیکھ کر پوچھا: "کیسی ہو؟" اسے لگا کہ وہ کیسی ہیبت منہ تھا، تار تار ہاسا، منچا ہوا بدن، چہرے پر خراشیں، اُبلہ لہان۔ اسے اسے ایک اعزاز ہوا کہ وہ زندہ رہی، مگر اس کے حقیقت سے وجود سے ایک براہ راز ہوئی تو اس سے لپٹ کر سکھان اور بھی دو ہاتھ مارنے لگی۔ اس کی پچیس سال کی کراڑوں پردوں کے لوگ جمع ہو گئے اور اس کی حالت دیکھ کر سکھان سے ہمدردی کرنے لگے۔

کوئی بھاگ کر کسی کپاؤ کو ڈرکولایا، اس نے اس کے زخموں کو صاف کر کے ان پر مرہم چٹی کی اور بتایا کہ اسے زبردستی

منّت حاجت کر کے، اللہ اور رسول کے واسطے دیئے گئے، ڈاکٹر بھی اس کی بگڑتی ہوئی صورت حال دیکھ رہا تھا،

کچھ لوگوں کے مجبور کرنے پر بغیر رپورٹ درج کروانے اس کا علاج شروع کر دیا گیا۔ پھر جو نتائج ہو گیا تھا، جسم پر تشو

معاثر ہوئی تھی وہ.....

اس کے سپنوں کے مثل ٹوٹ کر چچی کر چئی ہو گئے تھے، اسے تو معلوم ہی نہ تھا کہ وہ کتوں کی طرح اسے بھنبھوڑ

رہے تھے، اس کی عذریں کر رہے تھے، اسے بوجھ صھوٹ رہے تھے..... ان سب سے عاری ہوئی کی وہ..... اسے فقط وہ الفاظ ذہن کے ایوانوں میں گون گون کر تھیں۔

اس نے کہا تھا..... کہ وہ جانے کس کا بچہ ہے اور وہ اسے اس کے سر مڑھ رہی تھی، اس نے کہا تھا کہ جسے چاہو

اس بچے کا باپ بنا لو..... کیونکہ وہ بچہ اس کا ہو ہی نہیں سکتا..... اس نے اسے بدکردار کہا تھا، اس پر اصرار کم لگایا تھا کہ اس کے جانے کس کس سے تعلقات ہیں۔ وہ تو اندر تک ٹوٹ گئی تھی، بلخمر گئی تھی، اس نے ہر کسی کی لعلخونٹوں کو فراموش کر دیا

تھا، ماں کی، نکلی کی..... منشی کی..... وہ جس راہ پر چل نکلی تھی اس پر اسے پھول ہی پھول نظر آتے تھے اور یہ سب لوگ کہتے تھے کہ وہ بکثرت نکلا اور چلا رہا ہے۔

وہابی قسمت..... کیا کھیل کھیلا تو نے مجھ محبت کی ماری کے ساتھ! وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔

☆ ☆ ☆

جائے یوں لگاں لے بند کن یس بندھنے لے بعد قلم می لے میر پر یو جہ سا پر کیا تھا، نہ ہالی میں وہ سوچا لو اسے معراج کا تصور بھی اتنا نظر نہ آتا، جتنی اسے سزا قلم علی نے دے دی تھی۔

اس کے دل میں ابھی تک معراج کے لیے محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا تھا، اسے اس کی بیٹی، اس کی باتیں، اس کا

ایسا۔ مگر وقت کا بھاء ہمیشہ آگے کی طرف رہتا ہے، ہمارے اختیار میں نہیں کہ ہم اس بہتے دھارے کا رخ موڑ کر واپس

ماضی میں چلے جائیں۔ اگر ممکن ہو تو میں اس وقت کو واپس لے آتا جس دن میں شہر گیا تھا، نہ میں شہر جاتا، نہ معراج کے دن گیا۔

ماہ تاج کے قاتلوں کا کوئی سراغ نہ ملتا تھا نہ کوئی اور اٹا پتا، اور اس کی موت جیسی بھی بھیا تک سہی مگر اس پر اب اسے

صبر آگیا تھا کیونکہ معلوم تھا کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں۔ نہیں صبر آتا تھا تو ماہ پارہ اور حسن آرا کی گمشدگی پر نہیں آتا تھا۔

”میں نے اس کے ساتھ کیسا برا کیا! وہ سوچتا اور مزید پریشانی میں مبتلا ہوتا جاتا تھا۔ ہم اکٹھے اس دکھ کو بھومگتے تو اس

کی شدت کتنی کم ہوتی..... میں نے اپنے لیے مشکل راہ کا انتخاب کیا اور اسے بھی آزمائش میں ڈال دیا۔ وہ تو اس آزمائش میں بری رہی اور میری کٹھن پر۔

اب اس میں پوری آگ رہی کہ سے برس سے اس نے آہستہ میں جھری اور میں..... میں یہاں ضرور لٹکا کہ اپنے سے
ہاتھوں کس دلدل میں اتر گیا..... اب میرے لیے جانے کون سی آزمائش منتظر ہے، بیٹا ہوگا یا بیٹی! امیری بیٹی اس کو نئے

”کیسے؟“ حیرت سے اس نے پوچھا۔

”اسے کسی نے قتل کر دیا تھا.....“ معراج نے سنبھل کر کہا۔ ”سات برس کی تھی وہ اب ہوتی تو تیرہ برس کی ہوتی۔“

”اس بے چاری سے کسی کی کیا دشمنی تھی جو اسے قتل کر دیا؟“ حیرت سے کلثوم نے پوچھا۔

”لو کی کا لڑکی ہونا..... اس کا کمزور ہونا ہی مردوں کو اس کا دشمن بنا دیتا ہے۔“ معراج بی بی نے کہا، جسے کلثوم سمجھ نہ سکی تھی۔

”اوہو..... بڑا دکھ ہوا سن کر..... آپ مجھے اپنی بیٹی ہی سمجھیں ماما“ اس نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ ”میرا بھی اس دنیا میں ہے کون!“

”تو میری بیٹی تو ہے، اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ اب تو یہاں سے اس وقت تک نہیں جاسکتی جب تک میں نہ کہوں۔“

”مگر میں یہاں کیا کروں گی، کیسے رہ سکتی ہوں اور کتنا عرصہ.....“

”میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے کلثوم۔“ معراج نے کہا۔ ”اب حلقہ ازواج کا اشارہ ہو جاؤ گا۔“

میں نے کچھ کام سکھا دیا ہے اور کچھ وہ سکھ رہا ہے۔ اسے بطور پرائز ان کو ان کیسے نہیں دے گا کہ اگر اس کا روبرو میرا کام

ن کر دیتی ہے۔ مجھے تو اعتماد ہے کہ وہ اپنے طور پر کہیں کر سکتے ہیں۔ مگر وہ دیکھ لیں۔“

”جلوس صاحب الزما کے سر پر بڑا بڑا چوڑا بڑا غور کر رہا تھا۔“ کلشمر نے کہا۔

”کَلِّمُوا الْوَسْطَانِ الْجَانِثَيْنِ“ (جو دو طرفہ سازش کرنے والے ہیں)۔

”ہاں! میں تو صرف انھیں دیکھ رہا تھا۔“

مائی میں تو صرف پانچویں تک لپی پڑھ لی ہوں....." اس کے انداز میں شرمندہ سی۔ "لائے کو میرا گھر سے

هرچنانچه پندیده ها!

تیرا باہر جانا اسے یوں خلقت تھا، خود تو وہ..... باہر منہ مارتا پھر مارتا تھا اور تیری زندگی کو عذاب پہناتا گیا اور تیری ماں کو

”اسی کی حرمیں لے ڈھیں۔ وہ غریب تو اپنی زندگی کی بازی ہار چکی اور سزا میں ساری تیرے لیے رہ گئیں!“

اماں کا شاید وہی وقت تھا جانے کا..... مگر میرے لیے واقعی جانے یہ کیوں قسمت میں لکھا تھا، میں نے کیا گناہ

کیا تھا؟" وہ رونے لگی، معراج نے اسے ساتھ لگا کر سلی دی اور اس کے آنسو پونچھے۔

”بس میں نے سوچا ہے کہ تجھے یوں بے بسی کی زندگی نہ گزارنے دوں گی، میں تجھے اپنا کام سکھاؤں گی اور شہر

سے کتابیں لاکیں گی تاکہ تو کچھ آگے پڑھ بھی سکے، زرتاج تجھے پڑھائے گی اور میں خود بھی!"

”آپ پڑھی لکھی ہیں ماسی؟“ حیرت سے اس نے سوال کیا۔

”ہاں بس..... کچھ بڑھائی تھا! اچھے وقتوں میں!“

”کتنی جماعتیں بڑھیں آپ نے؟“

”کبھی گئی نہیں.....“ معراج نے ہنس کر کہا۔

☆☆☆

”ہاں۔۔۔ دو ایک دن کے لیے اگر آپ کو گڑبڑ نہ ہو تو میں کسی کام سے لکھ جانا چاہ رہا تھا، سیر کرنا سمجھنے والے جا
سوں کا“ کہ جس نے کھلی سے بات کی۔ اس کا ارادہ تھا کہ اپنی بیویوں سے مل کر آئے اور ان کی مالی مدد.... جو...
گائے گا، اگر کھلی کو یہ بتاتا کہ اپنی بیویوں سے ملنے جا رہے تو وہ ہر سوچتی کہ اس بچی کو لے کر دوا پہنچائی بیویوں کے پاس کیوں
لکھ گیا۔ بہت سے سوالوں سے بچنے کا طریقہ تھا جو اس نے اختیار کیا تھا۔

”کب تک لوٹ آئیں گے؟“ سہلی نے پوچھا تھا۔

”جنتا جلد ہو سکا..... کچھ تو سیرا کی وجہ سے اور کچھ اپنے کام کی وجہ سے بہت دن کے لیے ہائی ٹیکس سکتا“ اس

”میں تو کبھی ہوں جلد ہی..... اب آپ اپنا گھر واپس آنا، اگر کوئی جارے ہیں تو اپنی شادی کا دن مقرر کر کے بنا لوئیں، ابھی تو میاں بیٹی ہیں اور اس کے لیے ہر اس صورت کو مان کے روپ میں کوئی نہ آسان ہوگا، جوں جوں بیٹی ہوتی جائے گی تو توں بھیدار ہوگی اور اسے رشتوں کی جھجھوچو ہو جائے گی۔ اس کے لیے جب تک اور سو تکلی کا مفہوم کھتا آسان ہو جائے گا تو.....“

”میں خود بھی ان باتوں کو جھستے ہوں اور یاد دلاؤں کہ کوئی فیصلہ کروں گا۔ میں جانے گا تو آپ میرے ساتھ ہی جائیں گی، میرا کام بھی دیکھ لیں گی اور باقی کام تو ہوں کے ہی!“ اس نے مسکرا کر کہا تھا مگر کمرلی کو اس کے چہرے پر شرم کا لال رنگ پھیلنا نظر آ رہا تھا، بھلا وہ بھی شرماتے ہیں، اس نے ذہل میں سوچا تھا۔

☆☆☆

”ہاں تو یہ وزیر صاحب۔“ گلاس ٹائرس میں رکھے ہوئے جاوید نے چھاپا۔ ”کیا کام کرتے ہیں آپ؟“
 ”کچھ کام کرتا ہوں، جاوید صاحب۔۔۔۔۔ زیادہ خوشی تو گھگھے آپ جیسے دوستوں کی خدمت کر کے ہوتی ہے!“ اس کی
 آواز معتدل تھی کیونکہ یہ اس کا روزگار معمول تھا جبکہ جاوید جیسے لوگ جو کبھی کبھار اور چھپ چھپاتے ہیں، انہیں دوست بن
 اس کا ہوش دھواں سے بھرتے دیکھ کر دوسرے کو کافی ہوتے ہیں۔

سازنے وہ جاہل سے کہا تھا کہ وہی ہے۔ اسے بات میں جانچ پڑتال کرے اور اس جانچ پڑتال کے عمل میں مل لاقا تو میں ہی ہر چیز جان گیا تھا کہ جاوید کی کھیت کی سولی ہے۔ اے اسی کے حراز کے مطابق شراب و خاویب کے دہلوے رکھائے تھے کہ وہ اس کا مریہ ہو گیا تھا۔ وہ یہی قبول کیا کہ ساز نے اسے کیا تو نے داری تقویٰ میں اس اور اس کے سطر سے پوچھ کر جانچنا تھا عرب میں..... جسے اس نے مہر ہا تھو کہہ کر بیچ گیا تھا، اس کے ساتھ شادی کے لائق تھا کہ نہیں؟ عمر اس نے اپنے شوق اور لئے میں نے صفائے سے کہہ دیا تھا، اسے پھر ہر حال سے اچھا لگا تھا۔ خوبو جان لکھا تھا..... کمانی کی گڑا ہے۔ ہوتی تھی جس کا مریہ ہے..... خود بخود جو کوشش کئے گا اور اس کے بعد ہوتی تو نہیں کہ اس کی گڑا ہے۔ ہوتی تھی جس کا مریہ ہے..... کوئی شہر ہوتا..... خود بخود اخلاقی۔

اور یوں ایک بریم قربان ہوئی۔ ایک ایچی اسی کے کھیا جائے بات کی نذر کر دی تھی، وہ جو اسے زیر کرتا جانتا تھا، اسے ہر قیمت پر حاصل کرتا جانتا تھا۔ اسے تو شادی سے کوئی غرض نہ تھی، فقط چار دن اس سے تعلق رکھتا اور پھر اسے الگ الگ مقاصد کے لیے استعمال کرتا مگر اسے علم ہو گا کہ وہ شادی کے بغیر حاصل ہونے والی "چیز" تھی۔

[illegible]

ایک مسیحی عظیم شجاعت و غیرت و فطرت کی حالت میں ہاتھوں سے نکلا یا رہا تھا۔ عابدہ بیگم کے لیے مدد میں کا کوئی اور نہ تھا۔

سب سے بڑا حال تو رابہ کا تھا، جس کے لاؤ اٹھانے والے ہمارا کھل..... اسے قہری کے دورے پڑ رہے تھے۔ اور وہی کے عالم میں پڑی تھی، بوش میں آتی تو حقیقت سے باخبر ہوتی اور دروازے پر گھڑا تھا۔ عابدہ بیگم کو لاؤ اٹھو دیا کرتے تھے پھر ان کو روٹھانے والے سے قہری کے دورے پڑ رہے تھے۔ عابدہ بیگم نے سراج کی بات کی کہ اس وقت وہی وہاں جا سکتی تھی، مگر انہیں شہر کو لے کر جاتا؟ شہر کی طرف تو چھوڑا تھا، کسی حادثاتی صورت حال کو اس میں سنباہل ملتا تھا، چنانچہ ہرگز اس وقت گاؤں سے نہ جاسکتا تھا کہ وہ باؤ اٹھا اور باپ کی آخری رسومات کے وقت اس کی موجودگی سب سے بڑی تھی۔ قہری شجاعت کے نام لگاتا تھا، بلکہ یہ تو بڑی ہی جاگیر کے دلی کی، اس طرح اسے گاؤں سے لے جاسکتا تھا۔ ماں سے ملتیں کیں کہ جنازہ کے لیے فوراً جانا، شہر روانہ کر دیا جائے۔ جنازہ کے وقت تک رابہ بی بی کی طبیعت خراب ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اتنی کہ عابدہ بیگم قہری میں جلا ہو گئیں۔ سراج نے انہیں کئی دلی کی بروقت فریاد کی کہ تو خطرے والی کوئی بات نہ ہو۔ رابہ دروازے کے عالم میں آتی اور نہ ہی سندی آجھوں سے سب، پھر دلی کی۔ سراج بی بی کی جتنی ہی اگلی فست پر شجاعت بھی آئی بیٹھا اور نہ ہی ساری جیس بیدار ہو گئیں۔

”میں نے شہر نہیں جانا.....“ وہ طاہرہ سے بولی، سراج کا ہاتھ اس نے مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔

”مجھ پر ہے جانا.....“ سراج نے اس کا پیسہ میں بیٹھکا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ ”سب ٹھیک ہو جائے گا، پھر ہم واپس آ جائیں گے۔“

”جس کا کھانا کھانا.....“ وہ کراہی۔ ”مجھے صدمہ بھیجیں..... اس طرح؟“ وہ سراج کے سامنے یہ کہتے کہتے کہتا تھا۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا میری بیٹی، میں ہوں ہاتھ پر ساتھ.....“ اسے ایسی کئی تلی یاد دلائے کہ ضرورت نہ تھی۔ دو دروازے اور پھر دلی کے احتجاج کو اپنے آنسوؤں میں بہا رہی تھی مگر گاڑی چل پڑی تھی۔ اسے لوگ نہ رہا تھا۔

”میں سراج کوئی کامی.....“ اس نے بولے سے فریاد کی، ورنہ بیگم کے سامنے چھ بیٹیں نکلتی تھیں، خاندان کی عزت اور بھرمار اسے سب سے بڑا دھڑکتا تھا۔

”اللہ سے خیر مانگو میری بیٹی، میں اس طرح کی باتیں نہیں کرتے.....“ سراج نے کہا۔ ”رو دو شریف پر حوصلہ رکھو۔“ وہ اس کی کمر پر اپنے ہاتھوں سے مساج کرنے لگی، رابہ پھر خود دلی کی جارہی تھی۔

ایک فست پر بیٹھا شجاعت..... اس وقت تصویر کی دیوار میں تھا اسے کوئی غرض نہ تھی کہ کچھ فست پر ان جگہ سے اور کھیں..... اس وقت وہ تھوڑے سیچ پر تھا کہ کس طرح چوری چھپے واپس گاؤں کا وہ اپنے باپ کے پاس جا رہا ہے۔ شجاعت سے کوئی توقع نہ تھی، انتقام کی آگ صرف اس کے وجود میں بھڑک رہی تھی کیونکہ ہاتھ لڑ رہا تھا۔ کوئی کھانا تو کھانا چاہ رہا تھا۔

☆☆☆

”میں ایک بار سراج سے ملنا چاہتا ہوں.....“ رونا چوڑے آیا تو جاکر علی نے قسم سے اتناں کی۔

”میں اس سے پوچھ کر بتاؤں گا.....“ قسم نے مختصر آکھا تھا۔ اگرچہ اس کے دل میں قہری کے لیے بڑی تاراشی تھی۔ اس نے اسے اس کی بات سے کٹ کر چھوڑا تھا کہ اس کی بیٹی کا اجڑا اور بھرمار سے نہ جاسکتا۔

”صرف تو صحتا کیں.....“ میری سلاطین کرتا ہو گئی۔ ”اس نے دودھ کے کرکھا۔“

”اس کی زندگی کو زوال میں نہ آئے کہ اس کی تباہی ہو جائے ہو کہ چلے اس کی طرف سے ہو۔“

سالگرہ نہیں ہوتا.....“ وہ بھی اس شادی پر آمادہ نہ ہوتی جراتی آجھوں سے غلاق نام نہ نہ کھلتی اور اس پر دستہ بیکاری کی طور پر ہونے والی شادی کے شادی کوئی آواز میں اپنے کانوں سے نہ سن سکتی۔ اس کی بر باد دلی کسی کی شادی کے جشن کے طور پر نہ مانی جارہی تھی۔

جلد ہی چشم بھری کے طور پر اس کے خاندان کے بزرگوں نے آپس میں بات چیت طے کی اور اس کی اور بیکاری شادیوں ایک دن ہوں گے۔ شادی کے عمل سے اسے علم ہو چکا کہ وہ سلطان سے محبت کی لذت اور شہر کی جتنی مگر اس راز کو اس کے دھوکہ دہر رکھا تھا۔ کیونکہ یہ کہ سب سے بڑی بات اس کا اور سلطان کا بندہ صرف کا نہ تھا۔ اس کے علم میں یہی بات کہ وہ اپنا مستقبل خراب نہیں کرنا چاہتی تھا۔ اس نے اپنی سادہ زندگی پھر اس کے خاندان سے کوئی اس طرح کی مہر کی دہرائی اور وقت بیکار میں بھی اس کو ہر شے میں جتنا کیا کہ وہ اپنی پھر اس کے ایک گاؤں میں رہ کر رہی تھی۔ یوں زندگی لوگوں کے کٹ کر گزاری کہ عمر بھر اس کا سامنا سلطان سے نہیں ہوا۔

جس طرح اس کی شادی کی خبر کی گئی تھی اس طرح اس کی شادی کی خبر بھی اسے تھی، جسے اس نے معقول کی خبر نہ کرنا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے شہر میں اطمینان سے رہ رہا تھا، جو اسے کئی سے شادی کی صورت میں میسر نہ ہوتا۔ میری کی بیکار میں اس کے دل میں اسے بیکار سبب دل کو کھل دیا اور وہ اپنے کھڑے شہر اور بچوں میں مصروف ہو گئی۔ میری کے بعد جا رہی تھی اور بھی ہیں اور آپ کو گناہ نہ ہو گیا ہو کہ یہ کئی کی کہانی ہے۔ اس نے ایک طویل ماس کی۔

”نکاح میں اس میں کہاں ہوں..... اور جب کئی نے کسی کو نہیں بتایا کہ میری پھر اس کی بیٹی بھی تھی تو میں کیسے علم ہوا؟“ اس کا سوال تھا۔

”جب میری جوان ہوئی تو اسے اپنے مذہب کے بھائے اسلام کی محبت میں جلا دیا کہ کئی کو گناہ نہ ہوا کہ اس کے خون میں اس مذہب سے محبت ہے اور وہ جیسے ہی جانی چاہے اسے اس مذہب سے دور نہ کر سکے۔ اس لیے اس نے اسے خود سے دور دھک دیا کہ اگرچہ اسے سنا آتی اور پھر ڈاکٹر کے پاس رہ کر اسے آزاد ماحول کے ساتھ جوتے میرا سب کی طرف راجب لگے گا۔“

باقاعدہ اسلام قبول کر لیا اور چوری چھپے اپنی مہارت کر دی۔ اس کے بعد میں نے اپنی ماں کو اپنے قبول اسلام کے بارے میں بتایا تو سب اس نے مجھے بتایا کہ میری رگوں میں ایک مسلمان باپ کا خون دوڑ رہا ہے۔ اس کے بعد میری کوشش تھی کہ کھنے کی اچھا آدمی مل جائے۔ تو میں اس سے شادی کر لوں، اس سے کئی میری شادی کی یہ سببانی سے لے کر دی جائے۔“

”تو تمہارے خیال میں میں ایک اچھا آدمی ہوں؟“ وہ بڑبڑا کر لیا۔ ”وہی ہے تمہارا آدمی سے کیا مراد لیتی ہو؟“

”صرف وہ جو مجھے چاہتا ہو اور میرے ساتھ ہر مشکل میں مدد کرے۔ زمانے کے خلاف میری خاطر میری زبان سے کہنے، خصوصاً جو شکایت اس کے شادی کرنے کے نتیجے میں درپیش ہوئی کی اس نے سادگی سے اپنا عقائد واضح کی۔

”تمکن سے کہتم مجھ سے زیادہ تو قہرات واپس کر لیتی ہو، میں وہ نہیں جانتی جو دلی کی ہوتی.....“ اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ”میرا مطلب ہے کہ میں اتنا میری نہیں ہوں جتنی تم سمجھ رہی ہو؟“

”مجھے اس کے پاس کیا زیادہ دولت ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ اس نے فوراً کہا۔ ”میں اسے میرا اور میرے جذبات کا خیال ہوتا ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ مجھیں صرف میری محبت کی ضرورت ہے؟“ اس نے میری کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا تھا اور وہ اس طرح شرمناک تھی۔

☆☆☆

پھر دلی کی شادی کا وقت..... اور وہ بھی اپنے نتیجے کے ہاتھوں ہاتھ اور دگر کے علاوہ ارد گرد کے دیہات کے

”آپ نے بھی تو نفیبات ہی پر بھی ہے نا؟“ کرن وہ دہریہ بولا۔
 ”میں نے تو فوراً حادی کہیں ہونے دو نفیبات کو اسے بڑا اور ذریعہ بنایا عیاش کا کہ جبکہ تم..... تم کچھ زیادہ ہی اور شکی ہوئی ہو، سیدھی عیاشیات میں بھی کوئی زندگی نکتہ ایسا نکال سکتی ہو گا کہ پریشان ہو جائے۔“
 ”جہنم میں..... آپ اپنی جلدی شے میں کیوں آگئی ہیں، میں نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے اور آپ نے جہنمی ہو گئے۔“
 اس میں اتنا شدید رد نہیں دکھانے کی کیا ضرورت ہے؟
 ”ج تو یہ ہے کرن کہ مجھے کبھی بہت اچھا لڑکا لگا ہے اور میں نے سوچا ہے کہ میں نیا کوئی طرح کی جانتی ہوں، کہیں اس غیر دل میں کل کر رشید کرنے سے بہتر ہے کہ میں ایک عینی کار رشید کہیں سے کروں.....“ گھونڈے خنجر دیکر کہا۔
 ہم بڑی وہ دہریہ کی طرح بوجھ پھینکے جانے کی طرف ہی اور میں نے تم سے کہا کہ اس سے دوستی نہ بنانا، اگر نہیں میرے ساتھ آپ پر اعتراض ہے تو کل کر کہو، میں کوئل کے لیے.....“ وہ رکیں.....“ حقیقت یہ ہے کہ میں کوئل کو کھانا نہیں چاہتی۔“

☆☆☆

”کیا.....“ حمیرا سے جہانگیر نے جیسے چیخ کر پوچھا۔
 ”جی نہیں، سر جہانگیر کہا.....“ حقیقت یہی ہے۔“
 ”مگر کیوں، کیوں کر ہے ہیں لوگ ایسا؟“ اس کے لیے میں نے بیٹھی تھی۔
 ”سرکار..... سب ڈرتے ہیں ان سے، ان کے خلاف کوئی دینے سے!“ فیضی نے کہا۔“ اور پھر چھوٹے ہمدردی صاحب کا لوگوں کو ڈر ہے، ان کے شہر طے جانے سے انہیں احساس ہو رہا ہے کہ اگر وہ کوئی دینے کے تو ہمدردی کو کوئی اور ان کے بیٹے ان کا بیٹا حرام کر دیں گے اور آپ تو ان کا بچپن میں لگا رکھتے، آپ میں شرافت ایک ایسی رہی ہے جو اچھے اچھوں کو بزدل بنادیتی ہے!“
 ”یہ کیا بات ہوئی، بات قانونی کارروائی کی ہے اور اگر وہ لوگ کوئی دین گئے تو قاتل گرفتار ہو جائیں گے، پھر انہیں کس کا اور کس بات کا ڈر ہے؟“
 ”سرکار، کوئل، کون گرفتار ہوگا..... ان کے ہاتھ بہت لیے ہیں، جہانگیر پش لوگوں کے ساتھ ان کا انصاف دینا ہے اور جہانگیر کوں کے لوگوں کی عزت محفوظ ہے ان کے ہاتھوں نہ جان.....“ فیضی نے وضاحت کی۔“ ابھی تھوڑے دن تک ایسا بات ہے جو اس جوان لڑکی کے ساتھ انہوں نے کیا اور کوئی اپ پ ہاتھ بھی نہ ڈال سکا..... انہیں ان لوگوں نے ان کے خلاف کیا جاننا دیں۔“

”کیا وہ ان کو؟“ جہانگیر نے اپنے اعتبار ہو کر پوچھا۔
 ”معلوم نہیں سرکار..... وہ لوگ تو ظفر کی نہیں آئے گی کو اس دن سے!“
 ”کیا؟“ جہانگیر نے کہہ دیا۔“ کیا ان لوگوں نے ان کو کھول کر ماری؟“
 ”معلوم نہیں سرکار.....“ فیضی نے کہا۔“ سرکار میں تو کہتا ہوں کہ آپ فوراً چھوٹے پیر چوری صاحب کو واپس بلا پھر دیکھیں کہ کون کوئی دینے کو تیار نہیں ہوتا!“
 ”فیضی، میں تو سارے معاملات کو قانونی طور پر ہی حل کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے ان کا حق کارروائی میں اچھ کر اپنی آنکھ کے لیے اس میں چھوڑ جانوں.....“ جہانگیر نے آنکھ سے کہا۔“ مجھے معلوم ہے کہ کجیاج اس وقت اقامت آگ میں ہوا، اگر وہ ایسے تو اس کو میں نے خیر چھوڑ دیا ہے، میں اس جہالت کے معاملے سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔“
 ”اگر پھر سرکار آپ جیسے شہر طے جائیں اور جہانگیر جائیں اس بات کو کہ قاتل اس انعام کو کھینچ سکتے ہیں، جہاں قانون اور ان قانون کے رکھوالے کی وہاں کی ایسا بات کی ضرورت ہے، فیضی میں تو کوئی اپنی جان خطرے میں ڈال کر میں میں کوئی دے گا، وہ بھی جو ہمدردی کوئی اور اس کے بیٹوں کے خلاف.....“

”میں اس پر بہت شرمندہ ہوں.....“ اس نے سر جھکا کر کہا۔“ اسنے نے نہ کی مگر ذرا تاج کے لیے!“
 ”میری بہن کی اتنی ہی اتنی اڑن نہیں تو جی کہ اسے کسی کھلونے کی طرح جب چاہے دل پہلانے کے لیے استعمال کر لیں اور جب چاہیں کہ پھر لڑکی کے طرح سے باہر نکل دیں.....“ حمیرا کے لیے میں نے بھی کہا۔
 ”میں تم فتنہ اس لیے اس سے بنا چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنی جوانی میں بھی کے لیے مگر ہر ایک عورت کا ہے!“
 ”کوئی عورت نہیں.....“ اس نے صرف اس کی اپنی ماں!“ تم کوئی عمل سے شرمندہ سے لکھ میں کہا۔
 ”میں وعدہ نہیں کرتا کیونکہ کوئی اس بار سے میں بات بھی نہیں سنتا چاہتی.....“
 ”فیضی..... میں میری دوستی کا واسطہ.....“
 ”مجھے واسطہ دینے سے پہلے سوچ کر تم سے دو اس دوستی کا کتنا مان رکھا!“
 ”بھائی سے کہنا میری سفارش کریں، مہراج ان کی بات کو بہت اہمیت دیتی ہے!“ اس نے اپنی سفارش کو مزید مضبوط بنایا۔

”میں کہہ دوں گا اس سے تمہاری طرف سے مگر مجھے کچھ زیادہ توقع نہیں ہے.....“ دل میں لاکھ چاہنے اور امید رکھنے کے باوجود حمیرا نے حمیرا کے قاتل کی کوری کا سر نہ اٹھایا تھا۔
 ”تم میری دوستی کی خاطر میرے لیے کوئی کرنا، فیضی، مجھے امید ہے کہ مہراج مجھے معاف کر دے گی..... اس کا دل بہت بڑا ہے۔“ وہ جیسے لکھنا رہا تھا۔
 ”کاش تمہارا دل میری میری بہن جیسا ہوتا.....“ فیضی سوچ کر کہہ گیا۔

☆☆☆

”مما یہ کیا چیز ہے آپ کی دوست کا بیٹا؟“ کرن نے چڑکرا کر پوچھا تھا۔
 ”کیوں کیا ہوا؟“ گھونڈے چون چڑھا کر سواں کیا۔“ کبھی پہلے تو دنیا کے ساتھ آتا تھا کراہ وہ اکیلا بھی ان کے باں آتا جانا شروع ہو گیا تھا۔“ فیضی اس بات پر خوش تھی کہ چھوڑا اس بھائی نے گھونڈے شہر میں ملے سے اس کا کام لیا بھی کرے گی۔
 ”ابن ایسے ہی ہے گھامڑا.....“ کرن نے کندھے پر اچھا کر کہا۔“ میں شرماتا ہے جیسے کوئی لڑکی ہو!“
 ”تو بیٹا شریف کہوں کے لڑکے تو ایسے ہی ہوتے ہیں نا.....“ گھونڈے دل میں اس بات پر خوش ہوئی تھی۔
 ”تم ڈرا اسے بھگت نہ رونا!“
 ”وہ شرماتا نہیں مم!“
 ”کچھ سوچتے ہوئے کرن نے کہا تھا۔“ کچھ عجیب سا ہے..... میں نے اس کا ہاتھ تھا، وہ اس نے اپنے میرے ہاتھ بھجھا جیسے اس کے ہاتھ میں کوئی.....“ کرن کو الفاظ نہیں سوچ رہے تھے۔
 ”تم حد سے زیادہ سے گھٹن نہ ہوا اس سے ڈرنا.....“ گھونڈے نے کہا۔“ لڑکیاں شرماتی لڑکی اچھی لگی ہیں اور ذرا فاصلہ رکھو..... مرد ایک ایسا ہے جو جورت کو کھلنا بھجھتا ہے اور اس کھلونے کی طرف زیادہ دیکھتا ہے جو اس کی دستری میں نہ ہو!“

”اوہ مم..... میں نے اس کے ساتھ کوئی دیکھی ہے بھائی کا مظاہر نہیں کیا، بس اپنی جیسے دوست ایک دوسرے کا ہاتھ تھامتے ہیں!“ کرن نے کہا۔“ اور وہ..... اس کا ہاتھ کاٹنے کے لئے کھانا اور صرف ہاتھ کی نہیں، اس کا پورا سر!“
 ”تو اس سے اندازہ نہ کر کہ وہ کتنا شریف لڑکا ہے.....“ گھونڈے کو اپنی نظر پر محسوس ہوا تھا۔
 ”مما.....“ اسے کچھ میں نہ آتا کہ اس طرح اسے خیال کی وضاحت کرے۔
 ”میں کرن..... بہت ہو گیا نفیبات چڑھ چڑھ کر ہمارا دماغ کراہ ہو گیا ہے، سیدھی سا دلی بات میں بھی کوئی لڑکی کوئی انہیں کا پلو لڑکی بنی ہو۔“

”ہم وہی ہیں جن کے لیے تم لال جوڑا پہن کر تیار ہوئی ہو، پرویز کہتا تھا کہ گلاب کے پھول جیسی ہے مگر تم اس سے بھی کہیں زیادہ حسین ہو۔۔۔۔۔“ ان میں سے ایک نے کہا اور اس کی طرف قدم بڑھایا، وہ اس کے پیچھے بند دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ تو جب سے آئی تھی خود کو اس چار دیواری میں محفوظ سمجھ رہی تھیں، اسے کیا معلوم تھا کہ یہ محض چار دیواری اس کے لیے قید خانہ بھی بن سکتی تھی۔ چلائی تو کیا ہوتا، اس نے آنکھیں بند کر کے اپنے اللہ سے التجا کرنا شروع کر دی۔

”میرے مالک۔۔۔۔۔ میرا تیرے سوا کوئی نہیں ہے اور اس بات کو صرف تو ہی جانتا ہے!“

☆☆☆

”میں کہاں ہوں۔۔۔۔۔“ شجاع نے غنودگی سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

”سرکار آپ اپنے گھر پر ہی ہیں!“ ملازم نے اسے بتایا۔

”کون سے گھر پر۔۔۔۔۔“ اس نے بعد کوشش آنکھیں کھولیں اور کمرے کا جائزہ لیا۔ ”میں نے تو یہ کمرہ اپنے گھر میں پہلے کبھی نہیں دیکھا؟“

”سرکار آپ اپنے شہر والے گھر میں ہیں!“

”جہاں لال کے گھر پر؟“

”جی سرکار۔۔۔۔۔“

”لیکن میں یہاں کیسے آیا اور مجھے ہوا کیا ہے، کمزوری سی کیوں محسوس ہو رہی ہے؟“

”سرکار۔۔۔۔۔“ ملازم کچھ کہتے کہتے رکھا۔ ”بڑے سرکار کی وفات کے بعد آپ کو جہاں گھر سرکار نے شہر بھجوا دیا تھا کیونکہ بی بی صاحبہ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔۔۔۔۔ ان کا اچھا گاؤں میں رہنا ضروری تھا اس لیے انہوں نے آپ کو بی بی صاحبہ کے ساتھ شہر بھجوا دیا اور پھر شری علی سرکار کا امتحان بھی ہونے والا ہے۔۔۔۔۔ ان کا شہر آنا بھی ضروری ہے، وہ بھی آنا کل میں شہر آ جائیں گے!“ جس دھک کو وہ اپنی پیاری اور غنودگی میں بھولا ہوا تھا وہ پوری ہولناکیوں کے ساتھ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا، بابو جی کا قتل۔

”مگر مجھے کیا ہوا تھا؟“

”سرکار آپ کو گاڑی میں ہی اتارتا تیرا بخار ہو گیا تھا کہ یہاں پہنچنے تک آپ اپنے قدموں پر کھڑے بھی نہیں ہوسکتے تھے۔۔۔۔۔ ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ گھرے صدمے سے آپ بیمار پڑ گئے تھے!“

”سکتے دن ہو گئے ہیں مجھے یہاں آئے ہوئے؟“ اس کی آواز میں تاسف کے ساتھ فقاہت بھی تھی۔

”سرکار۔۔۔۔۔ زیادہ نہیں، بس تین دن ہوئے ہیں آپ کو یہاں آئے ہوئے!“

”تو پھر اب مجھے جانا چاہیے۔۔۔۔۔“ اسے یاد آ گیا تھا کہ اس نے بابو جی کے جنازے کو کندھا دیا تھا، اپنے ہاتھوں سے ان کو قبر میں اتارا تھا اور کس طرح پلٹتے ہوئے شری علی کو اپنے ساتھ لگا کر اپنے دل میں عہد کیا تھا کہ اپنے باپ کے قاتلوں کو انجام تک پہنچا کر دم لے گا۔

”ڈاکٹر نے آپ کو سسر سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ جب تک وہ اجازت نہ دے، آپ گاؤں نہیں جاسکتے!“ اس نے سب سے ہونے انداز میں وضاحت کی تھی۔

”کس مائی کے لال میں جرات ہے کہ وہ مجھے گاؤں جانے سے روک سکے؟“ اس نے اپنے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر نا طاقی اس قدر تھی کہ وہ پیسے واپس ڈھے سا گیا تھا۔

”سرکار آپ آرام کریں، جو نیوی آپ کا بخار اترے گا اور آپ بہتر محسوس کریں گے تو میں آپ کو خود گاؤں چلوں گا۔۔۔۔۔“ ملازم نے اسے تسلی دی اور دل میں وہ ڈر رہا تھا کہ چودھری صاحب ابھی غصے سے کہیں کے کڑھ کر

اور اب ہے جو مجھے لے کر جائے گا گاؤں مگر اس کو حیرت ہوئی شجاع نے جواب میں کہا کہ نہ کہا، خاموشی سے لیٹ کر روٹ بدل لی۔

”آپ آرام کریں سرکار.....“ ملازم نے کہا اور اگلے قدموں کمرے سے باہر نکلے گا۔ ”اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بندہ حاضر ہے!“ تھوڑی دیر تک کراس نے چوہدری شجاع کی طرف سے جواب کا انتظار کیا مگر جواب نہ آنے پر وہ کہا کہ شاید وہ سو چکے ہیں۔

☆☆☆

”دلی تمہیں معلوم ہے کہ یہ سب کی سب تمہاری بہنیں ہیں، پھر بھی تم نے.....“ جہاں آرانے اپنی بات ادھوری ہوڑ دی تھی، اس سے زیادہ کل کروہ اور کیا کہتیں۔

”اماں..... میں جانتا ہوں کہ یہ کون ہیں سب..... اور اب میں جوان ہوں اماں، اگر تم اس بات کا احساس نہ کرو تو میں کیا کروں، میں کیا اپنی جوانی بے نیکی ضائع کر دوں؟“

”کس نے کہا ہے تم سے بیٹا کہ یہ تمہاری بہنیں نہیں ہیں؟“ جہاں آرانے نوہلی۔ جانتی تھیں کہ کبھی نہ کبھی یہ عید تو کل ہی جائے گا مگر انہیں یہ معلوم کرنا تھا کہ کس نے ان کا راز فاش کیا ہے۔ ”الماس تمہاری بہن ہے بیٹا!“

”ہاں اس لیے کہ اسے تم نے جنم دیا ہے۔ مگر اس کا باپ کون ہے اماں، کیا اس بات کا کسی کو علم ہے؟“

”تم حد سے زیادہ بدتمیز ہو گئے ہو دلی.....“ ان سے اتنی براہ راست چوٹ برداشت نہیں ہوئی تھی۔ ”جانے کون تمہارے کان بھرتا رہتا ہے؟“

”میرے کان کون بھرے گا اماں..... یہ تمہاری بھانت بھانت کی جمع کی ہوئی چیزیں“ مجھ پر مرقعی ہیں اماں، میں تو انہیں بہنیں ہی سمجھتا تھا!“ خزانہ بن اس کے انداز سے نمایاں تھا۔

”سب جانتی ہوں جو تم ان کو بہنیں سمجھتے ہو.....“ دانت کچکا کر انہوں نے کہا۔

”کہیں نہ کہیں تو میرا بھی کاٹا اٹکانا ہے اماں تم نے، تو انہی میں کسی سے انکا دو اماں، جس سے تم چاہو!“ اس نے جیسے ماں کو اپنے لیے انتخاب کا اختیار دے دیا تھا۔

”جسے تم نے چننا تھا جن چکے ہو اب، تمہیں ماں کا خیال آیا ہے.....“ ان کے اندر ایک رواجی ماں نے سر اٹھایا تھا۔

”ارے نہیں اماں.....“ اس نے لاڈ سے کہا۔ ”تم لے لو جتنی جو میں نے ابھی تک کی کوچتا ہوں، ابھی تو میں ان کو اداری باری جانچ رہا ہوں، شادی اسی سے کروں گا جس سے تم کہو گی!“ اس کی اس بات نے جہاں آرا کا دماغ بھک سے اڑا دیا تھا۔

”کیا تم ان سب سے.....“ مجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اس سے پوچھیں۔

”یونہی ذرا مغل کے طور پر اماں..... تیرا لال ہے ہی ایسا خوب رو جوان کہ اس پر ساری مرقی ہیں!“ اس نے اتر کر کہا۔ جہاں آرانے اسے دو ہتھڑوں پر رکھ لیا۔

”بے غیرت، بے حیا..... دلال.....“ کتے، بڑے.....“ جو جوان کے من میں آ رہا تھا وہ بکے جا رہی تھیں۔

”یہ دن دیکھنے سے کہیں اچھا تھا کہ میں مر جاتی.....“ وہ تھک ہار کر رونے لگیں۔

”ایسا کیا ہو گیا ہے اماں.....“ دلی نے مار کھا کر بھی ڈھٹائی سے کہا تھا، اسے بھلا ماں کے دو ہتھڑوں سے کون سی کوئی گری چوٹ لگ گئی تھی۔

”تو پوچھ رہا ہے کہ کیا ہوا ہے..... تو نے تو میری عمر بھر کی بونجی لوٹ لی ہے دلی، کاش میں نے تجھے جیسی اولاد کو نہ جٹا

ہا اور بی طرح کا دل اور شہر میں بھی۔

”جو نہ تم تا کی یا ماسی، وہی رکھ لیں گے!“ کلیم نے کہا۔

”جیک ہے، میں اچھا سامراج کرنا چاہتی ہوں!“ زرتان نے سہرا کر کہا۔

”جس میں مجھے ایک بات تازہ کلیم...“ زرتان نے اس سے کہا۔ ”میرے ماموں اندن سے آئے ہیں، تین

ہا کے بعد ان کے ہاں بیٹے کی ولادت متوقع ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ ہاں پر ایسی چیزیں ہیں جن کے ذریعے انہیں

میں ہو چکا ہے کہ ان کے ہاں بیٹا ہوگا!“

”ہیں... کیا واقعی؟“ حضرت نے کلیم کا منہ کھلے کا کھلا کر دیکھا۔

”جی ہاں! میں...“ معراج نے حیرت سے پوچھا۔ ”ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟“

”وہاں امان...“ جگہ پر ہی ہوں!“ زرتان نے جوش سے کہا۔ ”اور انہوں نے تو سب کے ساتھ مل کر اس کا نام

میں سوچ کر فیصلہ کر لیا ہے اور اب سب لوگ اس کے والے بیٹے کی نام سے پکار رہے ہیں۔“

”یہ مولیٰ بیوں کے جو چلے گی عجیب ہی ہیں، وہاں یہی کسی کھڑی باتیں لیتی ہیں!“ معراج نے تھکی سے کہا،

انہیں یہ بات بہت پر ہی تھی۔

”ایسٹن کے لیے اس انہوں نے شادی سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا اور باقاعدگی سے نماز پڑھتی تھی

ہیں اور اپنی سارے احکامات کی پابندی بھی کرتی ہیں۔“ جگہ پر... سب کا وہ ہوتا تھا اور انہیں جتنی ہی گروہم

سب کے ساتھ اچھا رشتہ رکھتی تھیں اور ان بھر پور تھیں کھاتی تھیں، اگرچہ کھاتی بھی ہوں گی تو کسی کو علم بھی نہیں ہوتا

تھا!“ زرتان نے تفصیل سے اعلیٰ مالی کی تعریف کی۔

”اچھا!“ کلیم بہت متاثر ہوئی تھی۔ ”ان کا نام کیا ہے؟“

”ان کا اسلامی نام کا ہے!“ زرتان نے کہا۔ ”اور وہ اس پر بہت فخر محسوس کرتی ہیں!“

”اور ان کے بیٹے کا کیا نام ہوگا، آئے والے بیٹے کا؟“ کلیم نے جس سے پوچھا۔

”اس کا نام...“ وہ کسی... اس کا نام حاتم ہوگا، انشا اللہ!“

”بہت بچا پر نام ہے...“ کلیم نے تعریف کی۔

”تو یہ کہ اس کا نام قبول کیا ہے اس نے اور اسے شرم نہیں آتی یوں سب کے سامنے اشتہار لگاتے ہوئے؟“ معراج

نے ناراضی سے کہا۔

”آپ کو کلوں سے ماں کے ماموں کے ہاں ان کی شادی کے کتنے برسوں کے بعد اولاد کی امید بندھ گئی ہے اور اس

لیہ وہ بہت بڑی چیز ہیں، یہی تو خدیش میں اس کی پھٹی پھٹی چیزوں پر تختہ نہیں کرتے؟“

”اچھا! میں تجھے نہ ڈراؤں مجھا...“ معراج نے کہا۔

”جی سب لوگ بہت سے نام تجویز کر رہے تھے تو تجھے براؤ نام بہت اچھا لگا تھا!“ زرتان نے کہا۔ ”میرے

ان میں خیال آیا ہے کہ کلیم کے اس چھوٹے کام میں جو رکھ لیں گے...“

”اور میں نے...“ ایسے لگا ہے کہ مجھے کوئی بڑا سا آدھی ہوا!“ معراج نے فوراً اس تجویز کو چھوڑ دیا۔ ”اچھا چلو جو

ہمیں کلیم کو پسند ہو...“ معراج نے کہا۔

”بہت بچا پر نام ہے ماسی اور اس میں بھی، میں بس رکھ لیتے ہیں...“ کلیم نے فوراً کہا۔

”اس کا مطلب ہے، جی!“ زرتان نے کلیم کو بتایا۔

”بہت اچھا مطلب بھی ہے اس کا...“ کلیم نے پیار سے اپنی گود میں سوئے ہوئے، وہ ہونٹ ہونٹے، تھکے

ہوئے، اسے چند لمحوں میں ہی سمجھا دیا تھا کہ کلیم کی زندگی کا کوئی مختصر تھا۔ ”بھائی...“ وہ زرب پر بڑبڑائی،

کے بعد یہی بات اس کا آخری سوچن کر اس کی آنکھوں کے بند کرنے کا تھا۔

☆☆☆

”تم نے تو مجھے اور اپنی گودا نے کا پروردگار بتا دیا تھا...“ اس نے اس کے کندھے سے ہاتھ دے کر کہا۔

”شوہر کیا...“ وہ بالکل خاموش تھا۔ ”میں تو کہہ رہی تھی کہ جب تم نے انہوں نے باہر سے تالا کھول کر میں گھر

سے نکلتا ہوں گی...“ اس نے اس کی بات اس کا بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

جائے ان میں بھی حراف کر رہی تھی۔ ”خود سوال کرنا اور خودی جواب دینا...“ ان کا دل بہت بڑا ہے اور

مجھے اور حراف کر رہی تھی۔ ”جائے ان میں بھی حراف کر رہی تھی۔ ”خود سوال کرنا اور خودی جواب دینا...“ ان کا دل بہت بڑا ہے اور

یہ کھانے بدلے ہیں۔ میں نے ان کا کتنا دل دکھایا ہے۔ سوچ سوچ کر وہ ہنسا ہوتا۔

”زہر نے اپنی طبیعت کی خرابی کے باوجود کھلے سونوں کے کھروں میں چھوٹے موٹے کام کر کے اس کے گھر

چلے جانے کی کوشش جاری رکھی۔ کھلے والے چبان چبان کر یوں بھی دلدلہ اور دیتے تھے اور اب تو عباس کے ساتھ

بقی اسے والے حراف نے تو کوئی کوئی اس کا پرانا روزہ کی بھلا دیا تھا۔

”میں نے خواہ مخواہ ہر پڑائی پابندی لگا رکھی تھی، اسے گھر میں قید کر دیتا تھا، جو میں مر جاتا تو جب بھی تو جو چاہے

کرتی پھرتی...“ میں کو ان سارا تھا کہ اگر اسے دیکھ سکتا تھا اس حادثے نے صرف اس کا ذہن تبدیل کیا تھا کھلے اس کا

اقتدار بھی بدل گیا تھا۔ ”میرے ہر وہ سوچا سوچا تھا۔“

”کچھ اس تکلف کے دوران زہر نے اس کی اپنی خدمت کی تھی کہ وہ اس کی قدر کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اللہ

کرم اور اس کے دل میں تھی اور زہر کی دعا...“ اس نے مل کر اسے ایک بار پھر اپنے حریفوں پر کھڑا کر دیا تھا

مگر اب وہ دوسری کی شفقت کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

☆☆☆

موت اور حیات کی کشش میں جکڑا ہو کر... اس کو زور اور تحریف کی کلیم نے ایک بچے کو حتم دیا تھا جس کی صحت

ماں کی صحت سے بڑھ کر تھی۔ ”جی نظر میں ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ اس کا کچھ خوراک کی حد آرام جس کے باعث

بچہ بھی کمزور سا تھا اور ماں بھی مگر کلیم کی خوش دینی تھی، وہ معراج کے کمرے میں تھی، معراج نے اس کے کمرے میں

کمرے سے لے کر اور کیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ وہ ہیں آجائے۔ اپنی بڑی بہن کی مدد سے وہ معراج کے کمرے میں آ گیا

تھی، وہ ہیں بچہ اور ہوا، معراج نے کلیم کا انتظار رکھا کہ اس کی ماں بھی ہوتی تو اس کا ہی طرح خیال رہتی۔

زرتان اپنی کھلی کی حالت دیکھ کر بڑھان ہو رہی تھی کہ بچے کی ولادت خیریت سے ہو جائے پر بہت خوش تھی۔

”اس کے باپ کی صحت کو اطلاع کروانا ہوگی...“ گھر اس وقت کیا تھا کہ... وہی رات میں ہی بچے کی یوں بھی وہ

کر کے بڑا ہوگا!“ معراج نے اپنا ہنسا دکھایا تھا۔ ”زرتان نے دو گھر گھر کے اس میں دیکھی تھی کیا ملا اور زہر کی کلیم

چلا۔ ”بچے نے دو گھر کی جھوک کا اظہار کیا۔ معراج نے پہلے کلیم کے لیے کمرے کی دی، جو کلیم نے اس کے کمرے کے زرتان

کے ہاتھوں سے ڈھائی اور پھر اللہ کا نام لے کر بچے کو دو گھر چلا کر لایا تھا۔ بچہ اس کی خوش سیالی ہو گیا تھا، اس کی

آنکھوں سے ہل ہل آؤں ہوئے تھے۔ معراج نے اسے دلی اور دلت سے بچ کر لایا۔

”اچھا چلو اس کا نام کیا سوچا ہے تم نے؟“ زرتان نے اس کا دھان بٹانے کو کہا۔

”مجھے تو کسی نے سوچا ہی نہیں آئی کہ یہ کیا نہیں اس کے گھر کا اور کیا اسے کوئی نام دینا ہوگا!“

”ایسا کیا ہوئی ہوگی؟“ زرتان نے بے یقینی سے کہا، ابھی چند دن قبل عن تو وہ شہر سے لوٹی تھی جہاں اس

پھوٹی ممانی کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی تھی اور بہت مختلف ماموں پر بہت ہوئی رہتی تھی۔ وہ لوگ انہیں

سے آئے تھے اس لیے ممانی کو بھی یہی ملتا کہ بیٹا آنے والا تھا۔ مگر زرتان کو یہ بھی ملتا تھا کہ شہر اور گلیوں میں بہت

میں صرف ہو گا کہ اس کے اندر تو وہی طرح کی آگ بجھ کر رہی تھی۔ وہ بتا رہے تھے کہ قانون کا انجام تک پہنچانا ہوتا تھا بلکہ اس کا ارادہ تھا کہ شرعی اس تمام کارروائی میں اس کے ہمراہ ہو۔ جہاں اس کے گاؤں واپس جانے پر تو ان کا تھا، اس میں زیادہ ہاتھ دیکھ کر بیٹھ جاتا تھا۔ انہوں نے جہاں تک کو بھانپا تھا اور وہ اسے گاؤں لے جانے پر تیار ہوا تھا وہ نہ اس کا ارادہ تھا کہ جب تک کہ ان کے شہر میں رہے۔ اس کے گاؤں جانے کے فیصلے سے سب سے زیادہ خوشی اور سکون راہرو کا تھا۔ شرعی کے سالانہ اجتماعات میں سر پر تھے جو کہ اس کے گاؤں نہ جانے کا بڑا اہم جزو تھے۔ شہار نے سوچا کہ اس کے اجتماعوں کے بعد لے کر جائے گا۔

راہرو ایسا کوئی واپس جانا تھا اس نے جاکھیر سے کہا کہ وہ یہ فکر ہو کر جا نہیں، مگر اس کی اماں کو اس بات سے اتفاق تھا۔ تھوڑے عرصے میں اس بات میں اس نے اپنا ہونے سے قنن میں نہیں۔
 ”آپ جا نہیں لے کر ہو رہا اس چند دنوں تک میں دربار کو بلوا لوں گی!“ اس نے انہیں لالچ کی کوشش کی، وہ بھی جاتی تھی کہ عمرانی بی بی اس طرح دربار میں کوئی اکیلے شہر نہیں گئی۔
 ”اماں بھی عدت میں ہیں۔“ جاکھیر نے کہا۔
 ”جہاں میں نادور سے بات کروں گی اگر وہ چند دنوں کے لیے آ جائے، جب تک جہاگیر واپس نہ آ جائے، والاہ کی مہربانیوں کے وقت تک۔“

”جاکھیر بے اماں!“ راجو نے ماں سے کہا اور یوں وہ ذرا اطمینان سے واپس لوٹیں۔ گاؤں تک کے سفر میں جہاگیر نے فقیر اشراج کو قتل کے لیے بات بتایا۔
 ”آپ ہی چاہتے تھے کہ اس مسئلے کا قانونی حل ہو جائے، میں جانتا ہوں لالہ جی کہ اس طرح کے لوگوں سے کس طرح شنا جاتا ہے۔“ اس نے ہنسے سے لالہ ہوتے ہوئے چرے سے کہا۔
 ”میں کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں جانتا تھا۔“ جہاگیر نے سر زدن کی۔

”لالہ جی، دل تو میرا بھی نہیں جانتا ہے کہ کس لوگوں کے سامنے میں اپنے باپ کے قانون کو ماروں اور اپنی آگھوں سے دیکھ کر بھی کوئی میرے خلاف گواہی دے کر کوئی تیار نہ ہو۔ پھر میں اس لوگوں کو دیکھوں!“ اس کی آواز میں جوش تھا جو جہاگیر کو خوف میں مبتلا کر رہا تھا۔
 ”تو بہت زیادہ بد بختی ہو رہے ہو۔“

”لالہ جی جس آگ میں مل رہا ہوں، اس کی تپش سے آپ واقف نہیں ہیں!“
 ”جھل سے میرے بھائی اش باب بھی کوئی غیر قانونی قدم اٹھانے کو تیار نہیں، ہمیں گاؤں بلانے کا فقط ایک مقصد ہے کہ ہم دیکھ سکیں کہ ان لوگوں کوئی خاتہ دیکھا کر وہ گواہی دینے کو تیار ہو جائیں۔“
 ”گواہی تو ان کا باپ بھی دے گا لالہ۔“ اس نے جوش سے کہا۔ ”مجھے صرف یہ بتا دوں کہ کون لوگ ہیں انہوں نے یہ سارا واقعہ اپنی آگھوں سے دیکھا ہے اور اگر ایسا کوئی آدمی نہیں بھی تو مجھے بتائیں لالہ کہ کئی گواہیاں میرے باپ کے قانون کو کچا کر کے پھینک دے گا۔“
 ”جب سے گواہ موجود ہو تو کسی بھی کوئی کی گواہی دے گا۔“ جہاگیر نے کہا۔

”میں جلد از جلد اپنے باپ کے خون سے ہاتھ دھو کر لالوں کو اپنے احکام تک پہنچانا چاہتا ہوں، اس کے لیے مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ میں قانون کو ہاتھ میں لے رہا ہوں یا قانون مجھے ہاتھ میں لیتا ہے۔“ اس نے جس مزاحم لہجہ میں کہا تھا اس نے جہاگیر کو اس چند دنوں سے جتنا کہہ رہا تھا کہ وہ خود بخود اسے شہر سے گاؤں لے آ یا ہے۔

☆☆☆

یہاں کوئی کے پاس چھوڑ کر شہر چھوڑ دینے کے لیے اپنی دونوں بہنوں سے ملنے کے لیے کہا تھا۔ مگر شہر بہت سی

سالگرہ نہیں اس کے سارے وجود میں سرشاری کی لہر دو گئی۔ دربار نے اس کی طرف دیکھا اور حیران رہ گئی، کیسے اس عورت کی زندگی کی ساری پریشانی اور زندگی کے مسائل ہیں پشت چلے گئے تھے، صرف مٹا کر نور اس کے چہرے پر نظر آ رہا تھا اور محبت کا سمندر اس کے وجود میں شامیں مار رہا تھا۔

☆☆☆

آج بھی سوئے کر اس نے دعا کی اور محسوس ہوا کہ اس کا اللہ اس کے پاس ہے، وہ اسے کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا، اس نے صرف چند لمحے سوچا اور انہیں بھول دیں۔
 ”آپ بھی بڑے دیر کے دوست ہیں۔“ اس نے بات کرتے ہوئے ذرا سا تھک کر خود اس شخص سے بھایا جو کبھی بڑی نیت سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ”پوچھنے آپ سب کی بہت تعریف کی ہے اور آپ لوگوں کے لیے جانے کے لیے کوئی بات لینے کے لیے گئے ہیں۔“ اسے علم ہو گیا تھا کہ وہ ان تینوں کے سامنے محبت میں کامیاب نہیں ہو سکے گی اس لیے اس کی طرح انہیں باتوں میں لگا کر اپنی نکتہ پٹی مٹی کرے۔
 ”چھوڑو۔ پوچھنے بتایا ہے نہیں؟“ وہ خفا سے ہنس کر پوچھ رہا تھا۔
 ”تو مجھ سے کچھ نہ کہو نہیں۔“ مریم کا دل پتے کی طرح لرز رہا تھا۔
 ”آپ لوگ آئیں نا آپ آنا میرا ہے!“ اس نے ایک طرف ہو کر انہیں راستہ دیا۔ ”میں بھی آپ کے ساتھ ہوں گی۔“

”تمہارے ہوتے ہوئے ان کی کیا ضرورت ہے!“ اس نے ایک آنکھ کھینچ کر کہا تھا۔
 ”چلو۔“ ایک نے کہا۔ ”چلے ہیں اندر اپنا ہی تو کمرہ ہے۔“
 ”جس طرح تیری مرضی یار۔“ اسٹاؤدے۔“ ہائی دونوں نے بھی اس کی تھیدی کی۔ ”چلو بھائی جی، اندر چلے ہیں۔“ مریم نے خاموشی سے اس کی تھیدی کی اور ان کے پیچھے پیچھے کمرے میں آ گئی۔
 ”چائے بناؤں آپ کے لیے بھائی صاحب؟“ انہیں مصیبت سے پہنچا۔
 ”ہاں ہاں۔“ کیوں نہیں!“ ایک نے انہیں سوئے پر پھیلا میں اور دوسرے کو آکھ مارا اور کہا کہ مریم کے ساتھ باورچی خانے میں چلا جائے۔ مریم جانے بناتے ہوئے ساتھ ساتھ سوچ رہی تھی کہ کسی طرح جیرونی دروازے تک جا سکے یا کسی اور طرح بھاگنے کی کوشش کرے۔

جیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ ”میرے اللہ نے میری سن لی!“ وہ بڑبڑائی، اس نے چونک کر مریم کی طرف دیکھا اور میرم نے اس کی طرف۔ ”پوچھو میں گئے، جانے کا سامان لینے گئے تھے، میں دروازہ کھولی ہوں!“
 ”چٹی کھڑی رہ۔“ اس نے اسے ڈھٹائی۔ ”میں دیکھتا ہوں، خردار جو تم باورچی خانے سے باہر آئیں گی کوئی آواز نکالے۔“ اسے دھماکا کر وہ باہر نکلا اور مریم کا ذہن اور ہاتھ تیزی سے کام کرنے لگے، اس نے فوراً باورچی خانے کی دروازہ اندر سے بند کر کے کھڑی لگا لی، یوٹی پی کیڑوں کی سی کھج کر دروازے کے آگے رکھا اور اس پر دوڑتی چیزیں رکھنے کی بجائے کتیل والے چولہے کی تیل والی ٹنگی اٹھا کر اس میں تیز اور دروازے پر تیل ڈالا اور اگلے لمحے باورچی خانے کے اندر آگ کے شعلے لینے لگے۔

آگ کی لٹیں بڑھتی ہی چلی جا رہی تھیں، اندر ایک کونے میں مریم مدام سے زمین پر بیٹھی تھی، اسے اس وقت کا انتظار تھا جب آگ اس تک پہنچ کر اس کے اس وجود کو ڈالتی تھی پال کر نہ تو نہیں دکھائی باہر کھڑے تھے، وہ اللہ سے مدد کی ایک بات کہہ رہی تھی۔ اور قاضی کون، جس سے ناخوش!

☆☆☆

شہار کے لیے خود کو شہر میں رہ کر دکھنا ممکن تھا، اسے اندازہ تھا کہ گاؤں میں جہاگیر جیسا مقصد سے کی کارروائی

”تو کون لوگ تھے وہ؟“
 ”ہوں گے کوئی اسی کی طرح بے کشتی“..... ”معراج نے تسلی دی۔“ تو فکر نہ کر جائے گا کہاں لوٹ کر نہیں آئے گا؟“
 ”وہ تو ہے مای ہکر۔“

”اگر مگر پچھیں، جانتی ہوں میں کہ تو کیسے سوچ رہی ہے، چٹکی پڑی رہ، جب تک وہ نہیں آتا تو آرام سے نہیں رہ اور ٹھیک ہو جائے گی اور وہ لوٹ آئے گا تو تو چل جانا“ اس کے بعد کلوشم کی بحث کرنے کی بجائے مای ہکر کی خاموشی ہو گئی۔ اسے جواز دینے کی ایسی خوشی نہ کرنا تھا کہ اسے سارے دکھ بھگت کر رہے تھے۔ مگلو کی ساری زیادتیوں بھلا کر وہ دل سے ختم ہو گئی کہ ایک بار آ کر اپنے بیٹے کو دیکھے۔ شاید وہ اس غلطی کا کھارہ کی کہ وہ مگر جانے گا، بیٹے کو دیکھے گا تو اس کا دل خود بخود کام کرے گا۔

”مائی میں اپنے کھڑے چلی جاتی ہوں ممکن ہے کہ وہ وہاں کسی نہ کسی وقت آجائے، اگر وہ آئے تو اسے کیسے علم ہوگا کہ میں یہاں ہوں؟“
 ”سارا کا دل جانتا ہے کہ تو یہاں ہے اور وہ کسی سے پوچھنے کا تو اسے علم بھی ہو جائے گا!“ ”معراج نے اسے مگر کھرا۔“

”مگر خالہ.....“ وہ کچھ کہتے کہتے رہی۔
 ”اگر مگر کرا کر بھی ہے تم نے؟“
 ”میں کب تک آپ پر بوجھ بن کر رہوں گی خالہ؟“ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں، آنسو جو ہر وقت اس کی پچوں پر ستاروں کی طرح سے رہتے تھے۔
 ”آخر میں ہے بیٹا، شاباش..... میں تو تمہیں اپنی بیٹی کہتی ہوں اور تم نے بتا دیا کہ تم میری بیٹی نہیں ہو!“ ”معراج نے تانسف سے کہا۔
 ”ارے نہیں خالہ..... ایسی بات نہیں ہے!“ وہ شرمندہ سی ہو گئی اور اسے کوئی جواب نہ سوجھا۔ ”مجھے معاف کر دیں خالہ اگر میں نے آپ کا دل توڑا ہے!“

”جلال اب یاد وہ بڑا بڑا شکر اس کو دودھ پلا..... ہر وقت چننا رہتا ہے، پورا باپ پر بڑا ہے!“ ”معراج نے بات نہ کی اور اسے اپنے ہمیشہ کے انداز میں ڈانڈا دیا۔ رات جاکلوشم کھلنا کر نہیں، جواد بلند آواز میں رو رہا تھا۔ معراج تو اصل بات جانتی تھی کہ کلوشم کو اس کے کسی شے باز یا بیٹے نے جسے میں آ کر کسی تیز دھارے لے لے کر دیا تھا مگر یہ بات تو وہ لڑکیاں جب نہ پائیں جو وہ پہلے کی روز سے کھڑے ہاتھ لگی ہوں، کچھ قریبی لوگوں کو کھانے سے منع کر دیا تھا کہ یہ خیر فی الحال کلوشم تک نہ پہنچے کہ اس کا دل دھکے گا، جیسا کہ تھا، تھا تو اس کا شو بہر۔

☆ ☆ ☆
 رانی کا غلیظ سا رو دو لوگوں کو کسی جوت کے مانند دکھائی دیتا تھا۔ لوگ اس سے خوف کھانے لگے تھے اور اس کے سامنے آ جاتے تھے کہ اسے اور اپنا راستہ بدل جاتے تھے۔ وہ کڑے سوال کرتی تھی، چوہدری اکبر علی کے بارے میں لوگوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا بھرم چوہدری اکبر علی کے مگر کوئی اس کے لیے کیا کر سکتا تھا۔ قدرت ہی اسے سزا دے سکتی تھی، اس کے گرد و آفاق ہنگ ہوا تھا مگر کس وقت اس پر گرفت ہو گئی اس کا کلم کی کو نہ تھا۔
 چوہدری شجاع ایسا نہ تھا کہ وہ اکبر علی اور اس کے بھائی بابر کو اپنے آپ کا خون یوں ہضم کرنے دیتا، اس کے اندر کی آگ بھڑکنے لگی تھی۔
 ٹھیک..... جو کسی کو کسفاطر میں نہلائی تھی اب دوسروں کے دم و دم پر پڑی تھی۔ قاغ نے اس کے پورے جسم کو ہی طرح ستا کر کیا تھا، صرف اس کا ذہن کام نہ کرتا تھا جس میں کسی جھوٹے سے کسی اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کی معافی

”دعا کر رہی تھی تمہارے لیے.....“ اس نے کہا۔ ”اللہ تمہیں صحت دے، جلد ہی تم اپنے قدموں پر کھڑے ہو جاؤ!“
 ”کیوں..... تم میری کشتی چاہی ہے تمک ہوگی؟“ خوش ڈوبا ہوا انداز میں ابھو گیا..... ”دفع ہو جاؤ تم کہیں اگر تمہیں بوجھ نہ لگے گا کہوں میں!“
 ”میں نے یہ کب کہا.....“ آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔
 ”جانتا ہوں سب جانتا ہوں.....“ اس کی آواز میں کچھ بھیگا بیگناہ تھا۔ ”بوجھ بن گیا ہوں میں کچھ پرہنگ آ گئی ہے تو میری بہاری سے.....“
 ”پچھیں نہیں..... بالکل نہیں عباس.....“ اس نے آخر کراس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ ”کاش میں اپنا دل چر کر تمہیں دکھا سکوں، میں تو پچھیں دیکھ دیکھ کر ہنسی ہوں!“ عباس کو دل سے یقین تھا کہ وہ کچھ کہہ رہی ہے مگر وہ اسے اس بات کا احساس نہیں دلا تا جانتا تھا۔
 ”روٹی ملی کی کیا؟“ اس نے ایک ٹائل پر کئی بکلی بات کی۔ ڈہرہ ملنے اپنے آنسو صاف کیے اور روٹی کی طرف بڑھی۔

”تو پھر میں کس کام کے لیے چلی جا کر کروں؟“ اسے روٹی دے کر وہ اس کے نزدیک ہی بیٹھی تھی۔
 ”کہاں؟“ اس نے روٹی سے دھواں بھی ڈاٹھا یا تھا۔
 ”ساتھ والی خالہ سے کہوں گی تو وہ کچھ بندہ دست کر دیں گی!“ اس نے آہستگی سے کہا۔
 ”کیا کام آتا ہے تجھے؟“ اس نے سوال کیا۔
 ”میں بن پر سیدھا مادہ ملائی کا کام آتا ہے مجھے مگر آہستہ آہستہ ہاتھ کھل جائے گا جب تک کوئی اور کام کروں گی!“
 ”اور کیا کام؟“ اس نے جرح کی۔
 ”یہ تو خالہ سے بات کر کے ہی علم ہوگا نہ کہ وہ کیا کام دلا سکتی ہیں؟“ اس نے اپنے اندر ابھرے والے غصے کو دبا یا۔

”اچھا اس سے پوچھتا، پھر مجھے بتانا..... میں پھر یہ کوئی فیصلہ کر سکوں گا!“ اسے شاید انداز سے کہہ رہا تھا جیسے کوئی وہاب ہو اور اس کو کوئی مسئلہ نہ ہو۔
 ”ٹھیک ہے!“ اس سے بہتر اور کبھی غلط جواب اس کے پاس اور کوئی نہ تھا۔
 ”اور ہاں.....“ اس نے کہا: ”اگر کوئی کام نہ ہو جہاں تو آئندہ سے آگے کھٹے کرتی پھرے!“ اس نے غصے کی بجائے کہا اور وہ صرف اسے دیکھ کر رہ گئی۔ جو صورت اس کی خاطر اپنے اسے بنیاد کرنے والے ماں باپ کو چھوڑ کر آ گئی تھی، اب اسے چھوڑ کر اسے اور کے ساتھ بھی جا سکتی تھی۔ ”میں کبھی قابل اعتبار نہ ہوں گی عباس تمہاری نظر میں!“ اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

☆ ☆ ☆
 ”کیسا پورا بے کلوشم تمہارا بیٹا.....“ رات جاتے اسے گود میں اٹھا رکھا تھا۔
 ”بیٹا راتو بے مگر ہے کبہا قسمت کر جس کے باپ کو علم ہی نہیں کہ اس کا بیٹا پیلا ہوا ہے!“ کلوشم نے کہا۔
 ”تم کس جنت کہاں جا رہے.....“ معراج لی لی نے غصے سے کہا۔
 ”آپ نے کسی سے کہہ کر کہا کروایا ہے مای؟“ کلوشم نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔
 ”کسی ایک سے نہیں کلوشم! میں نے بہت لوگوں سے پوچھا ہے پھر.....“ معراج نے کہا۔ ”کسی نے اسے چندوں پہلے کچھ لوگوں کے ساتھ دیکھا تھا جو اس کا دل سے نہیں تھے!“

ہو....."باب کی موت اور تختہ داروں کے احسان نے اسے لکتا ہوا دیا تھا۔
اتنا کہ اس نے رابعہ کے چروں میں کرکڑی چلی گئی کی معافی مانگی، رابعہ کا دل تو اب بھی بہت بڑا تھا، اس نے اسے
برس اس بات کو اپنے شوہر سے بھی چھپایا تھا، اپنے مایوں کا مان کر گھاسا۔
"تم کل شو کا خیال رکھنا، وہ دھتورہ دسی ہے..... اس پر بہت غم ہوا تھا۔" رابعہ نے اس سے درخواست کی۔ "اس
کے بچے کو اپنے بچے جیسا بھی سمجھو تو اسے دیکھا جائے، وہ ایک نیم بچہ ہے جس کا اس کی ماں کے سوا اور کوئی نہیں!"
شجاع نے اس کی بات سنی سے ہی اور دیر نہ کی کہ وہ اپنا چھوٹا بچہ اور اپنا چھاپ ثابت ہونے کی کوشش کرے گا۔ ماں کو شجاع
اور کلشوم کے ساتھ چھوڑ کر وہ مشین ہو کر شہر لوٹے تھے جہاں اپنی بیٹیوں ان کے لیے اپنی باتیں دلائیے ہوئے تھا۔

☆ ☆ ☆
"اماں جب میں چھٹی دفعہ شہر آئی تھی اور اتقان دے رہی تھی تو اتقان کی ایک نگران مجھے بہت غور اور دیر سے
دیکھ رہی تھیں، بلکہ مجھ سے پوچھا بھی تھا کہ میرا کیا کام ہے اور میرا مقصد کیا ہے۔" زرتاج نے ان کو بتا دیا۔
"ہوئی ہیں شکوں کتنی تھیں....." معراج نے بے دھیانی سے کہا۔ "کئی لوگوں کو یوں ہی عادت ہوتی ہے۔
خواف وہ ایسے سوال کرنے کی اور شہر کی چوری چوری تو اب بھی جہاں چار دیواریں تھیں، اس کا اپنا بچہ پیچھے چھوڑ چکا تھا۔"
"نہیں اماں..... وہ اسی نہیں تھی میں اور ہاں یاد آیا....."

"کیا یاد آیا....." معراج نے پوچھا۔
"وہ پوچھ رہی تھیں کہ خوشحال گھر سے تمہارا کوئی تعلق ہے....." زرتاج نے کچھ یاد آنے پر بتایا۔
"ہجما....." معراج متوجہ ہوئی۔ "ہر قوم پر تھیں اس سے شاید وہاں کی رہنے والی ہو۔"
"آپ نے خود ہی تو کہا ہے کہ انہیں سے زیادہ بات چیت نہیں کرتے!" زرتاج نے فوراً کہا۔
"جسما چل اب باتیں چھوڑ اور اپنے اتقان کی تیار کی کر....." معراج نے کہا۔ "پڑھانی ختم ہوئی ہے اب تیری
رخصتی ہونے والی ہے۔" زرتاج شاکر کے تصور میں کھوئی، جس کا چہرہ وہ اب اسے کتابوں میں نظر آنے لگے تھا۔

☆ ☆ ☆
"چالی....." اماں نے اپنی ملازمہ کو بلایا۔ "جاؤ راکھ سے چھوے مارنے والی گولیاں تو لیتی آ، اب تو کروں
میں جانتا چھوے نظر آنا شروع ہو گئے ہیں!"
"آئی کی شہر بھاری ہوں، اماں نے خاص طور پر کہا تھا کہ اسے پھانسی نہ کرنا!"
"تو چا....." میں دیکھتی ہوں! "اماں نے اسے اٹھایا اور خود اس بیڑی پر بیٹھنے کی تجویز دینے ہی جالی چوہے
راکھوں کا پیکٹ لے آئی۔
"دکان دار نے کہا ہے کہ آئے اور جتنی میں ملا کر کچھ جاکر رکھ لیں اور اپنے ہاتھوں کو نہ گئے دیں، بہت زہریلی
ہے۔" اس نے پیکٹ اماں کے حوالے کیا۔ "اب تمہیں اور تمہیں گھر بھرنے دیں!"
"کام میں کرکڑی ہوں جالی تو میرے پکٹے تو ذرا لے کر کھادے....." اماں نے اس سے کہا۔
"اماں مجھے جوئے ماریں گی جہاں میں آپ کو کام کرنے دیکھایا!" اس نے ہچکا کر کہا۔
"میں کہہ دوں گی اماں سے..... تو فکر نہ کر جا جلدی سے میرے پکڑے لے دے، میں گھر پر جا کر چوہے کے لیے
کھانا تیار کر دیتی ہوں جبکہ کچھ نہ دیتا....." اس کی بات پر چالی ہلکا سا لڑکی۔ جالی کے جانے ہی اس نے پیکٹ کھولا۔
"اماں....." ہر سب نے بہت دھوکے دیے ہیں، میں جیسے کا نہیں تھیں، کسی کو بھی نہیں، ہم میں سے جو بھی جوانی کی
ابھرا کھچنے کی وجہ سے اپنی طرح دکھانے کی، ہمارے گھر کے تھے تو میرے کاروبار کے تھے آج میں سب میں مل گیا ہے
اماں....." اس کی آنکھیں آنسوؤں سے سربر ہوئیں۔ سیر میں اس نے اور کسی کی آواز نہ کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆
جہاں گھر کے دوسرے بیٹے کی ولادت ہوئی تو مدت کے بعد وحی میں خوشیاں آ گئیں، انہی خوشیوں کے چھ عابدہ
بیکرم نے رابعہ کے کہنے پر ایک اور خوشی کی فراخ، شمس کا اظہار کیا۔ امید تو تھی کہ وہ مانے کی شہر شاید وہ بھی اندر سے تہلیل
ہو چکا تھا، اور یہ سادہ سی قرب میں شجاع کا نکاح کلشوم سے کر دیا گیا۔ شجاع دین میں شخص سے اکڑ ہو سکتا تھا کہ اپنی
ماں سے نہیں اور نہ انہوں نے اسے اپنی بیٹی کا اسطو دیا تھا، وہ اپنے آپ کے دل کے بعد ماں کو برداشت نہ کر سکتا
میں دیکھتا تھا، اسے ماں کے پھر سے شہر گمراہ کی بیٹی بہت بڑی دیکھ دیا تھا، اسے کسی نہ کسی سے کرنا تھا۔
ایک دفعہ اسے دل میں آیا کہ وہ ایک بڑی عورت تھی مگر اسے ہی نہیں اس کا اپنا ضمیر بل اٹھا۔ "تم کیا

سالگرہ نمبر
ہاتھ کا خیال تک نہ آتا تھا۔ کہنے پر اٹھ کھڑی شامیں اور کتنے قتل اس کے کھاتے میں درج تھے مگر اسے
ان کا احسان تک تھا، یہ احسان ہونا اور کوئی توفیق..... اس کے قریب میں نہ تھے۔
اس کا شوہر جو اپنے باپ جیسے بھائی کے جنازے پر بھی نہ گیا تھا، اسے کوئی دن دیکھا چھٹا تھا مگر اسے ہونے تھا،
کبھی بھی دیکھا ہوتا تو اپنے وجود سے کوئی دن دیکھتا تھے سچ کچھ کرنا کرتا رہتا، یہ تھے اس کے وجود سے اپنے وہ گناہ
تھے جن کا کوئی کارہ تھا نہ ان معصوم اور بے گناہوں کی آہیں اور انہیں اس سے نجات دلا سکتی تھیں۔

☆ ☆ ☆
کوئی گواہ نہ ہوئی تھی ان دینے والا..... نہ کسی پر کوئی شک ظاہر کرنے والا۔ بھارت تو ہیں کہ وہ دونوں بھائیوں کے
مابین جھگڑا ہوا اور دونوں نے بیک وقت فائر کے ٹیکے دونوں کے ہاتھوں میں لیا اور تھے اور انہی کی آنکھوں کے
نشانات پر اور پر پائے گئے تھے۔ پولیس کو تفتیش کے لیے کوئی سراہا نہ تھا نہ آ تھا کیونکہ جن پر شک کیا جا سکتا تھا وہ اپنے
باپ کے دل کے صفحے کی ہر دیو قاتل قانونی نقصان کے مطابق کر رہے تھے۔ پولیس معمول کے سوالات جوابات
کرنے کو ہی دونوں بھائیوں سے کچھ سوالات کیے گئے اور کئی جملے جوابات کے بعد روانہ ہو گئے۔
"تم نے اپنا کیوں کیا فیسی؟" جہاں گھر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔
"کیا سار کا؟"

"دفعی میں نے جنہیں دیکھا ہوں اس کی عمر سے کر اب تک دیکھا ہے، میں تمہاری ہر ہر حرکت کا مطلب سمجھتا ہوں
....." شمس کی زبان نہ کرتے! "فیسی کے پاس کا احترام کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، شجاع نے دل ہی دل میں خود کو
شاہی دی کہ کالہ لے فیسی کو اس کا ذمے دار سمجھا تھا، اس پر شک نہیں کیا تھا۔ جہاں گھر کی کہتا، جانتے ہوئے بھی انہماں
بن گیا اور شجاع کو نہیں بتایا کہ وہ جا تھا تھا فیسی کس کے گھم کا بندہ تھا اور کس کے اشاروں پر اس نے یہ کام کیا تھا۔
کہوں کے حالات اب اس قاتل نہیں رہے کہ وہ اپنا جا تھا، جبر ت کا وقت آ نہ چکا تھا، اب کڑی کی مری شجاع کو
ہی سمجھنا تھا جس نے اسے اسے اس حال پر چھوڑ دیا، بہتر تھا۔
"اسو نہ تو تمہیں پولیس کی تحویل میں چلے جانا چاہیے فیسی..... مگر میں اس کا فیصلہ شجاع پر چھوڑتا ہوں، ان
محامات کو وہ مجھ سے بہتر سمجھے۔" جہاں گھر نے کہا تو شجاع کو اپنا آپ امہر سوں ہوا۔
"اسے ایک موقع دے کر دیکھنا چاہیے اللہ ہی، مجھے امید ہے کہ یہ اس کا آخری جرم ہوگا!" شجاع کی یقین دہانی
پر اسے اظہار کرنا تھا اس کے پاس اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

"اماں جی کا خیال رکھنا شجاع....." دونوں بھائی ایک عرصے کے بعد ایک دوسرے سے مل گئے تھے۔
"پھر گھر ہی نہ کریں اللہ ہی....." شجاع نے کہا تو شجاع کو اپنا آپ امہر سوں ہوا۔
"آپ شہر کی کا خیال رکھیں، اسے بہت بڑا آدمی بنا ہے، اس کے اخراجات کی فکر کریں یہ سب مجھ ہی کے
لیے ہے۔"

☆ ☆ ☆
جہاں گھر کے دوسرے بیٹے کی ولادت ہوئی تو مدت کے بعد وحی میں خوشیاں آ گئیں، انہی خوشیوں کے چھ عابدہ
بیکرم نے رابعہ کے کہنے پر ایک اور خوشی کی فراخ، شمس کا اظہار کیا۔ امید تو تھی کہ وہ مانے کی شہر شاید وہ بھی اندر سے تہلیل
ہو چکا تھا، اور یہ سادہ سی قرب میں شجاع کا نکاح کلشوم سے کر دیا گیا۔ شجاع دین میں شخص سے اکڑ ہو سکتا تھا کہ اپنی
ماں سے نہیں اور نہ انہوں نے اسے اپنی بیٹی کا اسطو دیا تھا، وہ اپنے آپ کے دل کے بعد ماں کو برداشت نہ کر سکتا
میں دیکھتا تھا، اسے ماں کے پھر سے شہر گمراہ کی بیٹی بہت بڑی دیکھ دیا تھا، اسے کسی نہ کسی سے کرنا تھا۔
ایک دفعہ اسے دل میں آیا کہ وہ ایک بڑی عورت تھی مگر اسے ہی نہیں اس کا اپنا ضمیر بل اٹھا۔ "تم کیا

بچاؤ میں اس نے کھیر ڈالی، سادہ آنے کی گولیاں بنائیں اور انہیں جالی کے حوالے کر کے وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ رات کے کھانے سے پہلے اس نے مصلیٰ پچھایا اور اپنے اللہ کے حضور سجدے میں گر گئی، اپنے ان گناہوں کی معافی مانگنے لگی جو وہ کر چکی تھی اور جوہ کرنے جا رہی تھی۔

رات کے کھانے کے لیے بلاوا آ رہا تھا، سب اس وقت اکٹھے کھانا کھاتے تھے اور اس کے بعد سب کو کھیر کھانا تھی۔ وہ دسترخوان پر کھانا کھاتے ہوئے کھوٹی کھوٹی سی تھی، ماں نے پوچھا بھی کہ اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے وہ چونک گئی۔ وہ انجانے میں ان سب صورتوں کو دیکھ رہی تھی جنہیں وہ اپنے بچپن سے دیکھتی آ رہی تھی..... آخری بار..... اس کے بعد اسے یہ سب کہاں دیکھنا تھا۔ ماں اپنے ہاتھوں سے کھیر کے پیالے بھر بھر کر سب کو تھما رہی تھی، اس نے اپنا پیالہ پکڑا اور اس کے ہاتھ ہولے ہولے لرزنے لگے، اس کا دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ روک لو..... سب کو روک لو مگر اس وقت دل و دماغ کی ٹھن جگ تھی اور اس میں کون جیتنے والا تھا..... اس کا فیصلہ لمحوں میں ہونے والا تھا۔

☆☆☆

مریم اس روز پرویز کے گھر ہی نہیں بلکہ اس کی زندگی سے بھی نکل گئی تھی، یہ بھی شکر تھا کہ ان کا کوئی بچہ نہیں ہوا تھا ورنہ ایک بے قصور لڑکے کی زندگی کو سزا کے مانند جھٹکنے آ جاتا۔ پرویز کی بار بار سے ڈرانے دھمکانے آیا مگر وہ اپنے ارادوں میں اٹل رہی، ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لے کر اس نے ملازمت کی تلاش کی اور اپنی زندگی کی گاڑی کو کھینچنے لگی۔ باہر کی دنیا میں بڑے بیھڑیے اور عفریت سی مگر جو اللہ کا نام لے کر زندگی گزارتا اپنا مقصد بنا لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسانیاں پیدا کر دیتا ہے۔

اس روز کمرہ امتحان میں اس نے جس چہرے کو دیکھا اس نے اسے کھنکھاتے بھرتک مکملش میں جھٹا رکھا تھا مگر اچانک اس کے ذہن میں جھماکا ہوا..... ہاں..... وہ لڑکی ستارہ جیسی لگ رہی تھی..... بغیر سوچے سمجھے وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔

”کیا تمہارا تعلق خوشحال گھر سے ہے؟“ اسے یاد تھا کہ اس اسٹیشن کا نام یہی تھا۔

لڑکی نے جواب میں خاموشی اختیار کی تو وہ سمجھ گئی کہ وہ لڑکی اس نام کی کسی جگہ کو جانتی نہ تھی مگر اس کی مشابہت حیرت انگیز تھی۔ ”کیا میں اس سے پوچھوں کہ اس کی کوئی بہن.....؟“ اس نے دل ہی دل میں سوچا مگر پھر اپنی سوچ پر اسے ہنسی آ گئی، کبھی عجیب سی بات لگے گی جیسے کوئی کہانی ہو یا ڈراما۔ وہ خاموشی سے پلٹ کر اپنی نشست پر جا کر بیٹھ گئی۔ چند من بعد پوچھے گئے سوالات پوچھ لیے جاتے تو حالات مختلف ہوتے مگر قدرت کو معراج سے اس کی کھوٹی ہوئی بینویں کو ملنا مقصود ہی نہ تھا، نہ زندہ نہ مردہ.....

☆☆☆

پورے شہر میں اس خبر کا شہرہ تھا، اس وقت میڈیا اتنا ”باخبر“ اور طرار نہ تھا مگر پھر بھی قائم علی ایک عزت دار آدمی تھا اور اس بات سے بچتا چاہتا تھا کہ اس خبر سے اس کا تعلق کسی بھی طرح ظاہر ہو۔ چند دن قبل ہی تو معراج واپس آئی تھی اور وہ چاہ رہا تھا کہ وہ شہر میں رہے نہ خوشحال گھر میں..... کسی اور جگہ، جہاں ماضی کی یادیں نہ ہوں۔

اس گھر سے اس کا ایسا تعلق تھا کہ وہ خفیہ طریقے سے وہاں گیا، ساری لائشیں مدفین کے لیے تیار تھیں، سات پیاری پیاری صورتیں، ان کا اکھوتا بھائی اور ان کی ماں اور وہ ملازمہ..... جو باورچی خانے میں بیٹھی کھیر سے لطف اندوز ہو رہی تھی، اس کی موت نے تو اس خاندان کی موت کو معما ہی بنا دیا تھا۔ ایک دکان دار نے بتایا تھا کہ وہ چوہے مار گولیاں لینے کے لیے آئی تھی، مگر اسے ان گولیوں کو اس مقصد کے لیے استعمال کرنا تھا..... کس کو علم تھا؟

آخری لاش کے پاس پہنچ کر قائم علی ٹھک گیا تھا، چھوٹی سی بچی، محسوس سا چہرہ مگر جس چیز نے قائم علی کی توجہ کھینچی تھی وہ اس کا کفن سے باہر نکلا ہوا ہاتھ تھا۔ ہاتھ اس کے لیے نامیدی کی ایک علامت تھی وہ محسوس چہرہ..... اتنے برسوں کے بعد

”ہاں سب کچھ..... میں نے ان کے لیے سزا نہیں جیسی ہے!“
”اچھا بیٹھو ذرا سکون سے تم جاؤ زہرہ بچوں کے پاس.....“

”میں گھر چلی جاتی ہوں!“

”ہرگز نہیں.....“ کلثوم اٹھی۔ ”تم نہیں جاؤ گی، مجھے میرے سوالوں کے جواب دیے بغیر!“

”اپنے سوالوں کے جواب کے لیے تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا!“ اب زہرہ نے احماس سے کہا۔ ”تمہارا بیانی معذور ہو کر سر پر پڑا ہے اور یہی سزا ہمارے لیے کافی ہے۔“ کلثوم بھائی کا نثر پڑھی اور ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر زہرہ کے ساتھ ہوئی۔

گلے شکوے..... معافی مانگتی ہوئی اور اس کے بعد تو عیاس کے لیے آسانیاں اور خوشیاں تھیں، جس کے لیے گاؤں واپس جانے کا راستہ کھل گیا تھا۔ اس نے اپنی بہن کے سر پر پڑے ماں سے ہاتھ رکھا۔ ”میں اب جا کر تہا سے بیٹے کے گھر کا دروازہ کھولوں گا!“

☆☆☆

”آپ کو کیوں لگا کہ میرا ظرف اتنا چھوٹا ہے؟“

”مائی سے بات کی تو انہوں نے تو صاف لٹکا کر دیا تھا!“ اس نے کہا۔

”ان کا کلمہ اڑھائی بھی عجا تھا کوئی بھی مال اپنی بیٹی کو دوسرے رہتے کی حیثیت میں دیکھتا ہے نہ نہیں کرتی!“ اس نے منکر کر کہا۔

”تو پھر تم نے کس طرح اس حیثیت کو قبول کر لیا؟“ شاہد نے پیار سے پوچھا۔

”محبت.....“ وہ ہنسی۔ ”مجھے آپ سے محبت ہے اس لیے مجھے آپ کا ساتھ قبول تھا اور جس عورت نے اپنا خون سچا کر اس بیٹی کو بالا جو اس کی نظر میں آپ کی بیٹی تھی حالانکہ وہ بیٹی میری امانت تھی آپ کے پاس۔ جس طرح آپ نے اس امانت کا پاس رکھا اور اس نے پیار سے اسے پالا اسے اپنا دودھ تک پلایا۔ کیا میرے دل میں اس کے لیے کوئی خاص مقام پیدا ہونا کوئی انتہائی بات ہے؟“

”مگر مائی کو کس طرح مانتا ہے؟“

”مائی کو علم ہے کہ جب کوئی لڑکی کسی کو اپنے دل میں بسالیتی ہے تو پھر اسے پا کر ہی دم لیتی ہے!“

”مائی کو کیسے علم ہوا؟“ شاہد نے حیرت سے پوچھا۔

”مائی کسی بھی لڑکی کی..... وہ ہنسی، ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔

”تم رورہی ہو کیا؟“ اس نے اس کا چہرہ دایر اٹھایا۔

”میں کیوں رورہی گی؟“ اس نے پھر سر جھکا لیا۔

”تم اپنے لیے پریشان تو نہیں ہو؟“ شاہد نے سوال کیا۔

”ہرگز نہیں.....“ کرتا جاتے اس کے سینے میں منہ چھپا لیا۔ اس کا پیشہ ہی سیمائی تھا اور اسے ملکہ تھا کہ بہاروں کی سیمائی تو کوئی بھی کر سکتا ہے، شیشوں کی سیمائی مشکل کام ہے۔ فورٹین جو شیشوں کی طرح نازک ہیں، آئینہ جیوں کی طرح جلدنلوٹ جانے والی..... انہیں مرد تو ڈرتا ہے اور وہی جو ڈسکتے ہیں شیشوں کی سیمائی صنف نازک کے ہاتھوں بھی ہو سکتی ہے۔ وہ نازکی ہاتھوں میں کی اور ساتھ والے کمرے میں تاہیرہ دونوں بچوں کو اپنی آغوش میں لیے کمری فینڈ میں کھڑا کر دی۔ وہ دو بچوں کو باپ بل گیا تھا اور اسے بہت..... جس چہمت سے سکون ہی سکون تھا اور اس میں رستے والوں کے دل بہت بڑے تھے۔ جن میں دوسروں کے لیے عیاری بیار تھا۔ کون کہتا ہے کہ شیشوں کا سیمائی کوئی نہیں..... کسی کھارہ گھنے ہی شیشوں کو جوڑنے کا کام آتے ہیں! (ختم شد)

بات تو سمجھ کی ہے

سکینہ منسرخ

اللہ کے جو بندے اس موجودہ عہد میں پیدا ہوئے ہیں اور زندہ بھی ہیں اگر ان کو تاریخ کی سب سے بہادر قوم کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ چروں کے زمانے کا انسان تو شاید صرف بھوک، دشمن اور درندوں کے خوف کا ہی شکار ہوا ہو گا مگر اس دور کا.....
الامان..... گھر میں بیٹھو تو لائٹ جانے اور کام انصوری سے رہ جانے کا خوف تو بھی گیس بند نہ جانے کا ڈر.....
سارے دروازے کھڑکیاں لاک کر کے، تازہ ہوا اور روشنی سے محروم ہونے کے بعد بھی اچانک ڈاکوؤں کے آجانے کا خوف نہیں جاتا..... گھر سے باہر نکلے ہوؤں



کی دایمی تک الگ جان سولی پر لگی رہتی ہے۔ جہاں فون کی گھنٹی بجی یا کوئی کلکا ہوا لوگ ایسے دہل جاتے ہیں جیسے موت کے فرشتے کو دیکھ لیا ہو۔

گھر سے باہر نکلتا الگ اندیشے۔ مگر پوائنٹ برٹ جانے کے ڈر سے لے کر بے بہیم ٹریک میں چھس جانے یا کسی سمت سے آتی ہوئی تیز رفتار گاڑی یا گولی کا نشانہ بن جانے کا خوف باہر نکلنے والوں کی جان سولی پر لٹکاے رکھتا ہے۔ اس ہر وقت کے خوف نے زندگی کا مزہ ہی چین لیا۔ کوئی کرے بھی تو کیا کرے۔ اوپر سے تنہی پتلویاں جو کبھی نہ پہلے نہ دیکھیں۔ اب خالہ ہی ڈرتی نہ تو کیا کرتیں۔ ان کو جو خوف لاحق تھا وہ سب سے برا ثابت ہوا۔ اب انسان نظر آنے والی چیزوں کا تو مقابلہ بھی کر لے۔ ان اندیکسے جن سمجھ سے بچنے کا نوکھا بھی کر لے لیکن ان کم بخت جراثیموں کا کیا کیا جائے جو نظر آتے ہیں اور نہ ہی ان سے بچنا ممکن۔ کبھی بھی احتیاج کرلی جائیں ہوئی تو ہو کر رہتی ہے۔

خالہ لی کا دل پسند لی وی جھیل ہو تھا جہاں خطرناک بیماریاں کا سبب بننے والے جراثیموں کا طبع قح کرنے کی ترکیب ہر وقت تائی جاتی رہتی تھیں۔ رسی بھی کسروہ اشتہارات پوری کر دیتے جن میں فرش پر جراثیم، ہوا میں جراثیم، ہاتھوں میں جراثیم اور دانتوں میں جراثیم کی موجودگی کا اعلان کر کے ان سے بچاؤ کے ہتھیار بیچنے کے لئے استعمال کیے جاتے۔ وہ تو شر ہو کر جراثیم تو بول سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں اور خیر سے نظر بھی نہیں آتے اور نہ سن سکتے تھا کہ اس عہدی ہوا انہیں بھی لگتی اور اپنی اس کردار میں براہِ اجابہ بھی رو دیا کہ رکھے ظاہر سے شروع کر دیتے۔

مگر خالہ لی تو خالہ لی ہی تھیں انہوں نے اپنے اس خوف کا سہارا باب کرتے ہوئے ان کے خلاف جو

ہتھیار اٹھائے تو اپنے ساتھ ساتھ باقی کے گھر کو بھی اپنی سیاہ کا دیر دیتے ہوئے خود کا غر بن بیٹھیں۔ وہ شروع سے ایسی کھسی اور ان کی طبیعت کی اس نزاکت میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ ہزار گوش کے بعد خود ڈاکٹر تو نہیں مگر کرایہ عدد ڈاکٹر سے شادی کرنے میں کامیاب ضرور ہو گئیں۔ اپنے دونوں بچوں کو ڈاکٹر سے پاک ماحول میں پالنے کے بعد جب ان کے بچیاں دھوٹنے لگیں تو ہماری بد قسمتی کہ ان کی نگاہ انتخاب اپنے لی عبد ہادی کے لیے ہم پر ان کی۔ ہم جو شروع ہی سے ان کے گھر جانے سے بدکتے تھے۔ اپنی اماں سے سو سو ہانے کر کے ان کے ہاں جانا دل واپس آ کر تھے کہ وہاں پابندیاں بہت تھیں۔ اپنے جوئے گھر سے باہر اتارنے پر تے تھے۔ کسی چیز کو ہاتھ لگانے کی مطلق اجازت نہ تھی، کھانا کھانے سے پہلے ان کی عمرانی میں ہاتھ دھونا سب سے زیادہ برا لگتا تھا۔ اماں کی تو مجبوری تھی، ان کی وہ اکٹوتی بھی نہیں تھیں، وہ دیکھتے پر پھر رکھ کر اپنی آپا سے ملنے چل و پھرتی تھیں۔ ہم تو آزاد شہری تھے۔ جانے سے انکار دیا ہو جاتے۔ کبھی خالہ اپنے نوٹفلز اور ختب جگر کو لے کر ہمارے آد آئیں تو ایک مصیبت۔ موصوفہ ہاتھ باندھ نہا کر تے اور صوفے کے کونے پر جھپٹتے تو پھر وہاں بت تک کے برساتاں ہو جاتیں۔ ان کے نوٹفلز اور ختب جگر دونوں ناک بھوں پڑ جاتے دوسرے دونوں میں جا گتے ہم بچوں کے ساتھ کھیلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ان کو ہمارے ”جراثیم“ لگ جاتے تو۔۔۔

ان کے سوسڑے دیکھ کر ہم دانت کچکچا کر رہ جاتے۔ دل تو چاہتا کہ انہیں بھانے سے اٹھا کے پیچھے پٹی کیا ریلوں کے پاس لے جا کر دکھا دیں۔ مگر اماں کا خوف اس پسریت خیال پر حاوی آ جاتا۔ بڑے ہونے کے بعد تو ان لوگوں نے آنا ہی چھوڑ دیا تھا صرف

خالہ کبھی کبھار آ جاتا کرتیں۔ یا یہاں سے اماں چلی جاتیں۔ نہ جانے کس اس آنے جانے میں انہوں نے ہمیں کیا تار لیا۔ ہم نے اشاروں کنایوں میں انہیں لاکھ کھجیاں کرتے تھے زیادہ تر صفائی پسند اس روئے زمین پر اور کوئی نہیں ہوگا۔ مگر انہیں اپنے ہتھیار جو نہ جانے کون کون کی دیکھ کر یا لے کر خدا معلوم کس ادارے کے سینے پر موکھ دل رہے تھے کہ یہ لے بہتر اور کوئی نہیں لگا۔ انہیں ہماری غلامی آنکھوں یا چٹنی چڑی سے زیادہ ہمارا ڈاکٹر ہوتا ہمایا تھا۔ اور ہم اس کڑی کوکوں رہے تھے جب ڈاکٹر کی ڈگری ہمارے ہاتھ آئی تھی۔ ہماری ایک منچلی اور ہمیں انہوں نے بڑی بہو کا دیر دیتے ہوئے اپنے گھر کی زینت بنا کے پھوڑا۔ ان کے اچھا لکھا گھر کا گوشہ گوشہ ڈھیل اور دفینا کی بو سے آباد تھا۔ ہاتھ دھو کر خوشبودار پیچہ دوش یا مسانہ کی جگہ جراثیم کش بخول ہاتھ دھونے کے لیے رکھا ہوا تھا۔

مجھ ہماری اماں جان تو نماز اور قرآن پاک پڑھنے کے بعد ہم سب بھائی بھویوں پر گھر کے گوشے گوشے میں پھینچ کر مارے کہ ہم سب کو اپنی حفاظت میں دے دیا کرتی تھیں لیکن خالہ لی کی سچ گمانے گھر میں جراثیم کش اور پیرے کے آئیں۔ پھر اپنے زنگیناں یا کسی سفیناں کے کب میں بھگو بھگو کر چپے لگوا لیں۔ شام میں ملا ناغہ پھر مارا پیرے کا ہونا ضروری تھا جو اتنا زیادہ ہوتا جس سے پھر ہی تو کیا بار ڈی روح کا بھانے کا دل چاہتا۔

گھر میں پینے کے جوئے الگ باہر پینے کے الگ۔ گھر میں داخل ہونے والے پر لازماً تھا کہ وہ اپنے کتے سے سنے جوئے باہر لگے۔ ایک سبب رکھ کے ننگے پیر اندر داخل ہو اور اندر کے دھلے دھلائے اہرے شہہ جوئے پھنک لے اور بالی دروازے کے ہاتھ گے داس بین سے ہاتھ دھونا پڑ نہ بھولے۔۔۔

بات دوسمجھ کی ہے

اب اس کے بعد اسے اجازت تھی کہ وہ گھر میں رکھے اس سامان کو ہاتھ بھی لگا سکا ہے اور جہاں مرضی آ جاتا بھی سکتا ہے۔ خالو مایاں تو بے چارے سے بڑے پبلے ہی جراثیم سے آغاز یادہ پاک و صاف ہونے کا پھیران کا اس دنیا میں رہنا بہت ہماری ہو گیا اور وہ اپنی دعا آ یاد ہوئے۔ دونوں بیوت جراثیم کش مہم کا چلنا پھرتا سلو کن تھے اور اب ہماری باری تھی۔ مسئلہ اس ماحول میں رہائش پذیر ہونے کا سوچ کے ہماری روح فنا ہونے لگی۔

احمد علیہم السلام کا پی پاک و صاف بیت و مقامی ضرور تھے مگر جراثیموں کو بھی اللہ کی مخلوق ہی دلاستے ہوئے ان سے بے جا محاذ آرائی سے گریز کے فارمولے پر کاربند تھے۔ مگر خدا کو کون سمجھتا؟ شادی کے ڈیڑھ دو مہینے تک جب خالہ نے ہم پر ”جراثیم کش“ خرچے استعمال کرنے کے بعد اچھی طرح لٹین کر لیا کاب ہم جراثیم سے پاک ہو چکے ہیں تو ہمیں اس گھر کی باقاعدہ شہریت ملنی۔

☆☆☆

بچن میں داخلگی کی اجازت ملی تو ایک نیا احاطان شروع ہوا۔ جیسے اسپتال میں سب سے اہم درجہ پریشن تھیز کر کو حاصل ہوتا ہے بالکل بھی انہیں اس گھر میں چکن کا تھا۔ یہاں داخل ہونے پر سب سے پہلے ہاتھ دھونا لازمی تھا۔ اس کے بعد وہیں رکھے تو لیے سے ہاتھ خشک کر کے ایجن پینٹا پڑا اور پھر سر کے بالوں کو پانی سے دھاگنا ہوتا تھا۔۔۔ کو یا اس طرح کی تیاری ہوتی تھی۔ کوئی چرچن پریشن کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔۔۔ سرین کا تو پنا نہیں لیکن اتنی تیاریوں کے بعد ہم خوف کا جو عالم طاری ہوتا اس میں ہم اکثر کھانا بنانے کی ترکیب ہی بھول جاتے۔ ایک دفعہ چاکا کھانے کا تھے ہمیں ایک زوردار چھپک آئی۔ چھپک نہی کو یا ہم بلاست تھا۔ خالہ کے چہرے کے بچنے بکڑے زاویے

اور اس پر خوف کے کڑے سائے دکھ کر ہمیں بھی محسوس ہوا۔

الگ ہی لمبے ہم تو جتن سے باہر تھے اور بے چاری خالد جن میں وضو وضو کران جراثیم کا کل عام کرتی ہیں جو ہماری پیچیدگی کے ذریعے وہاں پھیل گئے تھے۔

نہ جانے خالد کی جراثیم دشمنی کی وجہ کیا تھا اور یہی تھی یہ تو ہم نہیں جانتے تھے۔ اور نہ ہی یہ جانتا تھا کہ خالد اپنے دشمنوں کا کس حد تک قلع قمع کرنے میں کامیاب رہی تھیں۔ البتہ میں یہ اندازہ ضرور تھا کہ۔

مغرب ہم اپنی جان سے جانے والے ہیں۔ بات اگر خالد کی حد تک ہوتی تو شاید کوئی توکل بھی آتا مگر شئی قسمت یہاں ان کے ولی عہد اس معاملے میں بالکل

ان کے ہم پل ثابت ہوئے۔ خالد نے اپنا سارا زور علم ان ہی پر صرف کر دیا تھا، سو جو کمرہ جاتی وہ بیروم میں آنے کے بعد وہ پوری کر دیا کرتے تھے، جلدی ہم خود کو ایک خطرناک مریض تصور کرنے لگے۔

خبر بات ہو رہی تھی موصوف کی..... موصوف کا سارا بچپن نہا تھو کے اپنے صاف سترے کمرے کی صاف صاف کرسی پر بیٹھے ہوئے گاڑے۔ جہاں ان کے پاس کتابوں کے علاوہ دو کوئی چیز نہیں تھی۔ سو کرسی پر بیٹھ کے ہاکی تو کھلی نہیں جا سکتی تھی اس لیے مجبور ہی تھی

کہ وہ پڑھ لکھ کر عالم فاضل بن گئے۔ قیمت تھا کہ خالد نے ان کو اسکول جانے سے نہیں روکا..... اب اسکول کو تو جراثیم شمشکول سے تھلا نا ان کے بس میں نہ تھا کہ اپنے بیٹے کو اسکول سے لانے کے بعد یہ شوق پورا کر لیا کرتی تھیں..... اس صاف سترے بچے کے لیے انہوں نے

ہمیں کیوں تنگ کیا شاید ہماری خیال یہی تھا کہ وہ اپنے بیٹے کے لیے ایک مستقل ڈاکٹر کا بندوبست کر رہی ہیں۔ اب ہم ڈاکٹر تو تھے لیکن ڈاکٹر زور جراثیم کا تو چوٹی

دان کا ساتھ ہوتا ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ ایک کاٹنے

دارمقابلہ جس میں کسی ڈاکٹر کو جراثیموں پر فتح ہوتی ہے تو کبھی جراثیم ڈاکٹر کو بچھاؤ دیتے ہیں۔ وہ بے چارے

شاہد ہم سے اس موقع میں تھے کہ ہم ان کی اماں جان کی طرح ان کا خیال دیکھیں گے اور انہیں چھٹی فرصت میں باپ کی ہوتی۔ لاکھ احتیاطوں کے باوجود کچھ نہ کچھ زہریلوں ہو جاتی تھی۔ کبھی ہم ہاتھ دھونا بھول جاتے تو کبھی سینڈل باہر چھوڑنا..... کبھی چھینک آجاتی تو کبھی کھانسی

کھاتی۔ اور ہر ایک طویل کچھ..... بہت عرصہ میں اس صورت حال سے ادب گئے۔ ایک دن ہم نے ان سے کھل کے بات کرنے کی کوشش کی۔

”دیکھیے، کیا آپ کو کھین لگا کر آپ کا طرز زندگی کچھ سمجھ سائے میرا مطلب ہے عام لوگوں سے تھوڑا بہت کہ“ ہم نے بات کا آغاز کیا۔

”کیا مطلب؟“ ان کی روشن پیشانی پر کئی بل آگئے۔ ان کی دیگر خصوصیات کے ساتھ ایک خصوصیت ”نک چڑھنا“ بھی تھی۔

”میرا مطلب ہے صفائی سحرانی بہت اچھی عادت ہے۔ انسان کو اپنا وجود اپنا کھل کھل پورا عمل صاف ستر رکھنا چاہیے۔ صفائی نصف ایمان بھی ہے اور ہماری اچھی بھرتی اور اچھے ماحول کی ضمانت بھی..... ہم نے زور خطابت کو بروئے کار لا دیا

ہوئے کہا۔ ان کے ماتھے کے بلوں میں سے آدھے غائب ہو گئے تھوڑے بہت سوالیہ لہ رہا۔

”ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ہر چیز ایک حد میں ہوتی اچھی بھی لگتی ہے اور کراہی آسان ہوتا ہے..... بحیثیت ایک ڈاکٹر میں جانتی ہوں کہ ہمارے اور دور کے شمار

جراثیم موجود ہیں جن میں سے کچھ نقصان دہ ہیں تو کچھ بے ضرر اور کچھ ہمارے لیے فائدہ مند بھی ہیں..... یہ قدرت کے کلام کا حصہ ہیں۔ ان کے ساتھ ضرورت سے زیادہ عاذ آرائی نکالے۔“ ہم نے دیکھ بیکھ میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

”تم کہنا کیا چاہتی ہو؟“ انہوں نے بالآخر منہ سے کچھ کہا۔

”ہمیں کہہ اور اپنا حال میں فرق ہوتا چاہیے۔ آپ کی کمر کو پریشان تھوڑی طرح جراثیم سے پاک کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت ہے۔“ ٹی وی پر اپنی پراؤنٹ بیچنے والوں نے عوام کو ایک اچھے خوف

میں جلا کر دیا ہے۔ اتنا کہ لوگ دوسرے سے ہاتھ ملانے سے بھی خوف زدہ ہو گئے ہیں کہ نہیں اس کے باوجود ہر ”مہلک جراثیم“ تو نہیں چپکے ہوئے ہیں۔ مناسب حد تک صفائی سترانی اور پاکیزگی بہت اچھی بات ہے لیکن حد سے گزرتے ہوئے یہ چیز بہت تکلیف

دہ ہو جاتی ہے۔ آپ سمجھو یہ ہیں نا ہماری بات؟“ ہم نے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی۔

”لیکن آج کل اچھی بیماریاں پھیل رہی ہیں..... اس کا بھی تو سبب بام ضروری ہے.....“ ان کی کمزوری آواز ابھری۔

”کیا آپ ساری زندگی بیمار نہیں پڑے؟“ ہم نے اچانک پرچہ پڑھا۔

”جائیکر..... ہاں کیوں نہیں..... بچپن میں تو بہت زیادہ بیمار پڑتا تھا۔ بڑے ہونے کے بعد کچھ بہتری آئی۔“ انہوں نے کچھ سوچ کے جواب دیا۔

”اسنے“ جراثیم شمشکول“ ماحول میں آپ کو تو بالکل بھاری نہیں پڑتا چاہتا تھا..... آپ نے کبھی سوچا کہ آپ اپنے بیمار کیوں پڑے؟“ ہم نے سوال پڑھا۔

”میں تو کبھی نہ اماں کی سمجھ میں آیا نہ میرے۔“ انہوں نے فوراً کہا۔

”ات صرف اتنی ہی ہے کہ ہر انسان کے اندر ایک خاص طبیعت نظام ہوتا ہے جو قدرت کی طرف سے ہر ایک کو سونپا رہتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔ اور یہی سوچیں قدرت تو توازن قائم رکھتی ہے نہ بھلا

بات تو سمجھ کی ہے

چھوڑ کے ٹھونڈا ہوا غافل ہو جائے۔؟ اگر بڑو تو ہوئی ہے جب سے جب ہم اس نظام میں اپنے نظائر زندگی کی وجہ سے غفل پیدا کر دیتے ہیں۔ اس نظام کو کمزور کر دیتے ہیں۔ جو واقعی خطرناک ثابت ہوتا ہے۔

صاف ستر ماحول، سادہ زندگی اور سادہ خوراک..... اس سب کا صرف یہی ہے۔ آپ خالد کو سمجھا نہیں۔ تاکہ کہ ہم ایک نارمل زندگی گزاریں۔“

صاحب بھاری خاموشی اور ماتھے پر ہلکی ہلکی لکیروں سے لگے ہاتھ کا کہہ کچھ کچھ قائل ہو رہے ہیں۔ ہم نے بھی اتنی ہی ڈونگاں بھی اور بات کو آنکھ کے لیے اٹھا رکھا۔ فتنہ قطرہ کے کسی سمندر بننا ہے ناں.....

☆☆☆

میر قطرہ قطرہ کرتے ہوئے سمندر تو نہیں بن سکا لیکن شادی کے اس ایک سال میں کم سے کم ایک مٹکا تو بھر ہی گیا۔ یہ سال کیسے چلک چھٹکے گزرا کہ پانچویں چلا۔ صاحب بھاری جلد ہی رام ہو گئے تھے مگر خالد کو رام کرنا زیادہ آسان نہیں تھا، ان کی سوچ کو بدلنے کے لیے جو بیڑا بیٹنا پڑے وہ ایک الگ کہانی ہے۔ لیکن ایک ڈاکٹر کچھ کچھ نفسیات دان بھی تو ہوتا ہے۔

ہمیں اس کا فائدہ حاصل تھا۔ رفتہ رفتہ کر کے خالد کی خوف ختم تو نہیں ہوایں قدر کم ضرور ہو گیا۔ وہ طے ملانے والوں سے ہاتھ ملانے لگیں، اکثر بازار میں چلی جاتی ہے اور بات کہہ کر آگے اچھی طرح نہایت شرمگراں کا گھر سے نکلتی ہی بڑی بات تھی۔ خالد میں تبدیلیاں گھر کے ماحول کو تبدیل کرنے کا سبب بن گئیں۔ صفائی سترانی تو اپنی جگہ تھی کہ وہ ضروری ہے لیکن جو گھر رفتہ رفتہ جراثیم شمشکول کی بدولت بے اثر رہتا تھا اب انفریڈیکٹر کی اور پھولوں کی تازہ خوشبو میں بسا رہنے لگا۔ ساری احتیاطیں اپنی جگہ درست لیکن وقتی محنت کی تو بہت ضروری ہے۔

ہماری شادی کو پہلا سال مکمل ہو گیا تو کیا اور

مداختلہ ہلاکت..... اپریل 2012ء

مداختلہ ہلاکت..... اپریل 2012ء

مداختلہ ہلاکت..... اپریل 2012ء

البیڑ

غمرہ احمد



جاتی ہوں۔

قلندر ایبڑ اور ضاحیات خان۔

میں نے ان دونوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور ایسے دیکھا ہے جیسے کسی نے نہ دیکھا ہوگا اسی لیے آج میں ایک بات کہنے کے قائل ہوئی ہوں۔ وہ بات جس کو میں ہمیشہ چھپاتی تھی کہ شک کا فائدہ ہر

”ارے یہی کہہ رہی تھی کہ جلدی چھٹی کروالیں۔۔۔۔۔“
ہسپتال میں تو تے مریض ہوئے ہیں اور بے شمار اقسام کے انجکشن بھی پیچھے ہوئے ہیں، چھوٹے بچوں پر تو فوراً انجکشن دیا جاتا ہے، یہی کہہ رہی تھی کہ آپ کچھ نئے قسم کے انجکشن بھی دیکھنے میں آرہے ہیں جن کا کوئی ریکارڈ ہی نہیں ہے، کوئی کہتا ہے کہ اس ریکارڈ پر جراثیموں پر اثر کر کے تھک جاتے ہیں، دیکھا ہے کہ اس ریکارڈ پر تھک جاتے ہیں۔۔۔۔۔“
نئی اقسام کے جراثیم سرخ سے زین پر دراز ہوئے ہیں۔۔۔۔۔“
اسے لوبھلا تاؤ۔۔۔۔۔ اب آپ کا کیا کریں جو کم جنت نیڈل سے مریض نہ ان پر کوئی ایسی بائونک اثر کرے۔“ خالد بی ہول کے بولیں۔
”خالد پریشان نہ ہوں۔۔۔۔۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دوں۔“ ہم نے انہیں دلا سادیا۔ وہ حیران ہو کے ہنس دیکھنے لگیں۔
”خالد کچھ باتیں صرف اللہ پر چھوڑنے والی ہوتی ہیں۔ یہ نئے دور کا بچہ ہے۔۔۔۔۔ نئے دور کے ہر چھٹے کا مقابلہ کرنے کی طاقت اسے اللہ ضرور دے گا۔“ ہم مسکرائے۔
خالد بی کے چہرے پر بھی ایک ایسی مسکراہٹ آگئی اور صاحب بہادر تو دیکھ کر اپنے ولی عہد کی طرف رہے تھے جس کے چہرے پر ایک معصوم مسکراہٹ کے ساتھ امید کی چمک بھی تھی۔ ہرگز تاخیر نہ ہر دن اور ہر سال کا آغاز ایک نئی امید کی نوید تو دیتے ہی ہیں اور ہر نئی چھٹی بھی اس چیز کی گواہ ہوتی ہے کہ خدا انہی ایسے بندوں سے مایوس نہیں ہوا۔۔۔۔۔ اور ساتھ یہ بھی کہ جس ہستی نے تو نہ تاکہ ماں کے پیٹ میں اس وجود کی حفاظت کی ہے جہاں تک رسائی کے لیے خود ماں بھی بے بس ہوئی ہے۔ دنیا میں لانے کے بعد بھی اس کا فتنے ای کا ہے۔ کہ سب کچھ اسی کی مرضی کے تابع ہے، بات تو صرف کچھ کی ہے۔

سالگرہ نمبر ایڈیٹری سے تین دن قبل ہمارے مئے میاں دنیا میں تشریف لے آئے۔ خالد کی تو خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔ خوش تو مئے میاں کے پاپا اور چچا چچی بہت تھے۔ چاچو کی تو بیٹی بیٹی بھر سے نکلی ہوئی تھی کہ مئے سب ان کے سپرے کے پھول بھی کھلنے کو تھے، بس مئے میاں کا انتظار تھا کہ وہ بھی دنیا میں آجائیں اور چاچو کی شادی میں شریک ہو لیں۔
”چلو بھی ہسپتال سے جلدی چھٹی کروادو۔۔۔۔۔“ مگر چلو۔۔۔۔۔ یہاں تو نہ جانے کیسے کیسے لوگ آتے ہیں اور بچے کو ہاتھ لگاتے ہیں۔۔۔۔۔ نہیں جراثیم لگ گئے اور بیمار پڑ گیا تو۔۔۔۔۔“ خالد دوسرے ہی دن لوگوں کے آنے جانے سے بیزار ہو کے بولیں اور ہمارے گرد خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ یہ ٹھیک تھا کہ خالد کافی بدل چکی تھیں مگر پھر بھی اگر پرانا مسئلہ عود کر آیا تو بھلا ہم کیا کر لیں گے اور اب تو ان کے پاس مضبوط جواز بھی ہوگا۔ وہ مئے کو ”جراثیموں“ سے بچانے کی ہر ممکن کوشش پھر سے شروع کر دیں۔؟
”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں ماما ویسے بھی ہماری شادی کی سالگرہ ہے صبا کا گھر پر ہونا تو بہت ضروری ہے۔“ میاں صاحب نے شوق نظر سے ہماری جانب دیکھا۔
”ہاں اسی لیے تو کہہ رہی ہوں تم سے واسطہ بھلے کر دو اور مگر چلو۔“ وہ فوراً بولیں۔
”ہوسکتا ہے کل تک چھٹی ہو جائے۔“ واسطے نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
”نہیں کئی عمل نہیں۔ آج ہی۔۔۔۔۔ خدا معلوم یہاں کون کون سے سنت سے جراثیم موجود ہوں گے۔ تم نے سنا بھی کل اسی ہسپتال کی مریضی کہہ رہی تھی۔“ وہ پریشان کن لہجہ میں بولیں۔
”کیا کہہ رہی تھی۔؟“ واسطہ بھی پریشان ہو گئے۔

ایک کوئٹہ دینا چاہیے۔ ہر شے کی ایک حد ہوتی ہے اور جب وہ حد پار کر لی جائے تو اس اشل السائنٹ کو کلک کا فائدہ نہیں دینا چاہیے۔ اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کیا کرتے اور جو یہ کرتے ہیں وہ اپنے ساتھ بہت غلط کرتے ہیں۔ ہماری یہ کہانی قریباً سال جہر پہلے سے شروع ہوئی تھی جب میں اپنے ماسٹر کے پہلے روز سائیکا لومی کی کلاس لینے کی تھی۔

☆☆☆

میں نے زندگی میں کسی ایسا تجربہ نہ کیا جو سائیکس نہیں دیکھا تھا جو اس روز کلاس میں بچھا تھا۔ گریڈیں سحر زدہ ی اسٹڈی کی طرف ابھی ہوئی تھیں جو ہمارے سائیکا لومی کے پروفیسر تھے۔ پروفیسر..... جو وہ کہیں سے نہیں گئے تھے میں بھی اس سحر ہوئی اکثریت کے ساتھ تھی اور ان سب کی طرح میں بھی کچھ نہیں کھ پاری تھی۔ کوئٹہ لینے کا ہوتی ہے خدا۔ وہ تھی ایسے شخص کہ جن کے سامنے کچھ نہ ہوتی تھی۔

وہ روز ہم بڑے خطرے، اپنے سنجیدہ انداز میں لکچر دے رہے تھے۔ نیچے نقوش، خوب صورت آٹکھیں، صاف رنگت، جمل سے پیچھے بے پای، جیتی اور نہیں اٹلی کرے توچیں میں دیوس، وہ بلا کے پیڈرسم تھے۔ صرف وہ جاہت نہیں ایک اور شخص بھی ان کے اندر تھی جو مقامی کاوندہ منہ گردا دیتی تھی۔ وہ کشش کیا تھی، میں اسے کوئی نام نہ دے سکی۔ بس کوئی حقیقی اسٹڈی اسٹڈی جو ان کے گرد پھلا تھا اور اس مقناطیسیت سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہتا تھا۔ کلاس ختم ہوئی تو سب کے لمحوں پر ایک ہی نام تھا۔ رضا حیات خان۔

اس روز مجھے پہلی دفعہ پروفیسر رضا کا نام معلوم ہوا تھا۔ وہ بیک تھے، اساتذہ تھے اور ان کی جس مزا پر بہت ذہن رست تھی۔ ان کے بچپن میں کوئی بور نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ ان کی شخصیت کا فوٹو تھا اور کچھ

کمال گفتار، وہ اپنے موضوع پر مکمل عبور رکھتے تھے اور وہ بھی لا جواب نہیں ہوتے تھے۔ ان سے پوچھتے جاتے والے ہر سوال کا جواب سائل کو ہمیشہ بر وقت ملتا تھا۔ مگر میں وہ زیادہ نہ تھے۔ اہم فل کے ہونے بھی انہیں زیادہ غور نہیں کرتا تھا اور پندرہ سب سے وہ پانچ برس سے شکست تھے۔ ہم تو ان کے پستار بن ہی گئے۔ ہمارے سینئرز کا تو اور برا حال تھا۔ پورے ڈیپارٹمنٹ میں اگر کسی کا چچا تھا تو وہ مر رضا تھے۔

ان سے میرا باقاعدہ تعارف ان کی دوسری کلاس میں ہوا جب انہوں نے تمام طلباء سے اپنا نام بتانے کی درخواست کی۔ جب میری باری آئی تو میں قدرے جھجک کر کھڑی ہوئی۔ ”نرمیرا نام علیہ داؤد“ ہے۔“

انہوں نے جوا بھیجے بکلی نرم میرا سر اٹھ دیا۔ میں دھڑکنے والے ساتھ وہاں نشست پر بیٹھی۔ ان کی وہ مسکراہٹ میری متاع جاں بن گئی۔ وہ میرے لیے مسکرائے، میرا نام کن کر سکرے..... مجھے لگتا تھا میں بھی اس لمحے سے نکل نہیں سکوں گی۔ مگر میرا دل..... ابھی اور بہت سے لمحے آتے تھے۔

☆☆☆

اس روز باہر زردوں کی بارش ہو رہی تھی اور اندر ہماری کلاس جاری تھی۔ آج وہ سائیکا لومی سے ہٹ کر بات کرنے کے موڈ میں تھے اور ہم سب کو لوگ بند آنکھوں ان کی پیروی کیا کرتے تھے۔

”کون بتائے گا کہ انسان کی شناخت کن چیزوں سے ہوتی ہے؟“ وہ چہرہ قدرے جھکا کر مایک میں لوٹے تو بہت سے ہاتھ فضا میں بلند ہوئے۔

”انسان کی شناخت اس کے نام سے ہوتی ہے۔“

”اس کے ملک سے۔“

”قبیلے یا ذات سے۔“

”زعم و رواج سے۔“

”زبان سے۔“

”اس کے کردار کی شخصیات سے۔“

”کسی اچھے یا بُرے کا نام سے۔“

وہ مسکرا کر ایک ایک کی سنتے گئے۔ دفعاً میں نے اپنا کندہ سا ہاتھ بلند کیا جانے اتنے لوگوں میں

اٹھ میرا ہاتھ کہاں سے نظر آ گیا۔

”جی علیہ داؤد..... آپ تائیں، انسان کی

ماہاری شناخت کس شے سے ہوتی ہے؟“ بہت سی

گرڈیں میری جانب کھیں، میں نے مشکل شکوک

اللاب کے سامنے اپنا سر لیے ہمیشہ میں رہتا تھا

مگر پروفیسر رضا کی بہت افزا مسکراہٹ میرے اندر

لیج بھونک گئی۔

”د..... دینے سے۔“ میں جھکا کر بولی تو ان کے

پرسے پر چمک سی گئی۔

”فائنلی علیہ نے وہ بات کہی ہے جس سے

کا میں خنجر تھا۔ ہم شناخت کے معاملے میں دین کو

ایسے اسب کر سکتے ہیں؟ دراصل یہ سوشل سائنسز کا

ایسا اہم سوال ہے کہ ہم انسانی شناخت کی بات

کرتے ہیں تو دین کو کیوں بھلا دیتے ہیں؟“ وہ اپنے

لہجوں پر کشش انداز میں ہاتھ ہلا کر کہہ رہے تھے اور

میں اس کی ایک فقرے پر ہی ٹھہر گئی۔

”فائنلی علیہ نے وہ بات کہی ہے جس کے سننے

کا میں خنجر تھا۔“ باہر کرنی بارش کے قطرے میرے

دل کو جھونکے گئے تھے۔ مجھے لگ رہا تھا میں ابھی رو

اٹ گئی۔

میں وہ جی جیسے جہیم تو کیا دو لوگوں میں بھی

کڑی ہوں تو کوئی نظر اٹھ کر نہ دیکھے۔ پھر سے پ

ہل پہل بڑھائی والی چادر اوڑھے، میں بے حد

مجموعی شکل کی لڑکی تھی۔ اگر کوئی میری موجودگی کو نوٹ کرتا تھا تو شاید میری..... بیسیا کے باعث جس کے سہارے میں چلتی تھی۔ ایک حادثے میں کی برس گئی میری دائیں ناک منقطع ہو گئی تھی اور اب میرا واحد سہارا میری بیسیا تھی۔ ایک مکمل معذور لڑکی کو کسی نے لمحے بھر کو ترنگی کا ہوں سے نوازا تھا، میں خود کو دلوں میں تیرتا محسوس کرنے کی تھی۔

شام کو جب میں اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تو خود سے باتیں کرنے لگی۔ ہر شخص خود کا دیکھتا ہے۔ جو کہتا ہے کہ وہ خود کا دیکھتا نہیں کرتا، وہ جھوٹ بولتا ہے، تمہاری میں۔ میں نے بھی اپنی ایک دنیا بنا لی تھی، جہاں میں معذور اور مکمل شکل نہ تھی۔ جہاں میری جنگ اور تہ لڑکی نہیں ہوتی تھی اور جہاں مجھے کوئی احساس کمتری نہیں ہوتا تھا۔ وہاں اس دنیا میں علیہ داؤد نہیں تھی۔ میں اپنا دنیا دہی۔ یہ نام ہی خود کو کہتا تھا۔ یہاں دنیا مجھے بہت پسند تھا۔ اپنا نام بدلنے کا اختیار نہ تھا مجھے اگر ہوتا تو میں علیہ داؤد کے ساتھ میرا وجود بھی لگا ہوں کے سامنے کھم جاتا تھا اور خود کو بھی اپنا نام دیتی۔

اپنا بہت خوب صورت تھی، بے حاشا امیر اور شاہی خاندان کی اکلونی اولاد۔ باپ کے اربوں کے پرسوں کی اکلونی جاسٹین اور یونورس کے ہراسٹوٹ کے دل کی دھڑکن دینے کا جب۔ وہ جب چلتی تھی تو لوگ گم زدہ سے ٹھہر کر آتے دیکھتے تھے۔ اس کے حسن، ذہانت اور دولت کے قصے ہر جگہ پھیلے تھے۔ وہ راجہ حسانی کی ٹھہرادی کی اور اس جیسا کوئی نہ تھا۔ اماں کی آواز آئی تو میں ہنسی بھری سانس سے خود کو کھینچ کر آئی۔ اماں کی آواز پر ہمیں اکثر میرے ارد گرد حیرت سے ”اینا پاور“ کے ستر گئے جیلے میں بیٹھ کر اسے بچاؤ دیا کرتی تھی۔

”جی اماں!“ میں نے جن کے کلمے روزانہ سے

سے بھانٹا۔ وہ ہینک کے سامنے کڑی برتن دھو رہی تھیں۔ آواز پریشان۔

”تمہارے ماموں آئے تھے آج پھر کرایے کا تقاضا کر رہے تھے۔ کچھ نہیں آتا کہ کیا کروں۔“ ان کے چہرے پر بیانیہ رقمحلی۔

ہم جس گھر میں رہتے تھے اس کا کرایہ ہفتادگی سے ماموں کو آد کر دیتے تھے کہ تانا کی ملکیت تھا اور ان کے بعد اب ماموں اس کے مالک تھے۔ اماں کی بیوی کے آغاز کے چند برسوں میں جب میں بہت چھٹی تھی ماموں نے ارزاؤں بھری دھری میں اس گھر میں مفت رہنے دیا تھا۔ (تب وہ خود بھی ادھر ہی مقیم تھے۔ ایف سکس والے نے گھر میں شٹ ہوئے تو انہیں پانچ، چھ، برس ہی ہوئے تھے) بعد ازاں وہ ہم سے کرایہ وصول کرنے لگا اور اب وہ ان چند سالوں کی مفت رہائش کا کرایہ بھی سکرانج الوقت کے پانے پر طلب کر رہے تھے۔ ابو کی چھوڑی دو دوکانوں کے کرایے سے ہمارے گھر کا خرچ، دوکان کا ادوار، میری تعلیم کے اخراجات، یہ مشکل پورے ہوتے تھے۔ اب یہ اضافی خرچ کہاں سے لاتے؟

کوئی اور دن ہوتا تو میں اماں کو کولی دیتی مگر آج میں خود بھی خاموشی ہو گئی۔ شاید میں ذہنی طور پر اماں کے پاس جاکن میں ہی نہیں بلکہ ایک نئی تک کلاس روم میں تھی۔ جہاں بارش کے تراؤں کے قطرے بند کھڑکیوں کے شیشوں پر لہک رہے تھے۔ اماں کافی دیر اپنے مسائل کا رد و ثبوت رہیں مگر جب میں خاموشی سے غلام گھوٹی رہی تو وہ ٹھٹھکت خود رہی اپنے کاسوں کی جانب پلٹ گئیں۔

ایک روز میں کلاس کے بعد لائبریری میں بیٹھی پڑھ رہی تھی جب تھمے کڑے سے ہینک ریک کے پیچے سے دمدمی آواز سنائی دی۔ وہیں لائبریری طور میں ان کی جانب متوجہ ہوئی۔ وہ کسی اور کی نہیں بلکہ

پروفیسر رضا کی بیوی آج تھی۔

”آپ روئیں مت، آپ پریشان ہو جائے گا، میں کہہ رہی ہوں کہ وہ بوجا ہے گا۔“ میں نے گڑن ڈرا سی ترجمانی کی۔ وہ ہینک ریک کے عقب میں کھڑے ہاتھ اٹھا کر کولی کولی دے رہے تھے۔

”سرا پریشان نہیں ہو سکے گا، ڈاکٹر نے آج کی آخری تاریخ دی تھی۔ میری مہینہ مر جائے گی، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔“ وہ دمدمی آواز میں یلٹا دوڑیں تھا۔ میرا کلاس فیلو، میں نے سنا تھا اس کی بہن کی کوئی وحید ہی سر جڑی ہوئی ہے، کبھی وقت ہی نہیں ملا کہ مزید تفصیل پوچھتی۔ ویسے بھی میں ان شریف لڑکیوں میں سے تھی جو بچوں کو سے نکال نہیں دوا کرتی تھیں۔

”اچھا دم نہ بھرا کیا ہے اس کا؟“ وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اپنے اڑنی نرم انداز میں پوچھنے لگے۔ ”ذورین نے دم نہ بھرتا یا اور سر بھٹکا ہے، آج کا کناہہ اٹھکی کی ٹوک سے بچ گیا۔ میں نے دیکھا، پروفیسر کے چہرے پر سوچ کی گہری پڑ چھائی تھی، میں دھیرے سے گھر چھٹ کر پڑھنے کی گراں کتاب کی طرف ذہن کہاں متوجہ ہونا تھا۔

یہ مشکل تین دن گزرے تھے کہ مجھے ذورین کیسپس میں ایک جگہ پڑھیں پڑھنا چھڑا آیا۔ ساتھ اس کے دو تین دوست بھی تھے۔ اور وہ کسی بات پر ہاتھ پر ہاتھ مار کر فیس رہے تھے۔ مجھے ذرا اچھٹیا ہوا مگر خیر۔ میں سر جھکائے، بیٹھا مٹی سے خود کو گھسی ان کے قریب سے گزر رہی تھی جب ذورین کے دوست کی آواز میری سماعت سے گزرائی۔

”بہت مبارک ہو ذوری، میں گھر پر آئی کہ مبارک باد دے بھی آؤں گا۔“

”ہاں یارا میں جتا نہیں سکتا کہ کتنا خوشکام ہوں۔“ ذورین کے چہرے پر بچی بچی کھری کھری۔

”اے ہاں، کچھ بتا چکا کہ آپ پریشان کیے ہیں۔“

اس کی تھی؟

”نہیں..... مگر وہ جو بھی تھا، فرشتہ تھا میرے لیے، اللہ اسے اجر دے۔“ اور ان سے دور جاتے ہوئے میرے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

”آمین۔“ ذورین جیسے نہ جانتا ہو مگر میں جانتی تھی کہ وہ کون تھے۔

☆☆☆☆

کچھ دن ملتے موسم کا اثر تھا اور کچھ میری نازک طبیعت مجھے اپنے نزلے کا دم نہ تھیرا کہ میں تین روز تک بیٹھوسنی نہ چاکی۔ چوتھے روز جب کلاس میں گئی تو وہی زکام کی باقیات باقی تھیں۔ کچھ کے احتیاط پہ جب میں کلاس سے نکلی تو رضا حیات خان کا ریڈور میں جیسے کسی کے انتظار میں کھڑے تھے۔ ایک لمحے کو مجھے اس پر رشک آیا جس کے انتظار میں وہ تھے۔ ان لوگوں کے انتظار نے اس نا معلوم شخص کو کتنا متبرک کر دیا تھا۔

”علیہ داؤد..... کدھر تھیں آپ؟ میں آپ کا ان انتظار کر رہا تھا۔“ میں ان کے قریب سے گزرنے کی تو وہ سکر کر میری طرف بڑھے۔ میں ٹھٹھک کر رک گئی۔ وہ میرا انتظار کر رہے تھے؟

”جی..... جی پروفیسر؟“ میں سانس روکے اٹھ کر دیکھنے لگی۔ وہ میرے بالکل سامنے آ کرے۔ ان کے شاندار وجود سے کسی چینی پر نیوم کی سمجھ کر تک اٹھ رہی تھی۔

”تین دن کدھر غائب رہیں؟ میں تو پریشان ہو گیا تھا۔“

”میں ذرا..... وہ ٹکڑو ہو گیا تھا۔“

”اوو..... اپنا خیال رکھا کہ اسٹوڈنٹ کو پیار کی پڑتا چاہیے اور اتنے براحت اسٹوڈنٹ کو تو ہرگز نہ.....“ وہ مسکرا کر دھیرے دھیرے مجھے ہینک پر پلٹ گئے۔

میں طویل داؤد اپنے رستے جلیے میں متحیر فضا

پاکیزہ سالگرہ مبارک

حیرے یام ولادت پر میری مسکان بکھی ہے تجھے ایک بہت سی اور بھی خوشیاں مبارک ہوں حیرے سوچ جانی پو گھاسکوب، ”پاکیزہ“

میں پرستی ہوں کہ میرا تجھ کی گد گدا ہے حیرے اندر کھتے تجھے محفوظ کرتے ہیں تیری غزلیں حیرے غنے میرے سادے کے احساسات کو بھیر کر تے حیرے اقوال افسانے میں پرستی ہوں تو پھر خود کو تنی، فیاضی پائی ہوں

ادارت سے تیرا عشق کتن جوا رہتا ہے میری جانب سے کدو حیرے کا گلاب چلے کو شام کے بلو قاف کا سعادت مند ہے لمحہ شہل سے مبارک ہو

شاعرہ سیدہ ہاشا، بہارن آباد، پنجاب

میں حیرے کی.....

ذورین کہتا تھا کہ وہ فرشتہ ہے، مجھے لگا تھا وہ کوئی یونانی دیوتا ہے جو آسمانوں سے اترا ہے مگر شاید وہ اس سب سے بڑھ کر کچھ اور تھے۔ وہ سارے ان کے ایک اشارے سے پہلے کھاتی رسیاں ساپ بن جایا کرتی تھیں اور مجھے حیران کرتے تھے؟

ان دنوں مجھے لگا تھا کہ دنیا میرے جلیے کے آس پاس نہیں چلی ہوگی ہے، سب تن ہو چکا ہے اور

سالگرہ نمبر اگرچہ باقی ہے تو میرا انتظار ہر روز
رضا حیات خان کی کلاں کا انتظار۔
انہیں ایک نظر دیکھئے ان کی ایک مسکراہٹ حاصل
کرنے کا انتظار اور پھر کلاں کے اختتام کے بعد اگلے
روز کلاں کا انتظار شروع۔ کبھی وہ مجھے دیکھتے، کبھی
مسکراہٹیں دیتے اور کبھی وہ اپنے اور درگاہ کے چمکنے میں
اتنے مصروف ہوتے کہ انہیں میں دیکھنا نہ ہوتی۔ وہ
دن میرے لیے بہت اذیت ناک ہوتا تھا۔ جب ان
کی نگاہ میری جانب نہ تھی اس دن مجھے کبھی اچھا
نہیں لگتا۔ میں عجیب بیزاریت کی لپٹ میں رہتی۔

وہ دیکر کہ ایک سردن تھا جب میں اہل کے ساتھ کسی کام سے شاہین کیسٹ تک آئی۔ دکانوں کے سامنے سڑک پر خاصا رش تھا اور ہر جہیز جہیزوں پر مجھے ویسے خوف آتا تھا۔ میں اپنی بیگمائی کے سہارے خود کو کھینچتی فٹ پاتھ پر چلتی جا رہی تھی جب مجھے سڑک کے دوسری جانب ایک منظر دکھائی دیا۔

ایک جھلک، ایک گمان..... میں چلی چکی۔ وہ بلاشرمہ ضاحیات ہی تھے۔ اپنے بچے مخصوص طبع سے بھٹ کر وہ ہنسنے اور رینٹ میں ملیں بڑے کنارے کھڑے تھے۔ ان کے ساتھ ایک بوڑھا شخص بھی تھا جو انھوں پر سہاؤ چشمہ لگائے سفید اسٹیک چکڑے، کچھ بولتا ہوا ساتھ ہی ہاتھ کے اشارے سے رضا کو کچھ سمجھا رہا تھا۔ رضا اثبات میں سر ہلاتے اسے بخوریں رہے تھے پھر وہ اس عمر سیدہ شخص کا ہاتھ قلم کرا کے آئے اور تقابلاً سے دو طرفہ بستی فریٹک کے درمیان سے گزرتے اسے سڑک پار کرنے لگے۔ چند ہی لمحوں بعد وہ دونوں سڑک کے اس طرف پہنچ گئے۔ بوڑھے کو سڑی سے کچھ سمجھا کر اب وہ چائے کی اجازت مانگ رہے تھے۔ وہ عمر سیدہ کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لٹکائیں دھا پینے لگا۔ رضا بہت ممنون، بہت مہربانہ سے واپس اپنے ہمراہی کو بھونکنے اس وقت

(14) ماحولیات کی روشنی میں

تیک ان کا تعاقب کیا جب تک کہ وہ واپس اپنی کار
میں نہ بیٹھ گئے پھر میں مسکرا کر ہو لے سے سر جھٹک کر
آگے بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆
 "شک کا فائدہ ہر ایک کو دینا چاہیے۔ میں اس بات سے متفق نہیں ہوں۔ کیا آپ ہیں؟" کلاس میں سکوت چھا یا تھا اور وہ اپنے آخری حریز انداز میں بچھو رہے تھے۔ ہر ذی نفس خاموش، ساکن، بیقرار، کسی کو ان سے اختلاف نہیں تھا سوائے میرے۔
 "میں ہوں۔" میں نے اپنا کردار نبھاتھا۔
 "بلند کیا۔" وہ ڈورا جو کچھ شاید حیران ہو کر تھے۔
 "علیہ السلام؟" وہ جیسے یاد کر کے بولے۔
 "ہاں یہ سب سے زیادہ امنون نے اس بات سے کہوں متفق ہیں، بلکہ میں نہیں جانتی؟"

یہ بالذات اُن کی تھی، جس بہت اہم اور قیمتی حال
تھی اور یہ بات جب سنا تو اسے معلوم نہیں وہ کیوں
مجھے اتنی اہمیت دیتے تھے۔ باجبروری دیکھتا ہے جو وہ
دیکھنا چاہتا ہے۔ مجھے کچھ نہیں دینی وہی دیکھی ہوں۔
”مگر عیر خیال ہے کہ ہر شخص کو شک کا فائدہ دے
جانا چاہیے اگر آپ نے کچھ انھوں سے دیکھا یا نہیں
دیکھا تو بھی بجا ہے کسی کو فوٹو اور دائرہ شہرہ آنے کے
سے شک کا فائدہ دے کر بری الذمہ قرار دے دیا
جائے۔“

”آپ کو کیا لگتا ہے، علیہ کر آپ کا یہ آگرموند کن جگہوں پر اپلائی ہوتا ہے؟“ ہال میں خاموش پھائی تھی اور وہ ڈاکس پہ کھیناں رکھے پوری سنجیدگی سے میری جانب متوجہ تھے۔ اوہ خدا یا، وہ کتنے بلند تھے۔

ہر اس جگہ پہ جہاں کسی انسان پر ہمیں کسی گناہ کا
 شک ہوتا ہے۔“

”صرف انسان؟“ وہ ہولے سے مسکرائے۔ میں نے گڑبڑائی۔
”آف کورس، ہم انسانوں کی ہی تو بات کر رہے ہیں۔“

”مگر آپ نے گناہ کا ذکر کیا تو گناہ ایک اور
 انسان سے بھی سرزد ہوتے ہیں۔“ میں الجھ کر انہیں
 دیکھنے لگی۔ جاوڑا، درندے، پودے، حشرات الارض
 میرے ذہن کے پردے پر ایک ایک کر کے کئی
 آتے گئے۔

”جنت!“ میری خاموشی پر انہوں نے کہا تو
 اے ہال میں ایک عجیب سنسنی سی دوڑ گئی۔
 ”جنت؟“ میں ہولے سے بڑبڑائی۔

”جی ہاں، جنات..... اور یہ جو یکسو پیچھے رہیں
 کو گمراہ بنانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، میں یہاں
 کو کوئی بار اسطورہ نہیں خانے لگا۔“ ان کے
 کے تاثرات جیسے ہی سخت ہوئے آخری نشستوار
 بیٹھے سارے لڑکے تیر کی طرح سیدھے ہوئے
 (دیر کی جانب متوجہ ہوئے۔ ان کی آنکھوں میں
 کی جگہ مزہ تاثر نے لی۔

”تو حلیمہ داؤد اگر گناہ کی بات ہے تو کیوں نہ
ات کا ذکر کیا جائے؟“ وہ میری آنکھوں میں دیکھ کر
رہے تھے اور مجھے لگا میں نے اختلاف میں غلط
الٹے لی ہے۔

ہزاروں برس پہلے ایک جن ہوا کرتا تھا، اور
ان، جنات کا باپ۔ اس کا نام عزراہیل تھا۔ وہ
ان کا سردار تھا۔ محرم کا جہنم تھا۔ اس سے زیادہ
لوگوں اور پارسا کو کشتی تھا۔ وہ سب سے برا عبادت
اور تھا پھر کیا ہو؟ آپ بتائے علیہ داؤد پھر کیا ہو
ان عزراہیل کو آج آپ اٹھیں گے نام سے یا
(اچھا؟)

پہری اتھیلیاں پسینے سے بجیگ لگیں۔

ابليس

”اس نے آدم کو مجھ سے انکار کیا تھا..... یا یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اس نے اللہ کا حکم ماننے سے انکار کیا تھا نہیں؟“
 ”جی..... جی۔“

”اس نے کیوں کیا وہ سب؟ کیوں وہ انسان سے حسد کا شکار ہوا؟ کیا اس کے تکبر بھرے انکار کی کوئی وجہ ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔“

ہال میں سناٹا چھایا تھا۔ سب دم سا دم انہیں کر رہے تھے۔

”ابلیس نے جو بھی کیا وہ میں علی ایسا اور وہ آج
بھی بہت سے انسانوں کو ایسے جیسا ”ابلیس“ صرف
اس لیے بنانا چاہتا ہے کہ اللہ انسان سے محبت نہ
کرے۔ آپ نے بھی سوچا کہ ملک کا قائدہ اللہ نے
ابلیس کو کیوں نہیں دیا۔ باوجود اس کے کہ اللہ سے بڑھ
کر مہربان کوئی نہیں ہے؟“

وہ مجھے دیکھ کر استفسار کر رہے تھے اور میں ہلکا جھپکے سانس روکے کہ جس میں دیکھ رہی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا میری آواز کبھی نہیں نکل پائے گی۔

”وہ اس لیے ڈھیر سناؤ نہیں کہ ہر شے کی اپنے
 مدد ہوتی ہے جب وہ پار کر دیا جائے تو پھر اس شخص
 کو رعایت نہیں دی جا سکتی۔ بعض اصول ایسے ہوتے
 ہیں جن پر سمجھوتا ناممکن ہوتا ہے۔ سوانحی زندگی میں
 ایسے اصول بنائیں کہ اگر کوئی انہیں توڑے تو آپ
 اس شخص کو کوئی رعایت نہ دیں۔ عزائم ہر کوئی بن
 سکتا ہے مگر جو عزائم سے انہیں بنے وہ بند کی
 جگہ سے ہمیشہ کے لیے نکال دیا جاتا ہے۔ اس کی
 کبھی واپسی نہیں ہوتی۔“

میں ملائیں اور ایک دم پر اہل تالیوں سے گونجنے لگا۔
 ”اوہ کم آن اسٹوڈنٹس!“ وہ جھینپ کر فیکلٹی پر
 رکھی کتاب کی طرف متوجہ ہو گئے۔

کارڈور میں اسٹوڈنٹس آجاء رہے تھے۔ میں اپنی بیساکھی سے خود کو گھسیٹتی آہستہ آہستہ اس آخری دروازے کی جانب بڑھنے لگی جس پر رضاحیات خاں کے نام کی تختی لگی تھی۔

دروازہ نیم وا تھا۔ میں نے دودھ کھنکھٹایا پھر وہ... نہ پا کر ڈراسا دھکیلا تو وہ کھٹکا چلا گیا۔

ان کی کرسی خالی تھی۔ البتہ ایک خالی کونے میں وہ جانماز بچھائے نماز پڑھ رہے تھے۔ جس بل میں نے دروازہ کھولا وہ اسی بل جہدے میں گئے۔ میرا دل احترام سے بھر گیا۔

ان کے سلام پھیرنے تک میں چوکھٹ میں کھڑی رہی۔ وہ فارغ ہوئے تو سر اٹھایا۔ چہرے حیرت آگئی۔

”میری اتنی برائٹ اسٹوڈنٹ اتنے تکلف... ابھی تک دروازے پر کھڑی ہے، اس بات کا مجھے افسوس ہے۔ آئیں، بیٹھیں نا۔“ وہ تاسف و ندامت سے جانماز نہ کرتے اٹھ کھڑے ہوئے اور میرے لیے کرسی کھینچی۔

”سوری پروفیسر!“ میں لب کاٹتی دروازہ بند کر کے کرسی تک آئی۔ وہ اب گھوم کر میز کے پیچھے جا کر اپنی ریوالونگ چیئر پر بیٹھ رہے تھے۔ ان کا کوٹ کمرے کی پشت پر لٹکا تھا اور وہ شرٹ کی آستینیں کھینوں تک موڑے، ٹائی کی ٹاٹ ڈھیلی کیے بہت بے تکلف اور ریلیکڈ لگ رہے تھے۔

”لائیں کتاب دکھائیں، کون سا ناپک سمجھا نا؟ آپ نے؟“ وہ میرے ہاتھ سے کتاب لے کر مٹے پلٹنے لگے۔ صبح کلاس کے بعد جب میں نے انہیں بتایا کہ مجھے ایک موضوع کے سمجھنے میں دشواری انہوں نے فوراً مجھے ایک بچے اپنے آفس میں لے کر کہا تھا۔

”تو اس میں کیا سمجھ نہیں آیا آپ کو؟“

ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے ایک بہت پرانے پروفیسر، سر عثمان راؤ ان دنوں ریٹائر ہوئے تھے۔ ان کے اعزاز میں ایک شاندار سی فیئر ویل پارٹی کا انعقاد کیا گیا تھا۔ جس پر تمام ٹیکسٹی میبر ان اپنے ازدواج کے ساتھ مدعو تھے۔ اس شام میں نے پہلی دفعہ پروفیسر رضا کی بیوی کو دیکھا۔

اس کا نام علینا تھا۔ وہ دروازہ اور بھورے گھنگرائے بالوں والی بے تحاشا حسین لڑکی تھی۔ جیسے موم کی گڑیا۔ رضا بلیک ڈنرموٹ میں ملبوس تھے اور وہ ان کے ساتھ سیاہ اسٹاکش لباس میں پورے اعتماد کے ساتھ کھڑی بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ کوئی اتنا حسن بھی ہو سکتا ہے؟ پانچ برس کا پیارا سا بیٹا ماں کی انگلی تھامے کھڑا تھا۔ وہ تینوں ایک ساتھ اتنے مکمل لگ رہے تھے کہ میں پوری تقریب انہیں نہ گئی۔ مجھے ان کی بیوی اچھی لگی تھی، وہ انہی کی طرح بے حد منہاس اور شائستہ تھی البتہ میرا ان سے تعارف نہ ہو سکا کہ یہ وہ موقع تھا جب رضا کے ارد گرد لگے جگھٹے کے پیچھے میں چھپ جایا کرتی تھی۔

وہ تینوں ایک تصویر کھینچوانے کے لیے ساتھ ساتھ کھڑے ہوئے اور کیمرا پکڑے ذورین کے کہنے پر مسکرائے فلیش کی روشنی میں ان کی کاملیت اور بھی دکھنے لگی۔ کھٹاکٹ بہت سے اسٹوڈنٹس ان کی تصاویر لینے لگے اور وہ ریڈ کارپٹ پہ فوٹو شوٹ کروانے والے انار سلیمیر میز کے مانند ہر طرف کیمروں اور فلیش کی چکاچوند روشنیوں سے گھر گئے۔ اپنے موبائل سے بہت دور سے ایک تصویر میں نے بھی لی تھی۔

اس رات میں اس تصویر کو دیکھ کر بہت دیر تک روتی رہی تھی۔ کیا مجھے بتانے کی ضرورت ہے کہ کیوں؟

سوچنا چاہتی تھی سوائے اس کے کہ میں بہت پرستل ہو رہی ہوں۔

”اؤںہوں..... لو میرج! پور کے لذو“ ان کا وجہہ چہرہ حزن واداسی سے چڑھا۔ میرادل کٹنے لگا۔

”میں آپ کے لیے کچھ کر سکتی ہوں؟“

”پتا نہیں حلیمہ..... میں اپنے لیے خود کچھ نہیں کر سکتا تو تم کیا کرو گی..... بعض دفعہ زندگی ایک مقام پر ٹھہر جاتی ہے، کچھ نہیں آتا کہ کس طرف کو نکلیں۔

آگے یا پیچھے، ایسے میں اگر کوئی دل کا بوجھ ہٹا کر دے تو اچھا لگتا ہے۔ تم سے بات کر کے بھی اچھا لگا۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔“ پھر وہ میرے ساتھ ہلکی پستکی دوسری باتیں کرنے لگے۔

وہ ساتیس میری زندگی کی سب سے قیمتی متاع بن گئیں۔ ان کے آفس سے نکلتے وقت میرے ارد گرد میرا ست رنگا بلبلی تن چکا تھا۔ میں اسی میں مقید فضا میں تیرتی رہی تھی۔ میں جانتی آنکھوں سے دن کی روشنی میں پہلی بار ایسا یاد رہی تھی۔

اس روز میں نے پہلی دفعہ ایک گھنٹہ بنایا تھا۔ البتہ یہ بات میں اس وقت نہیں جانتی تھی۔

☆☆☆

گھر پہنچی تو اماں رو رہی تھیں۔ ماموں آج بہت سی باتیں بنا کر گئے تھے۔ ان کی مطلوبہ رقم کا انتظام نہیں ہو سکا تھا۔ اور وہ اب مجھے اور اماں کو سامان سمیت مکان سے باہر پھینکنے کی دھمکی دے کر گئے تھے۔

”خون سفید ہو گیا ہے کرامت بھائی کا۔“ اماں کو ماں جانے کی بے بسی رلا رہی تھی۔ میرادل بھی دکھ میں گھرتا گیا۔ عجیب مایوسی کا عالم تھا۔ پریشانی کے باعث رات میں اماں کی حالت بگڑتی گئی تھی۔ بخار نے ایسا آن گھیرا کہ ٹی کے دورے بڑھنے لگے۔

رات کے تیسرے پہر وہ بہ مشکل دوا سے کچھ

سہارا ملا وہ اس پر سرسری نگاہ دوڑاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

”سر یہاں سے آگے.....“ میں آگے ہو کر انگلی ہٹانے لگی۔ یہ مشکل دس منٹ لگے انہیں مجھے جانے میں، اور ساری باتیں میری سمجھ میں آ گئیں۔

”اب بتائیں چائے لیں گی یا کافی؟“ کتاب

دہکے انہوں نے ایک طرف دکھ دی۔

”دونوں نہیں۔“

”پھر جوس تولیں گی ہی۔“ وہ اٹھے اور ساڈر پر کیٹی ٹرے سے ایک کین اٹھا کر کھولا اور ایک شیشے کے گلاس میں اڈایا۔

”تھینک یو..... آپ کی وائف بہت اچھی ہیں واپس۔“ میں نے اور جوس کا ایک گھونٹ بھر کر اس میز پر رکھا۔

”جانے بھی دو حلیمہ واؤڈ۔“ انہوں نے ایک اس مسکراہٹ کے ساتھ سر جھٹکا۔ میں ٹل رہ گئی۔

”کیوں پرو فیسر..... کیا ہوا؟“

”اچھی مسلمان لڑکی وہ ہوتی ہے جو سر ڈھانپے،

لب پہنے۔ اب آپ ہیں، مجھے آپ بالکل اپنی چھوٹی

کی طرح لگتی ہیں۔ اور سر ڈھکے تو آپ بہت اچھی

لگی ہیں۔ مگر میری بیوی.....“ ایک تلخ مسکراہٹ ان کے چہرے پر بکھری تھی۔ ”میری بیوی میری نہیں

ہے۔“ ان کا مجھے اپنی چھوٹی بہن کہنا مجھے معتبر کر گیا

اور ان کی بیوی کا رویہ دھمی۔

”وہ ایسے کیوں کرتی ہیں؟“

”غور..... اپنی ذات کا زعم، کچھ اپنے باپ کی

حالت کا تکبر، ایک عام سے پرو فیسر سے اتنے بڑے

باپ کی بیٹی شادی کرے گی تو وہ برابری پر تو کبھی نہیں

کہتی۔“

”ارنج میرج تھی؟“ میں اس وقت سب کچھ

استاد کی قدر و عظمت

فاجح عالم سکندر راجیک سرچانچہ استاد ارسطو کے ساتھ کتنے جگہ سے گزر رہا تھا۔ راستے میں ایک بہت بڑا برساتی ٹالا لگا گیا۔ ٹالا بارش کی وجہ سے طغیانی پر آیا ہوا تھا۔ استاد اور شاگرد میں بحث ہونے لگی کہ خطرات کا ٹالا چلنے والا پارکے گا۔ سکندر بعد تھا کہ پلے دھانے جانے کا ٹالا آخر ارسطو نے اس کی بات مان لی۔ پلے سکندر نے ٹالا پار کیا پھر ارسطو نے ٹالا عبور کر کے سکندر سے پوچھا۔ ”کیا تم نے پلے ٹالا پار کر کے میری بے عزتی نہیں کی؟“ سکندر نے افس سے جواب دیا۔ ”نہیں استاد، کمزور میں نے اپنا فوج ادا کیا ہے۔ ارسطو نے گاؤں بڑا اور سکندر تیار ہو سکتے ہیں لیکن سکندر راجیک ہی ارسطو کا نہیں کر سکتا۔“

مدرسہ رفعت سینئر ماسٹر راجی

مجھے ان کی نگاہوں سے احوال کرنے کے لیے کسی کھجور کی ضرورت نہیں تھی۔ قلعہ پور سے جہم پر بھاری تھی۔ مگر میں فیصلہ نہ کر سکی کہ قلعہ پور لگتی ہے یا بری لیکن یہ طے تھا کہ وہ میری جگہ سے لگتی تھی۔

☆☆☆

کلاس کے دوران وہ نہ بچکر نوٹ کرتی اور کچے سوال زیادہ کرتی۔ بچکر کا زیادہ تر وقت رضا اس کے ہر سوال کا پورے عمل سے جواب دینے میں گزار دیتے۔ وہ انہیں زچ کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ سب سے نہ جانے دیتی۔ اس کے بعض سوالوں میں کوئی سلیس نہ ہوتا تھا۔

☆☆☆

”بندر کی دم کیوں ہوتی ہے سر جان؟“ میں حیرانی سے سوچتی کہ اس بے گنے سوال کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔

”کیونکہ بندر کو درخت سے لگتا ہوتا ہے۔ سو وہ اپنی دم کو شاخوں پر رول کر لے سکتا ہے۔“ رضا بہت

ادھر اونٹوں تو پھر کبھی جڑ نہیں سکتا۔

☆☆☆

”قلعہ ابراہیم، ہائیں خیر۔“ مگر کلاس کو یہ تو عالم کہ قلعہ کا مطلب کیا ہوتا ہے؟“ پوری کلاس میں ٹانا چھایا تھا اور بہت سی نکاتیں رنگ و حسد سے احیائات کی غائب کو پکڑ رہی تھیں۔

وہ لیٹ ایڈیشن تھی۔ دوسرے آنے والے مگر ہا جانے والوں میں سے کسی کا منہ ہی لڑکی، بے حد گری کی ملائم جلد اور لالچی آنکھوں کی مالک۔ اس کے دل پر کربک کرتے تھے۔ سیدے، سلی سیاہ ابل اور وہ ہلکے آنکھیں سمیت کر دانیں شائے پر آگے کو ڈال دیتی تھیں۔ اس کا لباس بھی بہت جدید ترش خراش کا، دوسرے بے باک سا تھا۔ آستین، غائب، کھلا کھلا اور کروں سے لپٹا ہوا۔ وہ بہت خوب صورت تھی۔ ایک کسی کی اداہ کھلے پھول کے مانند تھے چھونے

”قلعہ یعنی ڈائنڈ“ وہ اپنی نازک، لمبی گزوں سے اٹھانے بولی تو رضا حیات دھیرے سے

”ڈائنڈ۔ جو ڈائنڈ صرف ہوتا ہے؟“

”اور اگر ایک دفعہ اونٹوں تو پھر کبھی نہیں جڑتا۔“

”آپ نے اتالیٹ ایڈیشن کیوں لیا؟“ ”جواباً قلعہ نے نزاکت سے شائے اچکانے۔“

”مڈ نہیں بنا بس۔“

”چلیں، اچھا ہے کہ اب موڈ بن گیا تو کلاس! قلعہ ابراہیم سے۔ ہماری مستقبل کی برائیت۔“

”میری طرح چوکی مگر رضاحیات میری طرف اشارہ کرتے تھے۔ وہ قلعہ کی جانب متوجہ تھے۔ آج

آئی تھی۔ مجھے اپنے بھاری کند سے بلکے ہوئے ہوئے تھے۔

اس صبح ہم نے بہت سی باتیں کیں۔ بچپن اسکول کے زمانے کی، اپنی اپنی تعلیم کی، گھر دوستوں کی، مجھے وہی اپنی طرح اکیسے اور اعداد زمانے کے ڈسے گئے تھے۔ میں بہت آہستہ ان بہت قریب آ گئی۔

اور پھر اس صبح وہ یونورٹی نہیں آئے۔ شام میں ماموں نے اماں کو شکر ہے کا فون کیا کہ ان کو کھانا بھیجے بندے نے پیسے ادا کر دیے تھے۔ اماں نے جہم ان کو ٹیبلٹ لیتے مجھے ضرور کہا۔

”کس نے ادا کیے پیسے؟“

”ایک دوست نے مدد کی ہے۔ میں اسے دوں گی۔“

”مگر۔۔۔۔۔“

”آپ آسمان کیں، میز کیوں کتنی ہیں؟“ جب ہو گئی مگر اگلے روز جب میں نے رضا سے واہی کی بات کی تو وہ ”ارے چھوڑو“ کہہ کر بات گئے۔ میں نے اسرار کیا تو وہ دھرمندہ ہونے لگے۔

”اگر اب تم نے بیویوں کو کوئی بات کی تو

سبھوں کا کہ علیہ داؤد میری سب سے برا

استوڈنٹ نہیں ہے۔“ اور پھر میں نے بیویوں کی بات نہیں کی مگر۔۔۔۔۔ مگر واہی۔۔۔۔۔ دیکھیں میں واقعی بیویوں کو کوئی بات نہیں کی تھی پھر بھی۔۔۔۔۔ کیوں۔۔۔۔۔ کیوں چند روز بعد مجھے علم ہوا کہ میں سب سے برا اسٹوڈنٹ نہیں ہوں؟ یا شاید

رہی؟

کیوں نہیں رہی اور کب سے نہیں رہی؟

ہاں، تب سے جب قلعہ ابراہیم زندہ کیوں میں آ گئی۔ قلعہ۔۔۔۔۔ وہ میرا جو ڈائنڈ نہیں صرف

سنبھلیں تو میں باہر برآمدے میں آجی۔ میرا دم گھٹ رہا تھا۔ برساتی دور پریشانی ہر مسئلے کے آخر میں اگر مجھے کوئی ایک شخص نظر آتا جو میری مدد کر سکتا تو وہ رضاحیات تھے۔ کیسے اور کیوں، میں نہیں جانتی تھی۔ صبح کے چار بجے بالآخر دل کے ہاتھوں ہار کر میں نے موٹاں اٹھایا اور رضا کا نمبر ملایا جو انہوں نے مجھے آفس میں دیا تھا۔ دوسری کھنٹی فون ریسو کر گیا۔

”علیہ داؤد نے اتنی جلدی مجھے کیسے یاد کر لیا؟“ وہ اتنا شاش بیاش تھے کہ میں نے بھر کانا مسئلہ بھی لیا۔

”آپ جاگے ہوئے تھے؟“

”ہاں، ابھی تھوڑا بڑھ کر فارغ ہوا تھا۔ تم بتاؤ کیسی ہو؟“ ”جوا میں نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تو دل بھرا آیا۔ گھار اندھ گیا۔“

”علیہ۔ تم رورہی ہو؟“ وہ فکر مند ہو گئے تھے۔ میں آنسوؤں اور سکیوں میں سب کتنی چلی گئی۔ آخر میں وہ دھیرے سے فٹے۔

”اتنی سی بات؟“ اور میں سمجھا کر ہاتھیں کیا ہو گیا ہے۔

”یہ اتنی سی بات نہیں ہے۔“

”ہے۔۔۔۔۔ بالکل ہے۔ اور یہ مسئلہ صبح تک حل ہو جائے گا۔“ ”پیسے کو کھر رچے ہیں تمہارے ماموں؟“ ”بے خیالی میں، میں نے ماموں کا ایڈریس اور نمبر دے دیا۔ پتا نہیں وہ ان کو کیسے سمجھائیں گے۔“ ”میں صبح تک میں سب ٹھیک کر لوں گا۔ اچھا

بتاؤ تم نے رات سے کچھ کھایا یا نہیں؟“

”نہیں۔“

”پھر میں ہولڈ کرتا ہوں، جاؤ جگن میں اور کچھ پلٹ میں لے کر آؤ پھر باتیں کرتے ہیں۔“ ”اچھا۔“ میں نے فون رکھا اور سگراتے ہوئے

”اچھا میرے ہاتھ چھوڑو لوگ دیکھ رہے ہیں۔“ آؤ دیکھ کر بات کرتے ہیں۔“ میں آگے چل دی اور غلطی نازک مزاج، شہانہ کی لڑکی سر جھکا کر دیکھنے لگی۔

اس بہرے کو توڑنے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ اسے ٹوٹا ہوا تھا اس کی روح، دل اور احساسات، سب ٹوٹ بھوٹ کا شکار تھے۔ وہ سوچ

میں تھی جو کلاس میں لگتی تھی۔ وہ رضا کو بچ کرنے کے لیے سوال نہیں کرتی تھی۔ وہ وقت ضائع کرنے کے لیے بحثیں نہیں کرتی تھی۔ وہ تو صرف توجہ کے حامل تھی۔ اسے رضا کی توجہ چاہیے تھی۔ اسے صرف ان کی اپنے لیے کھلی گئی چند بات چیت چاہیے تھی۔ وہ اپنا دوسرا روپ میں علانیہ واؤڈ کا پرتو بھی مریہ بات میں نہ تانتا تھی۔

اس کے والدین آسٹریلیا میں تھے۔ وہ پڑھنے
لے پاکستان آنے لگی تھی۔ پڑھنے کے لیے عموں لوگ
استان سے آسٹریلیا جاتے ہیں مگر قزو کا ہر کام اس
کا تھا۔ وہ والدین سے دور رہنے کے لیے ادھر اپنی
مکملہ کے پاس رہنے آئی تھی۔ پڑھانی کا تو برس بہانا
تھا۔ اس کے پیش کی آپس میں کسی نہیں بنی تھی اور نہ
کا امکان تھا۔ وہ ان کی روز بروز کی بیک و بیک
(۱۹) صبح بزم گنگوادی اور پھر ادھر ارسل تھا۔ اس کا

راہو، اس کے عشق میں پاکی..... مگر فتنہ کو اس
 لڑت کی حد تک گفت نمی۔ وہ سارا وقت ارسل
 اور بھانجے کی کوشش کرتی عمراس کی آتش عشق
 لپکتی۔ شادی پر اصرار لے کر مودبی پے ساتھ
 نکلا۔ ارسل ہر بات پر اس کی منت کرتا اور وہ
 فی رشتی۔ اب تو اس کا کھر جانے کا دل نہیں
 تھا۔ مودبی کی طالبی اور من جانی توجہ سے

MAN

مگر پھر.....

”ہندروں کا درختوں پر لٹکانا کیوں ضروری ہے، وہ ایسے ہی کیوں نہیں رہ سکتے؟“

”اُف.....“ میں دل ہی دل میں کڑھنے لگی تھی۔ قلمرو سے سب ہی اب کوٹ کھانے لگے تھے۔

اس کے سوال وقت کا زیاں تھے اور کچھ نہیں، یہ بات سب پر عیاں تھی پھر مجری رضا سے جواب ضرور دیتے۔ اب ٹھیک سے یاد نہیں کہ اس روز میں رضا کے آفس کس کام سے لگی تھی شاید کوئی اسائنمنٹ جمع کرانا تھا۔ دروازہ بند تھا دیکھ کر میں نے دھکیلا تو سامنے کا منظر عیاں ہوا۔ فلوہ، رضا کے مقابل کرسی پر بہت بیزاری بیٹھی تھی۔ کہنی ہنجر پر لگا کر ہتھی ٹھوڑی تلے جھانے، وہ بلند آواز سے کسی بات پر بحث کر رہی

کی۔ اہٹ پر اس نے اردن موڑ کر مجھے دیکھا اور پھر لب بھنج لے۔
 ”آئیے حلیمہ!“ رضا نرمی سے مسکراتے ہوئے

مڑے ہوئے۔ میں چلوے چلوے قدم اٹھا کر
قلزہ کی کرسی تک آئی۔ اس کے ساتھ ایک خالی کرسی
رکھی تھی۔ رضانا اس خالی کرسی کی جانب اشارہ کیا۔
”نہیں۔“ قلزہ ایک دم کھڑی ہوئی، ایک
نیکی نگاہ مجھ پر ڈالی اور اکھڑے اکھڑے لہجے میں
بولی۔

”آپ مصروف ہیں تو میں اپنا سوال پھر کیلئے کر لوں گی۔“

سے چند ایک ”رہنے دیں، جاری ہوں میں۔“ ایک کڑی نگاہ مجھ پر ڈال کر اس نے میز پر رکھا پرس اٹھایا اور ملک ملک کرتے ہوئے کمرے سے نکلی جہاں سے مجھے

158 ماہنامہ پاکیزہ — اپریل 2012ء

”محبت کے پیالے اپنی مرضی سے مت
بھر قلزم۔ تم کسی کے دل کا حال کیا جانو۔“

”پر وہ تمہیں مجھ سے زیادہ محبت دیتے ہیں،
زیادہ عزت دیتے ہیں، تمہیں چھوٹی بہن بولتے ہیں
اور میں تو کبھی نہیں ہوں۔“

”کہن یوئیں، بچی بولیں یا اسٹوڈنٹ..... ہم
دونوں کا رشتہ برابر ہے۔“ میں اسے سمجھانے لگی مگر وہ
ضدی لڑکی کہاں سمجھتی تھی۔

”ہا ہے علیمہ۔ میری امی میرے ابو سے
جب بہت لڑتی تھی تو انہیں کہتیں کسب مرد ایک
جیسے ہوتے ہیں اور جب میں سوچتی شادی ایسا ہے
مگر اب رضا سے مل کر مجھے لگتا ہے کسب مرد ایک
سے نہیں ہوتے۔ کچھ مرد رضا جیسے بھی ہوتے ہیں۔
محبت کو احترام اور عزت دینے والے، انہیں ہچکا کر
رکھنے والے، مضبوط کردار کے سچے مرد۔“

”بالکل!“ میرے لبوں پر ایک معصوم
مسکراہٹ نکھر گئی۔ رضا ہی تھے۔ لہجہ بھی ہچکا کر
بات کرنے والے۔ عموماً جب وہ میرے ساتھ مخاطب
ہوتے تو وہ مجھے دیکھ کر ہی نہیں رہے ہوتے تھے۔

”لیکن پتا نہیں کیوں علیمہ..... میں اس کی بیوی
سے بہت جلیس ہوتی ہوں۔ پتا نہیں کیوں۔“ فون
رکھنے سے قبل اس نے کہا تو میں بے اختیار چرچی گئی۔

☆☆☆

”بہت دن بعد رضا کا فون آیا تو میں بہت خوش
ہوئی۔“

”ہمیں کیسے یاد کر لیا، پروفیسر؟“
”کرتو لیا۔“ وہ دھیرے سے منے۔

”کس میں کیسے کیوں؟“
”اچھے ہیں، تم ساؤ۔ اچھے کشیشن میں حصہ
لے رہی ہو؟“

”میں کہاں اچھا بول سکتی ہوں، پروفیسر؟“
”کوشش تو کرتی ہو۔“

”جانے دیں بلکہ قلزم کا نام دے دیں نا۔
اچھا بول لیتی ہے۔“

”یہ تم دونوں کی دوستی کیسے ہوئی؟“ وہ
حیران ہوئے۔

”بس ہوئی..... آپ کو برا لگا؟“
”نہیں..... قلزم نے ٹھیک لکھ چکا ہے۔ اسے تو
ویا کر مگر..... وہ جیسے مجھے بھڑکائیے۔“

”تصور کیا
اعتیاد کا ناقہ۔ بہت ٹینڈنسی ہے۔“ انہوں
قلزم اور حوا چھوڑ دیا میں چونکی۔

”کس چیز کی ٹینڈنسی؟“
”بس یوئی.....“

”تباہی.....؟“
”بس یہی جھوٹ بولنے کی.....“

”باتیں گھڑنے کی۔“
”نیکلی!“ میں شاکزدہ رہ گئی۔ ”آپ کو کس
پتا؟“

”مجھے پتا ہے، اس نے مجھے اپنے کزن
بارے میں بتایا تو.....“

”ارسل؟“
”ہاں ارسل۔“ وہ دھیرے سے منے۔

”کیوں؟ ارسل کی اس طرح پسند
کرتا جیسے وہ دھوئی کرتی ہے؟“

”علیمہ! دادو، تم بہت سیدھی ہو۔“ انہوں
گہری سانس لی۔ ”تم نے اس کی ارسل والی بات
یقین کر لیا؟“

”کیوں نہ کرتی؟“
”علیمہ..... ارسل کوئی نہیں ہے، قلزم
خالہ زاد لڑکے ہیں۔ اس کی خالہ تو میری
ہے۔“

”کیا.....؟“ میں ششدر رہ گئی۔

”اس کے اندر باتیں گھڑنے کی بہت گنجائش
ہے، ذرا احتیاط کرنا۔ وہ جس توجہ لینے کے لیے ایسا
کرتی ہے۔“

”اچھا۔“ میں نے فون بند کیا اور سوچ میں
ادب لگی۔ چند لمحوں بعد ہی فون دوبارہ بجایا۔ میں
ہائی۔ قلزم کا ٹک۔

”ہاں قلزم؟“ میں نے فون کان سے لگایا۔
”تمہارا نمبر بڑی تھا، میں نے رضا کو لڑائی کیا۔“

”اے کانبر بھی بڑی تھا۔ تم لوگ آپس میں بات کر رہے
تھے کیا؟“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے قلزم؟“ باوجود اس
کی شدت پسندی کے مجھے اس کی گھر پر تھی۔ اگر اس
نے ارسل کو کھڑا تھا تو اپنا یاد کو میں نے کھڑا تھا۔ اگر

”ارسل کی تو میں بھی اتنی ہی چھوٹی تھی۔“
”فرق یہ پڑتا ہے کہ مجھے کال کرنے کے لیے
اس کے پاس وقت نہیں ہے مگر تمہارے لیے وقت کل
ہوتا ہے۔“ وہ حسد کا شکار نہیں تھی، اسے صرف احساس
ہوا تھا۔

”انہوں نے صرف تقریری مقابلے کا پوچھنے
لیے فون کیا۔“

”دیکھا..... دیکھا.....“ وہ اندازے کی درستی
والی اور کھٹاک سے فون رکھ دیا۔

”چند ساتتیس گزریں تو پھر اس کی کال آئی۔“
”علیمہ.....“ وہ روروی تھی۔ ”میں پائل ہونے
لاہور میں۔“

”خود کو سنبھالو قلزم..... وہ تمہارے منہ پر ہیں،
اے لے لے تکتا کر سکتے ہیں؟“

”بس ایک نظر..... ہر دن میں ایک نظر کی تڑپ
ہوتی ہے۔“ وہ اپنے آپ میں جھجھکی، اس کی تڑپ
ادھنی۔

سالگرہ کی بہار

بہار آئی گلاب مینے

ہماری آنکھوں کے خواب مینے

میں کیوں کو کچھ کچھ

میں کیوں کو کچھ کچھ

چنگ کے دیوار ہوئی ہے

فلوں کے شانے پر لگا کر

میں بھی سرشار ہو گئی ہے

وہ جو ملے بسے تمام ملے

وہ ساتتیس و تمام جھپے

جو وقت کی دھول میں اٹ گئے تھے

خود اپنے اندر سے نکلے تھے

وہ لے لے کھڑاں ہی اٹھے ہیں

ہماری آنکھوں میں جھگٹے ہیں

اے کاش! دل کی دیوال نہیں پر

میں کیوں کی چھوڑ رہے

ہر کسی پر کھانا کھانا

دو ہندوئی تیرا پیر رہے

تو دیکھنا کچھ کچھ کچھ

ہماری آنکھوں کے منہ سے

چراغوں کو لے نہیں گئے

کہ چاند تارے ہم کہیں گے

داؤں کے غنچے ہیں کل نہیں گئے

کہ پھول بھی مسکرا سکتی

قہاؤں کو کچھ کچھ کچھ

شاعرہ: فاطمہ نجیب، کراچی

تیل کا دریا پار کر کے اسرائیل کی اولاد ایک بستی پر سے گزری تھی تو ان ناخلف لوگوں نے بستی والوں کے جموٹے معبودوں کی عبادت دیکھ کر موسیٰ سے کہا تھا کہ ہمیں بھی ایک ایسا الہ (معبود) بنادو۔ میں نے بھی یہی کیا تھا جب رضا حیات کو دیکھا تو دل نے خواہش کی کہ میں بھی اس پر نچھاور ہو سکوں۔۔۔۔۔ پھر جب موسیٰ کو وہ طور سے نہ لوٹے اور بنی اسرائیل پہ مدت لمبی ہو گئی تو انہوں نے کہا کہ موسیٰ کا الہ اس سے گم ہو چکا ہے۔ مجھ پر بھی مدت لمبی ہو گئی تھی۔ میں نے بھی اشعوری طور پر یہ سمجھا تھا کہ میری مدد کرنے والا میرا الہ مجھ سے کھو گیا ہے اور پھر میں نے پھڑا بتالیا، جیسے بنی اسرائیل نے بنایا۔ ایک سونے کا چمکتا، دمکتا، بے حد خوب صورت پھڑا۔

مجھے اس کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا، میں نہیں جانتی مگر میرا حساب شروع ہو چکا تھا، کوئی میرے اندر بار بار مجھ سے پوچھتا رہا تھا کہ کہاں ہے تمہارا وہ مددگار مجازی خدا؟ پکارو رضا حیات کو۔ وہ آئے اور تمہیں اس اذیت سے نکالے جس میں قلزہ کے اعتراف نے تمہیں دھکیل دیا ہے۔

میں اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی مگر وہ چہرے جو ہر مصیبت کی گھڑی میں میرا مشکل کشا بن کر سامنے آتا تھا۔ آج مجھ سے گم ہو چکا تھا۔ میرا عزرا زیل، ایلئیس بن گیا تھا۔

☆☆☆

”میرا قصور نہیں تھا۔۔۔۔۔ انہوں نے مجھے مجبور کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا یہ تعلق مذہب اور معاشرے کی پابندیوں سے ماورا ہے۔“ وہ درخت سے ٹپک لگائے آنسوؤں سے ہیکے چہرے کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ انہوں نے مجھے مطمئن کیا اور میں مطمئن ہو گئی۔ تم جانتی ہو وہ لفظوں کے ساحر ہیں۔ ان کو اذکار

کرنے کی ہمت مجھ میں نہیں تھی۔“

میں ویران نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ قلزہ کا چہرہ بیماری کی حد تک زور پڑ چکا تھا۔ آنکھوں تلے حلقے اور گالوں میں گڑھے پڑ گئے تھے۔ وہ اتنی کمزور اور اجڑی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر پہلی نظر میں بتایا جاسکتا تھا کہ وہ زندہ لاش بن چکی ہے۔

”علیہ میں انہیں کہتی ہوں کہ وہ مجھ سے شادی کر لیں مگر وہ نہیں کرتے۔ وہ ہر دفعہ شادی کی بات نال دیتے ہیں۔ وہ بات ادھر ادھر گھما دیتے ہیں۔ کیا وہ مجھ سے شادی کر لیں گے؟“

”شاید نہیں۔۔۔۔۔ ایک پرفیکٹ فیملی کے ہوتے ہوئے وہ کیوں یہ رسک لیں گے جبکہ انہیں بغیر شادی کے بھی سب مل رہا ہے۔“

”علیہ!“ اس نے تڑپ کر مجھے دیکھا۔ ”جب سے میری رپورٹس آئی ہیں میں ان سے نہیں ملی۔ بس فون پر ہی زور دیتی ہوں شادی پر۔“

”اور اب تم ان سے ملو گی بھی نہیں۔۔۔۔۔ سنا تم نے؟“ میرے سختی سے کہنے پر اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔

چند روز گزرے اور اس نے اپنی خالہ کا گھر چھوڑ دیا۔ وہ میرے گھر آکر رہنے لگی۔ اماں کو اعتراض ہوا مگر میں نے انہیں منالیا کہ شوہر نے طلاق دے دی ہے، وہ بے چاری کدھر جائے؟ اور جب اماں کو میری زبانی علم ہوا کہ ماموں کو کرائے کی رقم دینے والی قلزہ ہی تھی تو ان کے سارے اعتراض اور شکوک و شبہات دور ہو گئے۔

میرا امیراٹوٹ چکا تھا اور میں پُر امید نہیں تھی کہ وہ دوبارہ بھی جڑ بھی پائے گا یا نہیں۔

زور چہرہ اور نڈھال وجود لیے وہ یا تو بستر پر پڑی غلاؤں میں گھورتی رہتی یا پھر بے آواز آنسوؤں سے روتی رہتی۔ زندگی قلزہ کے لیے ختم ہو چکی تھی

کرتے تھے۔ وہ ان کی آواز سننے کو تڑپ مٹی تھی۔ مریض بھی مگر وہ بہت معروف تھے۔ آج کل وہ ایک مائیکرین کروا کے آنے والی لڑکی روا قاسم کے ساتھ دیکھے جاتے تھے مگر اسے نیک، شریف اور پارسیا ویسے کے ساتھ ظاہر ہے روا قاسم صرف اس لیے دیکھی جاتی تھی کیونکہ وہ اسے آنے والے ڈی بیٹ ٹیچن کی تیاری کروا رہے تھے اور اسی لیے اکثر بچہ روا ان کے آفس میں ہوتی تو دروازہ اندر سے لاکھڑا تھا۔

”میں جانتی ہوں وہ لڑکیوں کو اپنے آفس میں گھیر کر کیا کرتے ہیں۔“ قزہ درو سے رو پڑتی تھی۔ ”میں سب جانتی ہوں مگر میری بات پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔“ وہ یونانی لڑکی رتنی اور میں خالی خالی نظر دلوں سے اسے دیکھے جاتی۔ دنیا صرف اس کی نہیں لڑکی۔

☆☆☆

”مرہم نے سنا ہے کہ آپ قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ پلیز ہمیں بھی سنائیے۔“ روا قاسم ہمیشہ کی طرح چپک رہی تھی اور رضا جو کتاب کھول کر پچھر شروع کرنے ہی والے تھے دروازہ سنبھپ گئے۔

”اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔“

”پلیز سر۔۔۔“

”پلیز ویسے سنا دیں نا۔“

”مرہم پلیز۔۔۔“

بہت ساری منت ہماری گونجیں اور لڑکیوں نے دوپٹوں سے سر ڈھکا شروع کر دیا تو وہ گہری سانس لے کر ٹانگ کے قریب ہوئے۔

میں ٹانگ پیچھے، دیوان لگا ہوں سے ان کا ہنسنے چہرہ دیکھ رہی تھی۔ کوئی طالع، کوئی شرمندگی، کوئی احساس گناہ۔ کیا کچھ بھی تھا اور وہ دراز سا

تکھار کر تپ رہے تھے۔

ان کی خوب صورت آواز کا پھر پورے ماحول پر چھانے لگا۔ بہت سی لڑکیوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ ہر شخص اس سال میں بندھ گیا تھا سوائے میرے۔ میں بہت فورے ان کا چہرہ کو بوجھ رہی تھی۔ لیکن کوئی احساس گناہ رقم تھا یا نہیں؟ کیا کیا واقعی انسان کے اعمال اس کی پیشانی پر نہیں لکھے جاتے؟

وہ اتنے ہی پرسکون، نیک اور پارسیا لگ رہے تھے جتنا پہلے لگتے تھے۔ یہی تو فرق ہے عمر اور بوجھ میں۔ عمر صرف آنکھوں کا دھوکا ہوتا ہے اور میری آنکھیں اب دھوکے کی عادی ہو چکی تھیں۔

☆☆☆

قزہ والچہ کرچہ راچہ رو دیکھ رہی تھی۔ ”اگر وہ میری منتوں تلوں کے باوجود مجھ سے شادی پر راضی نہیں ہوتے تو اس طرح کیسے ہوں گے؟“

”تم کو کوشش تو کرو۔ تم خود ہی تو کہا کرتی تھیں

کہ کبھی جا کر تم ان کی بیوی کو سب کچھ بتا دو گی۔“

”میں تو قسمے میں کبھی تھی۔ بھلا ان کی بیوی میرا

یقین کیوں کریں گی؟“ وہ میری تجویز پر حیران تھی۔

ان کی بیوی تمہارا یقین کیوں نہیں کرے گی؟ یہ

ٹک بھی رضانے ڈالا ہے تمہارے ذہن میں۔ تم پر

اعتماد ہو کر ان سے بات کرو۔ وہ اس دھمکی پر ضرور

ڈریں گے۔“ اسے شش درج میں جھلا دیکھ کر میں اسے

سمجھانے لگی۔ بہت دیر بعد اسے میری بات سمجھ

میں آئی۔

”تمہیں بغیر سے کال اینڈ فون نہیں کر رہے تو تم

میرے بی بی سی ایل سے کال کرو۔“ فون کا ریسیور

کر لیڈل سے اٹھا کر میں نے اس کے ہاتھ میں سمجھا

اور اسے لپٹا چھوڑ کر بار بار چلائی۔

اماں گھر پر نہیں تھیں۔ میں برآمدے میں تنہا بیٹھ

گئی۔ سامنے میز پر ٹیکسٹن ہوا تھا۔ چند لمبے میں سوہتی رہی پھر آہستہ سے ویسوا اٹھایا۔ میرے اندر موجود رضاحیات کی محبت میں ڈوبی لڑکی مسلسل قزہ کو بھونکا کہہ رہی تھی۔ ٹک کے باعث مجھ سے رہانہ گیا اور میں نے ساق ان کی ٹھنکی طرف لگا دی۔ غیر اخلاقی حرکت تو تھی مگر شاید اس سے کوئی فائدہ ہو جائے۔

وہ کہہ رہے تھے۔

”کس نمبر سے کال کر رہی ہو قزہ۔“

”علیہ کے لیڈ لائن سے۔ میں آج کل اس

کے پاس رہنے لگی ہوں۔“ وہ چند ثانیے کو خاموش

ہو گئے۔

”رضا! مجھ سے شادی کر لیں۔ ورنہ میں برباد

ہو جاؤ گی۔“ (تم برباد ہو چکی ہو قزہ) میں نے دل

میں سوچا تھا۔

”قزہ! کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“

”آپ مجھ سے شادی کر لیں۔“ وہ میری

ہدایت کے مطابق کہہ رہی تھی۔

”ساری زندگی بڑی ہے شادی کے لیے۔ ابھی

کوئی اور بات کرو۔“

”ٹھیک ہے اگر آپ مجھ سے شادی نہیں کریں

گے تو میں آپ کی دانت کو سب کچھ بتا دوں گی، یہ بھی

کے کہ آپ کے بچے کی۔“

”تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔“ وہ تیزی سے

بولے۔

”پھر مجھ سے شادی کر لیں۔“ وہ اصرار کر رہی

تھی۔

رضاح چنلے کچھ سوچتے رہے پھر دھیرے سے

بولے۔

”تم نے علیہ کو تو کچھ نہیں بتایا؟“

”یہ پتھر ہیں۔۔۔ آپ کس اس ڈارک سیکرٹ

سے کوئی واقف نہیں۔“ وہ تیزی سے بولی۔

”ٹھیک ہے، ہم کل شادی کر رہے ہیں۔ کل رات آٹھ بجے تم لیوا ہی پہنچ جاؤ۔ وہاں مرہم میز پر کے شور میں کے سامنے سڑک کے کنارے کھڑی ہو جانا، میں نہیں وہیں سے پک کر لوں گا۔ وہاں سے ہم میرے دوست کے گھر چلیں گے جہاں کلاچ ہوگا۔ ٹھیک؟“

”جی۔۔۔ جی۔۔۔“ وہ گنگھی ہو گئی۔

”لیکن اگر تم نے علیہ سمیت کسی کو بھی بتایا کہ

کل رات تم مجھ سے ملے آؤ گی تو شادی تو چھوڑ دو، میں

تم سے بات بھی نہیں کروں گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے آہستہ سے ریسیور

کر لیڈل پر رکھ دیا۔ منٹ منٹ بعد جب میں واپس

کمرے میں آئی تو قزہ وہاں کچھ خوشی سے چپک رہا تھا۔

”وہ مجھ سے شادی کر لے گا۔“

”کب؟“

”کچھ دن تک۔“ وہ مسکرا کر ٹال مٹی اور میں

اسے دیکھتی رہ گئی۔ وہ آج بھی رضاحیات کی داسی

تھی۔ ان کے حکم پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنے والی

ان کے فرمان کے مطابق مجھ سے جھوٹ بولنے والی۔

☆☆☆

”مجھے خالد کی طرف چھوڑ دینا، میرے بیٹس

آ رہے ہیں۔ مجھے ان سے ملنا ہے۔“

اگلی شام جب میں نے اسے دانستہ بتایا کہ میں

اماں کی طرف جا رہی ہوں تو وہ فوڈ ایئر پھر تیار

ہوئے گی۔

ٹیکے گا ہی رنگ کی شلوار قمیص کے اوپر اس نے

گلابی شٹون کا دو پٹا پچھلا کر لے لیا تھا۔ بال کھول کر

دائیں شانے پر اسے گھوڑا لے اور آنکھوں کو کامل سے

دھکا دیا۔ کپڑوں میں سمجھے تھے تپانے پنے وہ بہت پیاری

لگتی تھی۔

میں نے نیسے میں اسے اس کی خالہ کے گھر کے

کرگنی۔ میں خود اوندھے منہ زمین پر جاگری۔

دو طرفہ خون میں لپٹ پٹ گری وحشتانہ انداز میں چارے بھی اس کے ارد گرد لوگ اکٹھے ہونے لگے تھے۔ یہ مشکل اپنی جیساھی، سنبھال کر میں نکلواتے ہوئے اس تک پہنچ پانی لوگوں کے جھوم میں سے بہت راست بنا کر میں نے دیکھا۔

اس کی آنکھیں ملکی تھیں۔ اس کا بے دم وجود
 خون میں نہایا تھا اور اس کی نگاہیں بے یقینی سے پھیلی
 ہوئی تھیں۔ نگر نکلنے سے زیادہ وہ شاید اس آخری لمبے
 مضامینات کے چہرے پر چھائی سفائی کو دیکھ کر بے
 یقین ہوئی تھی۔

دور ایمبولنس کا سائزن بجتے لگا..... مگر
میں جانتی تھی کہ اب دیر ہو چکی تھی۔ میرا ہیرا چکنا چور
ہو چکا تھا۔

☆☆☆

قزہ مرگئی اور اپنے پیچھے بہت سے آنسو چھوڑ گئی۔ رضا حیات کو اس کی موت کا کھاس میں پتا چلا۔ وہ بے جا حیران اور ششدر رہ گئے تھے۔ انہوں نے وہیں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور قرآن کی تلاوت کے بعد ایک رقت آمیز دعا کروائی۔ آخر میں ان کی انہی آنکھیں جھلک گئیں۔ پھر قزہ کی موت کے

سرسے روز انہوں نے قزہ کی یاد میں ایک پروگرام کا
تمام کیا۔ اس پروگرام میں قزہ کی ایک خوب
دور تصویر پیچھے ان پر آریاں کی گئی اور قزہ کے

جب مجھے بلا گیا تو میں نے ایک دیران لگا کر پڑاؤ لیا۔

ہائے تو جرنہیں سکتا۔ وہ بھی ٹوٹ گئی تھی۔“

چند روز گزرے تھے کہ میں نے سنا، رضاحیات نے اپنا ٹرانسفر کروالیا ہے۔ وہ سندھ چلے گئے اور اپنے پیچھے اسے چاہنے والوں کو اس چھوڑ گئے۔

میں نے بھی پولیس اسٹیشن نکلی۔ یہ بھی اس جہت
ڈرمن ایکسٹرنٹ کی تحقیقات کا مطالعہ کیا۔ قتلہ کے
قائل کو زیادہ سے زیادہ پچاسی مل جانی؟ ایسے تو وہ
اگلے جہاں اپنے نکاح سے بری ہو جاتے۔ میں نے
اس کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا۔ لیکن اس کے نامہ اعمال کا
واحد گناہ تھا جسے سوان کا معاملہ اللہ کے حوالے
کرتے ہوئے میں نے یہ دعا بھی کی کہ اللہ اس کے
ساتھ انصاف کرے اور انہیں شہک کا فائدہ بھی نہ
دے۔ یہ دنیا بلیوں کے لیے سزا کی جگہ نہیں ہے۔

☆☆☆

کلاس میں پین ڈراپ سائیکس تھا، سب دم خود بخود زود سے سر ہاتھ آٹھنی کوں رہے تھے۔ وہ ہمارے سائیکالوجی کے نئے پروفیسر تھے۔ چٹم اساتذہ، مجلس حاضر جواب اور مہربان۔ وہ سب کچھ تھے۔ کوئی منتہا کے پاس کچھ ہی دنوں میں ساری کلاس ان کی طرف کھینچ لی آئی تھی۔ ان کی گودہ ہو گئی تھی۔

”کتنے اچھے ہیں نامہ آفندی۔۔۔“ کلاس کے بعد جب میں اپنی کتابیں سمیٹ رہی تھی تو میری کلاس لیو ٹاٹر پوسٹ نے آج بھر کر کہا تھا۔

سے لگاتے ہوئے سرسری سا کہا۔

”بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جلیلہ، اسنے ایک اور مہربان جانتی ہو ان کا تعلق علما کے خاندان سے ہے۔ بلکہ برصغیر میں اسلام کو متعارف لانے کے رکھوں نے ہی کروایا تھا۔“

ابلیس

فاطمہ۔ مجھے یہ سب مت بتاؤ۔ انسان وہ نہیں ہوتے جو دکھائی دیتے ہیں۔“ میں بیک اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ فاطمہ نے غصے سے مجھے دیکھا۔

”سب مرد ایک سے نہیں ہوتے۔“

”ہاں، سب مرد ایک سے نہیں ہوتے مگر فارمولا سب پر ایک ہی اچلائی ہوتا ہے۔ جو خرم ہے، مرد آپ کے لیے اچھا ہے اور جو خرم نہیں ہے، وہ چاہے آپ کو خرم رکھنے سے انکی پکارے، وہ آپ کے لیے اچھا نہیں ہو سکتا۔ جو خرم نہیں، اس سے توجہی میں ملنے کی اجازت میرے رب سے نہیں دی۔ چاہے وہ توجہی ملی ہو فک فک، تنگنوک ہو یا کسی پروفیسر کے آفس میں جا کر اس کے ملنے کی مدد تک۔ سب مرد ایک سے نہیں ہوتے فارمولا سب پر ایک ہی اچلائی ہے۔“ ایک صبح مراکھ کے ساتھ کبیر کے میں پلٹ گئی۔ میری بیسیا کی تک تک خالی کلاس روم میں گونجنے لگی۔ میں لنگڑا ہوتے دو دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔

میں جانتی ہوں کہ چپے بیچ بیٹھی فاطمہ کو میری بات سمجھ میں نہیں آئی مگر شاید آپ کو آگئی ہو۔ مجھے قدرت کا یہ اصول اس وقت سمجھ آتا تھا جب میں قلعہ کو گھوم رہی تھی۔ ہاں میرا مددگار..... مجازی خدا رضا حیات تھا۔ وہ جس کے صرف خیال نے ہی مجھے باندھ رکھا تھا۔ مجھے اللہ سے دور کر دیا تھا۔

میں نے اس سونے کے چھڑے کو توڑ کر چلا کر
 ٹیل کے پانیوں میں بھرا دیا ہے اور اب میں آپ سے
 پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا آپ کا بھی کوئی ایسا جھوٹا خدا
 ہے جس نے آپ کو بنا دیا اور کہا ہے اور آپ کو اللہ سے
 دور کر دیا ہے؟ اگر ہے تو اسے ابھی توڑ ڈالیں۔ فصاحت
 پھر بعد میں آپ کے پاس نہیں آنے کی..... بعد میں
 صرف عذاب آتا ہے۔

پھر کوئی خواب بنو

عذرا بیگ



www.paksociety.com

ایچانک فون کی گھنٹی بجی تو کمرے میں مختلف آوازوں کا شور یکدم سہم سا گیا۔

”عالیہ بیٹی! ذرا دیر بٹا۔“ منصور اور اس نے کہا۔
 ”جی! اچھا۔۔۔“ عالیہ نے فوراً کمرے کی قیاس کی اور
 ”تین تین بجتا فون اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ کمرے میں
 اور وہ فون رکھ کر مڑی تو کئی سی سوالیہ نظریں اس کے

”یہ آپ کے لیے۔“ اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
”آپ کی طرف برا بھلا جو اس نے شکر ہے کہہ کر لیا۔“

”مجھے امید ہے آپ کو ضرور پتہ چلے گا۔“
”مجھے تو پتہ نہیں ہے۔“ اس نے دوبارہ دیکھ کر وہ دانی خوش ہوئی تھی۔

”وہ ایک خوشگوار شام تھی۔ سب چائے پیتے ڈھیروں بائیں کرتے ہوئے مزے مزے کے لوازمات کھاتے رہے جو اس پر سرت موقع کے لیے خاص طور پر رانچ کئے گئے تھے۔“

”تمہارے آنے سے تمہاری ماما تو ضرور اداس ہو جائیں گی۔“ مساجدہ بیگم نے برہنیل تذکرہ کیا۔

”کوئی ایسی دیکھ، وہ تو میرے آنے پر رضامندی ہی نہیں تھی۔ وہ تو اب اور کچھ میں سے روشن مستقبل کے لشکارے دکھا کر اس کی خاموشی کو شوق بھری دہان میں دبی میرے لیے ایک کھانا ڈھونڈ رہی تھی لیکن ماما نے انا وہ برا حال کیا کہ کیا بتاؤں۔“ فلک اپنے جیکے پٹکے انداز میں کہہ رہا تھا۔
”تو بھرا نہیں لا اور بیٹھے پر کیسے رضامند ہو گئیں؟“ مساجدہ احمد بولے۔

”انہوں نے سوچا ہوگا لاہور کم از کم قریب تو ہے اور پھر آپ سب بھی نہیں ہیں۔“ فلک نے پچھلے برسوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔
”یہی سچ ہے۔“ مساجدہ بیگم ملیں۔
”آپ کو دینی نہ جانے کافسوس تو ہوا ہوگا؟“

”شاہان نے پچھلے دنوں والے انداز میں کہا۔
”جی ہاں چھوٹے مجھے کوئی فکس نہیں ہوا۔ زندگی میں اور مواقع بھی آتے ہیں لیکن والدین کو کچھ ذکر اتنی دیا جاتا تھا خود پند نہیں۔ میرے لیے لاہور دینی سے کہیں۔“ فلک نے سنجیدگی سے کہا۔

بڑے بڑے رنگ رنگ سڑی بیگ اٹھائے سر پر امریکن کیپ اور ہاتھ میں واٹر بوتل پکڑے ماموں منصور کے گھر پہنچا تو کچھ بیٹے مساجدہ ابوالحسن کی انٹر پورٹ سے آ رہا ہو۔ سب سے زیادہ جرت زدہ علیہ ہوئی۔ اس نے تو دہن میں اس کا کوئی اور ہی حالیہ بنا رکھا تھا۔ سفید گھیر دار شلوار پر ڈھلا ڈھلا اسفید کپڑے گریبان میں چپکے ہوئے سونے کے بلیں، آنکھوں میں سرسے کی دھاریاں اور لیے لیے بال تھل تھل میں چپکے ہوئے لیکن یہاں تو زمین آسمان کا فرق تھا۔ تین سالوں میں وہ کافی بدل گیا تھا۔ خاصا رنگ روپ اور قد کاٹھ کٹھ لگتا تھا۔ تین کے مطابق جدید لباس اور چہرے پر اگاہا پکا سا گھاس پھوس کافی زیب دے رہا تھا۔

”تو یہ ہے وہ دشمن جاس جس سے نیرو آزا ہونا ہے۔؟“ وہ مسافر آنکھوں والا سحر جس کے سحر سے اپنے آپ کو بچا کر رکھتا ہے؟ وہ محمود غزنوی جو مارے کوہزاد شہزاد گزار راستے ہندی، تالے بے جور کہ اپنے کتھاری سرحد پر آن پہنچا ہے اور تمہیں انان سے اپنے کاموں میں بھی رہیں اور اپنے بچپان کا کچھ نہ سوچا؟“ اس کا دماغ جاگنے اس کو کیا کیا پوچھ رہا تھا۔

”خیر اب ایسا راج کمر بھی نہیں کر دیکھتے ہی فلک کا ذہن بھر گیا۔ یہ انام بھی علیہ ہے ساری ماورائی دھری کی دھری وہ جانے کی۔ اس نے اپنے آپ کو تسلی دی۔
فلک یوں بھی ہر طرح پر تھا اور سب اس پر دل و جان سے فدا تھے۔ وہ کیا آیا لگتا تھا خوشیوں اور لہجوں کے سارے قافلے اس کے ساتھ چلے آئے۔ اچھوٹے بڑے سب ہی اس کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ بھی سب کے لیے اور وہ کہ کوئی تھوڑا ضرور دیا لایا تھا۔“

”سوری امی بی، میں نے خواہاں آپ کو بخیر کر دیا۔“ عالیہ نے شہر اشارہ کر دیا۔
”میں نہیں، بیٹی، امی کوئی بات نہیں، اب تم علیہ اور مدیر کے ساتھ مل کر آنے والے سہماں کے قیام کا بندوبست کرو۔“ نور کا کراٹھک رہے گا۔
”دووں بھائی مل کر رہ رہے گے۔“
”سکری آپ تو جانتی ہیں نور آدمی آدمی رات تک کمپیوٹر کے آگے بیٹھا رہتا ہے اس طرح تو فلک بھائی سے سکون نہیں ہوں گے۔“ علیہ نے دخل اندازی کی۔

”میں فورہ سے کہہ دوں گی کہ بھائی کے آرام کا خیال رکھے۔“ اب تم بھی افسوسہ عالیہ کی مدد کرو۔“ ان کی آنکھیں صاف کھری تھیں کہ انہیں بیٹی کی یہ دخل اندازی اب بھی نہیں ملتی تھی۔
”تو علیہ علیہ علیہ کھری ہے امی۔“ عالیہ نے علیہ کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔
”اب ختم کرو یہ بیکاری بحث۔“ جو میں کہہ رہی ہوں وہ نہ کرو۔“ مساجدہ بیگم نے ٹھکانا دیا اور علیہ عالیہ کا انتظار کے پنا کر سے نکل گئی۔
”امی آپ نے خواہاں علیہ کو ڈانٹ دیا۔ وہ ٹھیک ہی پوچھ کر رہی تھی۔“ عالیہ نے آہستہ سے کہا۔
”وہ میری بیٹی ہے عالیہ، جو اس کے دل میں ہے میں بخوبی جانتی ہوں اور اس کی خداوندہ تشریف کو بھی خوب پہنچتی ہوں، بس تم ذرا فلک کو پیار دے۔“ مساجدہ بیگم نے کہہ دیا کہ وہ اپنے آپ میں بند رہنے والی لڑکی ہے۔ اس کی کسی بات پر نہ لے۔“ مساجدہ بیگم بکھر چکی تھی۔

”میں سمجھ دوں گی امی، فلک آپ کو بھی دکھائے گا۔“
”کام تو نہیں دے گا۔“ عالیہ نے ان کے چہرے پر ہاتھ رکھا۔
”اگلے روز شام کو جب پر خور و فلک مسکن ملیں گے۔“ مساجدہ بیگم نے کہہ دیا۔
”کیا بات ہے بیٹی۔؟“ مساجدہ احمد نے اس کے پیچھے ہی پوچھا۔
”میں فلک آ رہا ہے۔“ عالیہ نے اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے کہا۔ اور پچیس اس کے منصور احمد پوچھا اور پوچھے کوئی اور سوال کرتے کرتے میں جیسے شہر کی گلیوں کا پورا پچھتا اٹھا تھا، مگر سے جتنے لوگ تھے سب ایک زبان ہو کر بول رہے تھے۔
”فلک۔ فلک اکل، بھائی فلک۔ فلک۔ فلک۔“ ہر کوئی اس کا نام لے کر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔
”کتنے دن رہیں گے؟“ کسی نے براہ راست مساجدہ احمد سے پوچھا۔
”انہیں یہاں ایک چٹیک میں بڑی اچھی جاب مل گئی ہے۔ اب وہ یہیں رہیں گے۔“ مساجدہ احمد نے وضاحت کی۔
”ایسے ہونہار بچے کو اس کی محنت کا پھل ملنا ہی چاہیے۔“ دادی نے فخر سے بچے میں کہا۔ ان کا سب سے لاڈلانا افسوس تھا۔
”امی امی آپ درست فرماتی ہیں اور پھر جیند اور بچوں کے امر کا پلچے جانے سے گھر میں جو خلا سا پیدا ہوا ہے اس کی کمی کچھ نہ کچھ پوری ہو جائے گی اور کھیل کو بھی کوئی سانس مل جائے گا۔“ مساجدہ بیگم نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔
”ان کی ساتھی میں جو ہوں۔“ عالیہ نے ماں کو تسلی دینے کے خیال سے کہا۔
”وہ تو تم ٹھیک کھری ہو بیٹی۔ ویسے کھیل مروانہ کھنٹی کی کمی تو محسوس کرتا ہوگا۔ اب سارا وقت تمہارے پیارے کھیلوں سے لگ کر بیٹھے سے تو رہا۔“ مساجدہ بیگم کی آواز پر دردی تھی۔ شاید پچھلے بچپن کی یاد تازہ تھی۔
”اگلے روز شام کو جب پر خور و فلک مسکن ملیں گے۔“

”سورہ امی بی، میں نے خواہاں آپ کو بخیر کر دیا۔“ عالیہ نے شہر اشارہ کر دیا۔
”میں نہیں، بیٹی، امی کوئی بات نہیں، اب تم علیہ اور مدیر کے ساتھ مل کر آنے والے سہماں کے قیام کا بندوبست کرو۔“ نور کا کراٹھک رہے گا۔
”دووں بھائی مل کر رہ رہے گے۔“
”سکری آپ تو جانتی ہیں نور آدمی آدمی رات تک کمپیوٹر کے آگے بیٹھا رہتا ہے اس طرح تو فلک بھائی سے سکون نہیں ہوں گے۔“ علیہ نے دخل اندازی کی۔
”میں فورہ سے کہہ دوں گی کہ بھائی کے آرام کا خیال رکھے۔“ اب تم بھی افسوسہ عالیہ کی مدد کرو۔“ ان کی آنکھیں صاف کھری تھیں کہ انہیں بیٹی کی یہ دخل اندازی اب بھی نہیں ملتی تھی۔
”تو علیہ علیہ علیہ کھری ہے امی۔“ عالیہ نے علیہ کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔
”اب ختم کرو یہ بیکاری بحث۔“ جو میں کہہ رہی ہوں وہ نہ کرو۔“ مساجدہ بیگم نے ٹھکانا دیا اور علیہ عالیہ کا انتظار کے پنا کر سے نکل گئی۔
”امی آپ نے خواہاں علیہ کو ڈانٹ دیا۔ وہ ٹھیک ہی پوچھ کر رہی تھی۔“ عالیہ نے آہستہ سے کہا۔
”وہ میری بیٹی ہے عالیہ، جو اس کے دل میں ہے میں بخوبی جانتی ہوں اور اس کی خداوندہ تشریف کو بھی خوب پہنچتی ہوں، بس تم ذرا فلک کو پیار دے۔“ مساجدہ بیگم نے کہہ دیا کہ وہ اپنے آپ میں بند رہنے والی لڑکی ہے۔ اس کی کسی بات پر نہ لے۔“ مساجدہ بیگم بکھر چکی تھی۔
”میں سمجھ دوں گی امی، فلک آپ کو بھی دکھائے گا۔“
”کام تو نہیں دے گا۔“ عالیہ نے ان کے چہرے پر ہاتھ رکھا۔
”اگلے روز شام کو جب پر خور و فلک مسکن ملیں گے۔“ مساجدہ بیگم نے کہہ دیا۔
”کیا بات ہے بیٹی۔؟“ مساجدہ احمد نے اس کے پیچھے ہی پوچھا۔
”میں فلک آ رہا ہے۔“ عالیہ نے اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے کہا۔ اور پچیس اس کے منصور احمد پوچھا اور پوچھے کوئی اور سوال کرتے کرتے میں جیسے شہر کی گلیوں کا پورا پچھتا اٹھا تھا، مگر سے جتنے لوگ تھے سب ایک زبان ہو کر بول رہے تھے۔
”فلک۔ فلک اکل، بھائی فلک۔ فلک۔ فلک۔“ ہر کوئی اس کا نام لے کر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔
”کتنے دن رہیں گے؟“ کسی نے براہ راست مساجدہ احمد سے پوچھا۔
”انہیں یہاں ایک چٹیک میں بڑی اچھی جاب مل گئی ہے۔ اب وہ یہیں رہیں گے۔“ مساجدہ احمد نے وضاحت کی۔
”ایسے ہونہار بچے کو اس کی محنت کا پھل ملنا ہی چاہیے۔“ دادی نے فخر سے بچے میں کہا۔ ان کا سب سے لاڈلانا افسوس تھا۔
”امی امی آپ درست فرماتی ہیں اور پھر جیند اور بچوں کے امر کا پلچے جانے سے گھر میں جو خلا سا پیدا ہوا ہے اس کی کمی کچھ نہ کچھ پوری ہو جائے گی اور کھیل کو بھی کوئی سانس مل جائے گا۔“ مساجدہ بیگم نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔
”ان کی ساتھی میں جو ہوں۔“ عالیہ نے ماں کو تسلی دینے کے خیال سے کہا۔
”وہ تو تم ٹھیک کھری ہو بیٹی۔ ویسے کھیل مروانہ کھنٹی کی کمی تو محسوس کرتا ہوگا۔ اب سارا وقت تمہارے پیارے کھیلوں سے لگ کر بیٹھے سے تو رہا۔“ مساجدہ بیگم کی آواز پر دردی تھی۔ شاید پچھلے بچپن کی یاد تازہ تھی۔
”اگلے روز شام کو جب پر خور و فلک مسکن ملیں گے۔“

کوئی چیز ہے۔ خاص کر جب گھر کے بھی بزرگ ایک جگہ موجود ہوں، کیا وہ سب کے سامنے پوچھتی آپ کی پسندیدہ ایئر کنڈیشنر کوئی ہیں۔ مگر کون سا چھوٹا کتا ہے۔ خائف، افسردہ یا گھٹیت گھر وغیرہ۔“ عالیہ اسے گھر کر دی پھر ہی کی۔
”نہیں، میرا یہ مطلب تو نہ تھا۔“ فلک کچھ شر سار سا ہو گیا۔
”تو پھر کیا مطلب ہے سمجھاؤ نا مجھے۔“ عالیہ بے ساختہ بھڑک اٹھی۔

”آرام سے باقی، اتنی خفا نہ ہوں، میرا مطلب ہے کوئی مہمان آیا ہو تو بندہ ایک آدھ بات کر ہی لیتا ہے کہ مہمان کو محسوس ہو رہو وہ ملگمگ ہے اور کچھ نہیں تو وہ بھی کے متعلق ہی ایک آدھ سوال پوچھ سکتی تھی۔ آخر اس کی عمر ہے۔ میرے کہنے کا مطلب ہے کہ ہم سب اپنے ہی تو ہیں لیکن نہیں وہ تو یوں تعریف فرما نہیں جیسے وہ مہمان خصوصی ہوں اور سامنے مادیولت نہیں hunch back of note dame بیٹھا ہو۔ مجال ہے جو ایک دفعہ میں کوئی ڈس پاس کی ہو سوائے شوشے کے ڈبے کے۔“

کیا یہ بھڑکے خلاف نہیں، کیا وہ میزبان نہیں تھی؟ آج پہلی ہی دن یہ رو پڑے تو آگے کیا ہوگا۔ آپ خود ہی دیکھیں۔“ فلک نے جیسے شکایتوں کا دفتر کھول رکھا تھا۔ ”اب تم زیادتی کر رہے ہو فلک، کچھ لڑکیاں ڈرامہ کو تو ہوتی ہیں۔ بڑوں کے سامنے ذرا خاموش رہتی ہیں۔ دراصل تمہیں وہ لفٹ نہیں ملی جو پانے کے تم عادی ہو۔ اس لیے اس کی کمزوری میں جھلا ہو رہے ہو اور کوئی بات نہیں۔“ عالیہ نے اس کی ٹھوپی کو چھوئے ہوئے کہا۔

”یہ تو سراسر میری توہین ہوئی نا، آپ چاہے کچھ بھی کہیں اور کچھ نہیں تو آپ کے ناتے سے ہی کوئی ایک آدھ اخلاقی صفت دکھا دیں، کم از کم گم کی کے

بھڑکائے، پر سناٹے سے کیا اندازہ لگایا، اچھا مہذب انسان ہے یا لیریا ہے؟“
”نہیں، بھائی، اپنی جلدی کوئی رائے قائم کرنا، اندازے لگانا، ذرا مشکل ہی ہے لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ معقول انسان ہیں۔ جس کچھ ملل جانے والے، وہ دوسری کی طرح شوشا دہنیں۔“
”تمہارا اندازہ سچ ہے، فلک ایک نیک دل اور سلیھا ہوا انسان ہے۔“ عالیہ نے پوری سچائی سے کہا۔
”آپ کے بھائی ہیں آخر جیسی آپ ویسے وہ۔“ علیہ نے پچھڑا۔

”یہ میری تعریف ہو رہی ہے یا غوشا۔“ عالیہ نے چھیڑا۔
”دونوں ہی کچھ نہیں آخر میری پیاری دلاری بھائی ہیں آپ۔“ علیہ نے پیار سے کہا۔
”واہ بھئی آج تو کوئی نیک دن چڑھا تھا جو سب اچھائی اچھائے۔“
”انشاء اللہ آج بھی ایسا ہی ہوگا۔“ علیہ نے اطمینان دلایا۔

☆☆☆

”ایمان سے باقی آپ کی مندر صاحبہ تو بے حد مغرور ہیں یا پھر مانی کیٹس سے بالکل پھیل۔ اور کہنے کو ختم ہو بڑے ہائی فائی کاغذ میں زیرِ تعلیم ہیں۔ اپنی چیزیں بیٹ کرتے ہوئے فلک نے عالیہ سے دکھایا۔
”کیا خاطر داری میں کچھ کی رہ گئی ہے؟“ عالیہ اس کا اشارہ کچھ کرکھی بھولی بنی رہی۔
”خاطر داری؟..... اب پرستے ہی دیں باقی، میرا جو مطلب ہے وہ آپ بخوبی سمجھ گئی ہیں، فلک ارادتی سے بولا۔
”اب ایسی کچھ کوئی بات نہیں ویرجی، ہاں ذرا طبیعت خاموش پائی ہے اور پھر تم دینا ادب کی لاط بھی

”بس تم دیکھتے جاؤ جو سوچ کر وہ آیا ہے یا سوچ رہا ہے، وہ خواب بھی پورا نہیں ہوگا۔ میں ابو، امی عالیہ بھائی اور دادو کے دادا پچھیر خوب جانتی ہوں، جو جال وہ میرے لیے بچھا رہے ہیں، سارے کے سارے نکات دیکھتے تو میرا نام بھی بیچھ نہیں۔“ اس کے حسین چہرے پر بات بتاتی کی ٹہنی کی سکان تھی۔
”کیا ساری رات نہیں چھینے کا ارادہ ہے؟“ عالیہ بھائی نے اپنا کب کر سے میں آکر پانی کی کڑے اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں بھائی، بس ابھی ہی تھی۔“ علیہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”کوئی کام ہو تو مجھے بتائیں۔“
”نہیں ایسا تو کوئی کام نہیں میں ذرا فلک کو میٹل کرتا ہے۔“ عالیہ نے دایں مڑتے ہوئے جواب دیا۔
”کیا لوری سنا پی ہے؟“ فیڈر دینی ہے؟“ علیہ نے چھیڑا۔

”نہیں بھئی، نئی جگہ ہے نا ذرا چیزیں وغیرہ سنبھالنے میں ہے ہیلاں کرکھوں تو ابھی بات ہے نا، آخر میرا بھائی بھی ہے اور مہمان بھی۔“ عالیہ نے نرمی سے سمجھایا۔

”یہ تو ٹھیک ہے بس آپ چائیں اپنا کام کریں۔“ علیہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”آپ مناسب سمجھیں تو میں بھی ساتھ چلوں گا۔“ وہ جگہ کی۔
”نہیں، اس کی ضرورت نہیں پڑے گی، اچھا خدا حافظ۔“

”خدا حافظ!“
”علیہ ایک بات تو رہی گی۔“ عالیہ کو اچانک جیسے کچھ یاد آ گیا۔

”کیسے.....“ علیہ جاتے جاتے رہی۔
”جی جی، فلک لڑکا کا؟“
”کیسا کا؟“ علیہ نے جراتی سے دیکھا۔
”میرا مطلب ہے تم نے اس کی باتوں سے

”میں تم سے متفق ہوں فلکی۔“ سہیل نے پوری سچائی سے کہا۔
”تو اور کیا جب چھپاؤں ہوں گی میں چلا جایا کروں گا جب ان کا دل چاہے گا۔ وہ چلا جایا کریں گے۔“ فلک خوش دلی سے بولا۔
”یہ بھی ٹھیک ہے، دونوں شہروں میں فاصلہ ہی کتنا ہے۔“ منصور احمد خوش دلی سے بولے۔
”میرا خیال ہے اب فلک کو اس کا کراؤ دکھا دو، دن بھر کا کھکا ہوا ہے۔ کیوں فلک؟ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں؟“ سجادہ بیگم نے پوچھا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں کچھ جھگڑا ہو ہی گئی ہے۔“ فلک نے ذرا جھگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔
”تو چلو پھر آرام کرو، انشاء اللہ جگہ جگہ پر ملیں گے اور ہاں تمہاری جو آنگاہ کب سے ہے؟“ منصور احمد نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”جی منٹے کو رپورٹ کرتی ہے۔“ فلک نے کہا اور یوں ہتے سکر اتے ایک دوسرے کو شب بخیر کہتے سب اپنی اپنی پناہ گاہوں کی طرف چلے گئے۔ سب جا چکے تھے لیکن علیہ ابھی سوچوں میں مگن تھی۔

”ویسے تو بندہ ہے ضرور سا نظر آتا ہے۔“ جولی اور کھلا ڈال لیکن دل کا حال کون جانے، بے جو کسی وقت اس کی آنکھوں کے کونوں میں ستارہ سا نمودار ہو کر غائب ہو جاتا ہے، ہونٹوں پر ایک ہلکی سی سکرابٹ جھلکتی ہے جیسے کوئی دارنگ ہو، دراصل یہ سب ادا کا ہور ہے لیکن ان کے چالاک اور مکار چہروں پر بھولیوں اور مصومیت کے نقاب پڑے ہوئے ہیں۔ ان کی ظاہری شخصیت اور پچھلی چیز باتوں کے جال فولادی ہوتے ہیں۔ اس لیے زیادہ بے تکلف اور مہربان ہونے کی ضرورت نہیں۔“ علیہ کا چاقو چو بند دماغ کڑے انداز میں مرکوز کیاں کر رہا تھا۔

بتائے ہوئے دوپٹے ہی کی تعریف کرو تھی۔ بے چاری نے دن رات کر کے ایک ایک سوئی لگایا ہے۔ رہنے دیں، محترمہ ایسی سبز پر ہی نہیں خوب صورت ہوئی تو پائیں کسی آسائوں میں ہوئی۔" وہ کر پر دونوں ہاتھ رکھے بڑے عجب سے کہہ رہا تھا۔

"خوب صورت کس ہے؟" عالیہ کی بڑی بڑی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔ "ہاں؟" وہ شاہد انداز میں کہتا ہنگ پر دراز ہو گیا۔

"بے سب تمہاری نظر کا قصور ہے، کل سب سے پہلے اپنی آنکھوں کا معائنہ کراؤ اور..." نورا کھڑے تو ہوتا۔ "عالیہ کا انداز بھی نادر شاہی تھا۔ وہ حیران سا میرے اچھے کھڑا ہوا۔

عالیہ نے چند لمحے اس کا اوپر سے نیچے تک اور نیچے سے اوپر تک معائنہ کیا۔ اس کے چاروں طرف ایک مختصر سا چکر لگایا۔ اس کی ٹھوڑی اونچی کر کے اس کی حیران حیران آنکھوں میں بھجھا۔

ہاتھ کے ذرا سخت جھکے سے اس کے جھپٹتے سیاہ بالوں کو دھڑا دھڑکیا پھر اسی نادر شاہی لہجے میں بولی۔ "ذرا یہ تو بتاؤ، یہ ہوائی کس دھن سے اڑانی ہے کہ تم کہیں کے گھلام ہو؟ بس لے دے کے ذرا نہیں نقش کشیں؟"

"صرف ٹھیک..." اس نے حیرت سے آنکھیں میاڑیں۔

"تو اور کیا صرف ٹھیک اور قہر کتا ہے؟"

"جھٹ دواؤں..."

"کچھ زیادہ ہی ہے۔" عالیہ نے حد میریں تھی۔

"اور..." نہیں چپ پا کر وہ بے چینی سے بولا۔

"رنگ ذرا گوارا ہے۔" عالیہ کی سیاہ آنکھوں

سے شرارت بھاگ رہی تھی۔

"گوارا..." یعنی صرف "گوارا"۔ وہ تڑپ کر بولا۔

"چلو تمہارا دل رکھنے کو مان لیتی ہوں کہ گوارا نہیں گوارا ہے، خوش ہو، یہ سچی بات ہے تمہارا اور لکھ کر کوئی مقابلہ نہیں، میرا کوئی گوارا بھائی ہوتا تو ضرور اپنی بھائی بنا لیتا۔"

"اور میں کیا ہوں..." آپ کا دشمن؟" وہ غصیلے انداز میں بولا۔

"تو اتنی بھاگی علیہ؟" عالیہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

"ایمان سے آپ بھی بس کسی منکر سے کم نہیں ہیں۔ ایسے ایسے نشانے لگاتے ہیں کہ بندہ بولہاں ہو گیا ہے۔" وہ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لیے بولا۔ "جانے جذبات میں آکر زبان سے کیا بھول گیا۔"

"یہاں نیچو فکلی..." یہاں میرے پاس..." عالیہ نے زری سے اس کا بازو پکڑ کر پکچ کر پٹھایا۔

وہ بڑی کبابیر داری سے بیٹھ گیا۔

"سنو فک، تم میرے ختب سے پیار دلا رہے ہو، بھیا ہو، تمہیں میں بھول سکتی ہوں؟ یقین کر دو میرے دل میں تم دونوں کی تصویر ہی ہے اگر کوئی میری رائے پوچھے تو میں یہی کہوں گی کہ تم سے بہتر علیہ کے لیے کوئی دوسرا جیون ساتھی نہیں ہو سکتا لیکن علیہ کو یہ باور کرانا کنوش کرنا دنیا کا دشوار ترین کام ہے۔" عالیہ کے منہ سے نکلا ایک ایک لفظ سچائی کا نیکہ دار تھا۔

"لیکن کیوں بھائی؟" آپ خود سنا لگے، دنیا میں ایسا کون سا بندہ بتر ہے جسے کسی کے ہاتھوں سے، زبان سے، روئیے سے، گوارا

اور وقت کوئی چوٹ نہ پہنچی ہو لیکن چروقت ہر ذرہ بھر لگاؤ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ساری مخلوق اس کی ہمتی تو بھین سکتی۔ کوئی نہ کوئی تو ایسا انسان ہو سکتا ہے جسے اس نے خاص توجہ سے بنایا ہو۔ اس کے اندر ایسے اچھے جذبات اور خیالات بھرے ہوں۔ جیسے ایسا صاف شفاف دل دیا ہو۔ یا نیزہ اور روشن داغ دیا ہو۔ اس کے جسم میں نورانی روح ڈالی ہو۔ جس سے اس کا نام..." اس کا دل اس کی روح جیسے ہی کی آنکھوں میں سب آتی تھی۔ فلک کی آواز کی گونج اور آواز چہرے پر یا کیز کی کا نور و کچھ کر عالیہ کی آنکھوں میں ہی آئی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور صرف فلک کی آنکھوں سے پھونسنے چائی۔

"وہاں سے دیکھ گئی۔"

"مختی کا ٹونڈا کسی بڑے حادثے سے کم نہیں، میں جانتا ہوں لیکن ایسی قیامت بھی نہیں کہ انسان اس بات تک دے، زندگی تو تب بھی نہ رہتی اگر وہ صرف دنیا سے ہی رخصت ہو جاتا۔" فلک نے اپنے انداز میں اضافہ کیا۔

"دنیا سے رخصت ہو جائے گا لہذا کی رضا بھیک کر آجاتا ہے لیکن کسی کا دیا فریب کسی کے کردار کی ناقص قیامت نہیں بھوتی۔ تمہارے لیے شاید یہ کوئی اہم بات نہ ہو لیکن ایک لڑکی کے لیے یہ خصوص علیہ کے اس کی زندگی کا حکم ترین حادثہ ہے بغیر کسی وجہ کے اس نے جانے کا جاسل صدمہ نہ کا ہی اور دنیا ہی اسی کی وجہ تھا کہ جتنا کوئی معمولی بات نہیں، تم نے اس کو آرام سے کہہ دیا کہ کوئی قیامت تو نہیں، منگی کا ہر کسی کی فلاں تھی جیسے ہوئی نہ تھی تو دوسری کا ہر گوارا کیا۔ ایک معصوم پاک و شفاف لڑکی جس کے ہاتھ سے نئے جذباتوں نے انہی سانس ہی ہی ہو، تو لکھنا آنکھوں میں پھلپھلایا ستارہ بھلائی ہو، ساتھ ہی بارواں سلوک ہواس کے جذبات کیا

یہ کوئی خواب بنو ہوں گے، اس کی زندگی کیا ہوگی۔ اسے مستقبل پر یقین کیسے ہوگا؟" عالیہ کا لہجہ پروردہ تھا۔

فلک یوں کھڑا ہو گیا جیسے الیکٹرک شاک لگا ہوا۔ وہ جھلانے انداز میں پیٹھ کو ذرا اوپر کھینچے ہوئے پگھلنے لہجے میں بولا۔ "بھائی مجھے بتا میں وہ انسان کہاں ہے، پہلے میں اس کا تپا چاکر کے آؤں۔"

عالیہ نے اس کے جوش اور جذبے پر ہلکے سے مسکراتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھایا اور صحبت بھری آواز میں بولی۔ "دو صبر میرے بھائی، دو صبر جوش جوش کا نہیں ہوش کا مسئلہ ہے جو میں ٹھنڈے دل اور ٹھنڈے دماغ سے حل کرتا ہے جتنی تو ہم، یہ مقصد میں کامیاب ہوں گے۔"

"ہاں یہ تو آپ درست فرماتی ہیں۔" اس نے نورانیاں میں ہاں ملانی۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں اور تم بھی دماغ پر زیادہ زور ڈالو بغیر آرام سے سو جاؤ۔ گہراؤ نہیں ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے، آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"I hope so" اس کا انداز تھا جتنا کسا سا تھا۔

"خدا حافظ!" عالیہ نے زری سے اس کی پیشانی سہلائی۔

"خدا حافظ! آپ واقعی بہت ہی اچھی ہیں عالیہ بھائی، کتنی فحاشا بندھائی ہے آپ نے۔" وہ منموٹا نہ کہہ میں بولا۔

"اور تم بھی لگتی..." عالیہ جاتے جاتے بولی اور آہستہ سے دروازہ بند کر کے چلی کی اور فلک دونوں ہاتھ کر کے پیچھے کر کے سامنے کی پینٹنگ کو دیکھ رہا۔ یہاں بادلوں میں ابھرتے سورج کا ایک حصہ دکھایا گیا تھا۔ سورج کا ہر دہریوں روشنیاں لے کر نکلتا بھی توئی امیدوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

آج تو خاص موقع ہے..... پھر اپنی پسندیدہ
لکھانے پینے سے میرا ذہن جگمگا اٹھتا ہے اور
میں روشن ہوتو سارے راستے صاف نظر آنے
لگتے ہیں۔" رانیل ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے کہہ رہا

”ٹھیک ہے، خوب کھاؤ، پو، کھل کر مزے اڑاؤ، سموسے کھاؤ، چکن روسٹ بغیر ڈاکر کے ہضم کرو، بس کسی صورت میری یہ پرابلم حل کرنے میں میری مدد کرو۔“ فلک نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

”پلیز بھی تو کہو۔“ راحیل نے آنکھیں چکائیں۔

”پلیز راحیل جی.....“ فلک نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

”فکلی میرے بھائی میری موتی صل تو یہ کہتی ہے کہ ایک دم حملہ کرنے سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا۔ میری مامو تو پہلے چند دن مہمانداری کے مزے لوٹو، جو کہ تو مجھے بھی اوقات کرایا کرو۔“ نظر انداز کرتی ہے تو کہنے دو، تم بھی ٹوئس نہ لو۔ اس کے سامنے بی بی کے سارے رنگین پردہ گرام پوری دلچسپی سے دیکھو اور۔“

”تاکہ ماموں دوسرے دن کان سے پکڑ کر
گیٹ سے باہر کر دیں۔“ فلک نے جل کر کہا۔

”اچھا یہ لائن کاٹ دو، رشتیں پروگرام یہاں
آکر میرے ساتھ دیکھ لیتا۔“ راحیل نے شرخ
نظروں سے دیکھا۔

”میں تمہاری طرح تین مزاجیوں اور نہ
تین تین پروگرام دیکھنے کا شوقین، تم مجھے بگاڑنے کی
کوشش مت کرو۔ جو مسئلہ ہے اسے حل کرو، نہیں تو
میں جا رہا ہوں۔“ فلک نے قراری سے اٹھ کھڑا ہوا۔
”ابھی نہ جاؤ چھوڑ کر ابھی اصل مسئلہ اور حل باقی
ہے دوست۔“ رائیل نے چار سے فلک کا ہاتھ پکڑ کر

”یعنی پہلے زمین کا ٹکڑا ڈھونڈو، مل چلاؤں،
 سوں کے دانے بکھیروں پھر کراسے پر بیٹھ کر
 سوں کے بچوں کے لے انتظار کروں۔ یعنی.....“ فلک
 مایوس ہو کر بات نامکمل چھوڑ دی۔ اس کے وجہہ
 سے ہر فکر مندی اور پریشانی کے آثار تھے۔

”ہاں، کچھ ایسا ہی کرنا پڑے گا ابھی تو ٹھیکرہ کو
وہ کی خبر نہیں کھوئی۔“ راسل نے بڑا اکا ایک
اٹھا کر بیٹھ میں رکھا۔
”تم کہو گے تو شاید وہ بھی کرلوں۔“ وہ سیریس
نے کے باوجود ہلکے سے مسکرایا۔

”اس میدان میں بہت کچھ کرتا رہتا ہے۔ کوئی مٹی چلے نہیں کہ ایک سین میں ہیر و ن ہیر و ن کے ماسوں میں جیسی گلاس توڑتی نظر آتی ہے تو دوسرے میں شجرت پر جیسی اس کے ساتھ چنگ ڈھاری ہے، اور دوسری نظر آتی ہوئی ہے۔ یہ زندگی ہے جان زندگی سب کچھ اصلی۔“ راسل نے ہاتھ پٹری پلیٹ رکھ کر تپسی کا گلاس اٹھایا۔ فلک نے اس کے ہاتھ سے گلاس واپس لے کر میز پر رکھ دیا اور بولا۔

”تم کی بریس مکے میں بغیر کھانے پیے بات کر سکتے؟“

”شکر ہے کرتم آئے اور اس بہانے پر میاشیاں ملاں۔ ورنہ انی نے ہر چیز کو تالاکا کر چالی اپنے سے باندھ رکھی ہے، ایک گلاس مشٹرا پانی لیا ہوا ہوتا ہوتا سوئمن سے فریج کی چابی ملتی ہے۔“ وہ دلی انداز میں بولا۔

”بہت اچھا کرتی ہیں، کبھی آئینے میں اپنے کو دیکھا ہے، پورے فٹ بال لگ رہے ہو، انداز سے سن سوچنے سے زیادہ ہی ویٹ“

”فٹ سے اوپر ایک حملاکا۔“

رازدار بنانے کے منصوبے پر عمل کر ڈالا۔
 "میں کروفلگ جان درواقع خیال کر آؤں گا۔
 آنے سانسے خیر کرات کرو تو سوچ بچار کے رازدار
 نکالے ہیں۔ اسے اہم مسئلے فون پر توصل ہو نہیں
 سکے۔" ڈرائیبل نے بڑے پرامید لہجے میں سمجھایا۔
 "تو بس ٹھیک ہے، میں پتہ چاہوں گا کہ تمہارے
 رہتا۔" فلک کی آواز میں بھی کھنکھائی۔

جب وہ راحیل کے گھر پہنچا تو اس نے کمر جوڑا
استقبال کیا اور اپنے کمرے میں لے گیا۔ پہلے اور
اُدھر کی باتیں موسم کا حال سنانے کے بعد بڑے بڑے
کے انداز میں صوفے پر دونوں بازو پھیلا کر بڑے
خوش و ہمدردانہ انداز میں اس کی رودادیں سنا رہا تھا
سچی دہائی سے بولا۔

”اس سارے مسئلے کا حل یہ ہے کہ اگر وہ مجھ پر
جھانسی کی رانی بنی تو میں نظر انداز کر دیں ہیں تو تم
میںی پاؤ۔“
”یہ کیسے ہو سکتا ہے راجی، زندگی موت کا سوا
اور میںی پاؤ؟“ فلک کو مینے اپنے کانوں پر تین تہا
راشل جیسا مار دھاڑ سے بھر پور بندھ اور بڑا
مشورہ۔

”تو پھر اٹھاؤ نہ پہلا قدم سوچتے کیا اور
راجیل نے اسے مضبوط پا کر حوصلہ دلایا۔
”میں اور پہلا قدم یعنی.....؟“ فلک
اور کہا نہ کیا۔ راجی شاید اس مسئلے کی سنگین کو سمجھا ہی
تھا۔

”ہاں میرے دوست شیر جوان بنو اور اہل
پہلا قدم، ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ذرا حوصلہ
جذبے سے کام لو، ہمت دکھاؤ، جس خبر بچھڑی
گزر رہی ہے پہلے آہستہ آہستہ اس سے نکالو
مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔ عزم اور ہمت
ہوئی سے اتنی گاڑی چلادی برواں اس کی

فلک نے ایک گہری سانس لے کر
آنکھیں موند لیں جہاں ایک دل بٹا چہرہ
س کا منتظر تھا..... جم سا گیا تھا اور جو ہٹائے نہیں
ہٹا تھا۔

☆☆☆
لاہور آنے سے پہلے اس نے کیا کیا تہ سوجا تھا،
چوں کے کیسے کیسے رنگ برنگ تانے بانے
کئے۔ لیکن یہاں آ کر ہچا چکا کہ اس کے اپنے گھر کے
لے چھلکے آزاد ماحول کے بجائے، اپنے بستر
سکراتے چروں کے بجائے یہاں کے گھر کی فضائلی
مٹھی مٹھی سی۔ یہ سب گھر برسر تھا، تھے تو بے رنگین
ایسی سادے سے تانے بانے کئے جا بھی کوئی امکان
میں تھا لیکن وہ بھی اپنی قسم کا ایک نیا تھا۔ آج
میں توکل، ان نہیں تو اس سے اگلے دن بھی تو کوئی
برن چنکے گی، بھی توکل سکرانے گی اور اس بھی بھی
برادوں کے پیچھے کوئی اور ہی جہاں تھا۔ جانے کب
چنے دل سے اپنی سوچوں سے اپنے آپ سے لڑتے
تھے وہ گہری نیند کی خوب صورت دنیا میں بچ چکا

دوسرا وزن ہی آپ کی کتاب اور امیدوں سے
 ہر ایک پھر وہی طائر داریاں وہی خفیلن وہی فشی،
 وہی عراق وہی چلیئر چھارنکین خوشی اور راحت کی وہ لہر
 در در تک نہ گئی، جو وہ چاہتا تھا اس کا دل چاہتا تھا
 اس کا وہ شکر تھا وہی تو خفیلن لیکن بھیجی بھیجی ہی
 ہی، مردہ ہی، چاہی خفیل ہی غیر حاضر ہو گیا
 لیکن چاہی ہی پر خود خوشی اور محبت۔ سب
 روز روشن کی طرح آشکار ہو گیا کہ خواب خواب
 رہیں گے گوارہ دہم آگے لڑی رہیں گی۔ اس کا دماغ
 کے دوست کی طرح رہتا ہی گھر کا قاتلین پاکستان
 ہی ضدی ہی اپنی ضد پر اڑا ہوا تھا۔

180 ماہنامہ مکتبہ اسلامیہ — اپریل 2012ء

موسمی دیکھو، ساؤنڈ خوب زوردار ہوتا کھیلنے والے

سن سکیں۔ "راہیل نے مزید اضافہ کیا۔
فلک نے کچھ کہے بغیر موبائل آف کر دیا اور دل
شکستہ، مضطرب سا ہستہ بردار ہو گیا۔ بعض انسانی رویے

سامنے والے کو کس قدر پشیمردہ اور کمزور کر دیتے ہیں۔
 کہ سارے جو صلے ریت کے فوہر بن جاتے ہیں۔

موہاں بھابہ اس نے کوئی توجہ نہ دی اور ریل سے
بلیئر بحث کرنے یا اس کے کسی مشورے پر عمل کرنے
بغیر اب وہ بھی موڈ نہ تھا۔

اس نے اپنے آپ کو بہت تسلیاں دیں، بلیئر کو
چھوڑ دیا اور فرد کو کہہ کر میں جلی آگ خشکی کر
چاہی لیکن یہ سب وہاں تھا کہ بلیئر کی طرح کہہ
کر رہا تھا۔ وہ تھا کہ آنسوؤں کے بہانے خون کی
پونڈ بڑھ رہا تھا، اھر غم نہ تھا تھا کہ کہہ

کسی ریٹ ہاؤس چلا جائے اور سکون سے رہے لیکن

سب سے اہم یہ کہ اماں کو کیا بتاتا۔ ان کو تو بھئی

بھی کوئی جیتا تھا جو وہ جیت جاتا؟
یہ سارا قصور ہی میرا ہے۔ الگ تھلک رہو!

پچھلے کام سے کام رکھوں تو یہ پتے کر رہے ہیں تو بتا دے۔ وہ کتنی ہی دیر بستر پر پڑا اپنے آپ کو ہار لانا رہا۔ ارادے باندھتا رہا تو ڈھٹا رہا وہ دفعہ اول لکھانے کے لیے بلائے آیا لیکن اس نے بھوک نہیں

”کیا بات ہے بیٹے طبیعت تو ٹھیک ہے؟“

یافتا تو پڑا کھا لیا تھا۔ اب ذرا بھی گنجائش نہیں۔

”آپ تکلف نہ کریں ماما جی میں خود آ کر لے
اؤں۔“ وہ شرٹ ٹھیک کرتا ان کے ہمراہ اڈاننگ

کیا اس سارے معاملے میں اس کا کوئی قصور نہ تھا؟ آخر وہ اسے اتنا ہیست لگا کر لادے رہا تھا۔

”اس سے تو انکار نہیں کہ بہت لائق فائق ہے۔“

اور میں کیا ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا ہوں۔

علیؑ کو اسے کھانا پکانا تھوڑی کہتے ہیں اس سے اچھ

کیزہ ہے سب کی چاہت
سب کرتے ہیں اس سے محبت

لیوں پر سب کے دوڑتی مسکراہٹ
صرف اور صرف جلتے تنگ کی بدولت

شماره ۱۰۰

میں میں بہت کچھ پکا لیتا ہوں

ہاں کھانے کے بعد پکوڑے
ہیں، کوئی ضرورت نہیں آرا

زیر بحث ہے اس پر غور کرو کوئی حل تلاش کرو تا کہ یہ ہر وقت کی جھک جھک ختم ہو اور مجھے شافی ملے۔“ اس کا پھر اہوا دماغ بے تحاشا گر جا۔

”اور مجھے بھی۔“ دل نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

”ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو یہ واقعی مہابھارت سے کم نہیں۔ ہاں تو میں کیا سوچ رہا تھا؟“ اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

”کبھی اپنی صورت آئینے میں دیکھی ہے؟“ اب اس کا دماغ معاملے کی معنی سمجھانے پر مضمحل تھا۔

”صورت.....؟“ وہ یوں اٹھ کر بیٹھ گیا جیسے گرنہ لگا ہو۔

”ہاں یہ بھی تو ہو سکتا ہے آپ جناب اس کے معیار پر ہی پورے نہ اترتے ہوں۔ یوں بھی آج کل ماڈلز اور سنگرز کا زمانہ ہے، ایک سے بڑھ کر ایک اور تم ظہرے ایک عام سے سیدھے سادے انسان نہ مسائل کا پتا ہے نہ بدلتے ٹریڈ کا۔ آج کل کی یہ تیز طرار لڑکیاں دور بینی نظروں سے ایک ایک چیز کا جائزہ لیتی ہیں یہاں تک کہ ٹیبل میئر آتے ہیں یا نہیں، کھاتے کیسے ہو؟ نشو و نما کھاتے ہو یا ہاتھ کی پشت سے منہ پونچھ لیتے ہو۔“ سوالوں کی بوچھاڑ فلک کو بے حال کیے دے رہی تھی۔

”یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔“ فلک نے بے بسی سے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

”تو اب سوچو نا۔ اپنا تنقیدی جائزہ لو، اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔“ اس کے دماغ نے بڑے شانت انداز میں سمجھایا۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو بڑے میاں میں تمام تفصیلات چیک کر لیتا ہوں لیکن مجھے یقین تو نہیں آ رہا کہ میری کھوپڑی میں ایک ایسا بیجا بھٹ ہے جو میرا

ہی دشمن ہے، اب کیا کروں دوست ہے یا دشمن اپنا ہی۔“ وہ تیزی سے اٹھا اور ڈریسنگ کے کمرے آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا اور ناقہ اندازہ نظروں اپنا جائزہ لینے لگا۔

اس کی خوش خلقی اور قد کاٹھ کے تو لوگ گن کرتے تھے۔ اور بڑی باجی تو ہمیشہ کہا کرتی تھی فلک اپنی یہ دودھیار رنگت تھوڑی سی مجھے بھی دے دے۔ وہ تو دادا ابو، بابا جانی اور اماں کا ڈرنہ ہوتا تو ایک ملک کا نامور ماڈل بن چکا ہوتا اور معصوم معصوم نازک نازک لڑکیوں نے اس کے یہ بڑے بڑے پوسٹر اپنی الماریوں کے اندر چوری چوری لگا دیتے۔

اتفاق سے آج وہ بڑی اسٹائش سی نیلی جینز سیاہ سی بلیک ٹی شرٹ میں کہیں کا ٹورسٹ لگ رہا تھا اس پر نئے انداز میں کئے ہوئے ڈارک براؤن بال..... ہر نقش اللہ میاں کا بنایا ہوا شاہکار..... پھر کس چیز کی کمی تھی جو علیحدہ بی بی ایک نگاہ غلط انداز ڈالنا بھی گوارا نہیں کرتی تھی۔ اماں ہوتیں تو اس طے میں دیکھ کر پہلے تو ذرا گرم ہوتیں کہ کیا روز روز بدیسی پہناؤ ایسا لیتے ہو؟ پھر خود ہی نظر اتارنے کا سامان کرنے لگتیں۔

”پھر وہ تمہیں گھاس کیوں نہیں ڈالتی؟“ اس دفعہ ذہن کے کسی گوشے سے چبھتا ہوا سوال ابھرا۔

”جی تو سوال ہے میرے بھائی آخر اس ناچ میں کیا کمی ہے جو اس نے ماتھے پر نو لفت کا ان دیکھا اسکی لگا رکھا ہے۔ آخر وہ کس مٹی کی بنی ہوئی ہے کہ کسی نگاہ کا جادو کی مسکراہٹ کا طلسم، اخلاق کا سحر اس پھر کے صنم کو موم بنانے میں کامیاب نہیں ہوتا۔

”بہتر ہوتا اگر کسی سے مشورہ کر کے کوئی قدم اٹھاؤ۔“ اس کے ذہن میں کرن سی پھوٹی۔

”مشورہ.....؟ لیکن کس سے؟“ وہ حیران تھا۔

والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

”پڑا کی وجہ سے.....؟“ راحیل کو وہ کچھ تھکا

تھکا پُرخیال سالگا۔

”نہیں..... دراصل گھر سے نکلنے میں ہی دیر

ہو گئی تھی۔ امی کا فون تھا۔“

”ٹھیک تو ہیں آنٹی؟“ راحیل نے ہمدردی سے

پوچھا۔

”بس ذرا اداس ہیں۔“

”تو ایک چکر لگا آؤ نا.....“ راحیل بڑے

ایکسپرس انداز میں پڑا کاٹ رہا تھا۔

”ابھی نہیں، شاید دو ایک ہفتے بعد۔“ فلک نے

ایک کواٹر پلیٹ اٹھائی اور اس میں پڑا کا ایک سلائس

رکھ کر کچپ کی بوتل اٹھائی یہ سب کچھ وہ بڑے چپ

چپ انداز میں کر رہا تھا۔

”کوئی خاص مسئلہ ہے؟“ راحیل نے سنجیدگی

اختیار کی۔

”یوں تو کوئی خاص مسئلہ نہیں ہوگا، خاص کر

تمہارے لیے لیکن میرے لیے بہت بڑی پرابلم ہے

یعنی لائٹل مسئلہ.....“ وہ بڑے غور سے اپنے ہاتھوں کو

دیکھ رہا تھا۔

”یعنی کوئی پرابلم ستاری ہے باقی جو تم نے کہا

وہ تم ہی سمجھ سکتے ہو۔ تم مجھے بتاؤ شاید میں کوئی مدد

کر سکوں۔“ راحیل نے بڑے دوستانہ انداز میں اس

کا ہاتھ پکڑ کر کہا اور اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ

پچکپاتے ہوئے کچھ شہر مساری سے سارا واقعہ سنا ڈالا۔

”اور اب میں نے کہیں اور منتقل ہونے کا فیصلہ

کر لیا ہے۔“ یہ جیسے اس کا پکا ارادہ تھا۔

”ایک مقل اس قدر آسانی سے ہار مان لے وہ

بھی ایک کامیابی لڑکی ہے، ڈوب مرنے کا مقام

ہے۔“ راحیل نے غیرت دلائی۔

”وہ بھی کر سکتا ہوں، راوی کون سا دور ہے اور

”عالیہ بھابی کس دن کام آئیں گی۔“

”عالیہ بھابی؟“ وہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔

”نہیں یہ بہت جلدی ہو جائے گا، ابھی میں اور

راحیل جو تداویری جنگ لڑ رہے ہیں شاید اس سے کوئی

خاص خواہ نتیجہ نکل آئے۔ ورنہ یہ صورت دیگر عالیہ

بھابی تو ہیں ہی.....“ اس نے اپنے آپ کو تسلی دی۔

”یہ بھی ٹھیک ہے، کر لیتے ہیں انتظار.....“

اماغ، دل چکر سب دیک گئے اور اس نے ایک گہری

سانس لے کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

”راجی.....؟“ اس نے موبائل اٹھا کر نمبر

دیا۔

”ہاں کہو۔“

”میں ذرا تمہاری طرف آ رہا ہوں، مصروف تو

نہیں ہو؟“

”میری کیا مصروفیت ہوئی ہے بھلا.....؟“ وہ

بہا۔

”پڑا کا اسٹاک ہے یا ختم ہو گیا ہے؟“

”بس ختم ہی سمجھو۔“

”تو لے آؤں دو چار؟“

”نیک اور پوچھ پوچھ.....“

”اچھا..... بس پہنچتا ہوں۔“

”چنورا کہیں کا کھانے کے سوا کوئی کام نہیں۔“

فلک موبائل آف کرتے ہوئے بڑبڑایا۔

کچھ دیر بعد وہ راحیل کے ہاں پہنچا تو وہ دو چار

لام و گداز کشنوں کے سہارے بڑے شاہانہ انداز میں

بٹھا تھا۔ سینئر ٹیکل پر خوب صورت پلیٹیں لگائیں اور

پانی کی بوتلیں بھی تھیں۔

”بڑی دیر کی مہربان آتے آتے۔“ راحیل

ایک استقبالیہ منکراہٹ کے ساتھ دیکھ کر کہا۔

”بس ذرا دیر ہوئی گئی۔“ وہ اس کے سامنے

”یہ تم لاہور جا رہے تھے؟“ وہ انتہائی غصے میں تھا۔
”جی ہاں، اب پاکستان کا نور کرنے لگے ہو؟“ وہ انتہائی غصے میں تھا۔
”وہ کیفیت تھا کہ ان کے لہجے کی گری اور آواز کی کڑک سے فون ٹپس جل گیا۔ فلک بے چارہ گڑبڑا کر رہ گیا۔“

”دراصل وہ بابا، ماموں کہہ رہے تھے۔“
”ہاں، ہاں، مجھے بتاتے تھے تو ڈیڑھ پہلے ہی منظور کا فون آیا تھا۔ بچوں کی چٹپٹاں ہونے والی ہیں اس لیے آؤٹنگ کا پروگرام بن رہا ہے لیکن تم تو کھر میں گوارا جب کی طرف توجہ دو؟“ ان کا لہجہ بدستور آتی تھا۔
”اُئی وہ میرا بھی لائٹ ویک اینڈ ہے۔“ وہ یہ مشکل کہہ رہا۔

”اچھا؟“ اچھا ٹھیک ہے۔“ وہ بڑبڑائے۔
”سوری بابا، آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔“ وہ شرمساری سے بولا۔

”you better“ اور ساتھ ہی فون کھٹ سے بسمند ہو گیا۔
”ادھر میرے خدا!“ اس نے جلتے چھٹھناتے کانوں پر ہاتھ رکھ کر سر جھکا لیا۔ وہ تو قیمت تھا کہ وہ اپنے کمرے میں تھا۔ سب کے درمیان بیٹھا ہوتا اور ایسی ہیبت ناک مہماری سب کے سامنے ہوتی تو کیا عزت رہتی۔

کتنی ہی دیر وہ بیٹے کی پانچل سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا لیکن جذبات تھے کہ کھل پھل ہو رہے تھے شاید پاپا ٹھیک کہہ رہے تھے۔ بچوں کی تو چٹپٹاں تھیں اسے ساتھ بھی ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ اپنا دھیان صرف اور صرف کام پر ہونا چاہیے تھا۔ اس نے فوراً دل کا پوچھ بھکا کرنے کے لیے راتیں گدگد بھری داستان سنائی۔

”بھلے آئی تم سے یہ تھوڑی کہا تھا کہ استادوں سے مشورہ کیے بغیر ایک ہی جہت میں ہماری سرگرمیوں خیرہ عرب کو تیر کر پا کر لو۔ میرے بھائی نواز شاہ اور میرا بیٹا کے انبار ذرا آہستہ آہستہ لگاتے ہیں جال ذرا دیر سے دیر سے پیلا ہے۔“

”تا کر کیا؟“ فلک نے بے مہربانی سے اس کی بات کاٹی۔
”جب سزا عطا فرمایا تھا تو اس کے ساتھ احتیاطی تدابیر بھی بتائی جاتی تھیں۔ تاکہ روم کی صورت میں بندہ اپنا بیچا بچا کر سکے۔ جب لوگ ڈی وی ڈیز، میگزینز، چائینوفو، کباب پارٹی اور کتابوں سے خوش نہیں ہو رہے تھے تو کھیل بھائی کے ساتھ لے کر آؤٹنگ کا پروگرام بنایا۔ اس امید پر کہ کھڑی ٹھنڈی مچھر اور بری بھری دواہوں میں گھومتے پھرتے کوئی مائل بہ اتفاق ہو جائے اور یوں سرد مہری اور بے رخی کی دیواریں ٹوٹ کر جائیں۔ سیاہ بادلوں میں چھپا امید کا کوئی نفاذ تار اٹھنا نہ لگے۔“

”خدا کے لیے فلک میرا دماغ پتلی مت کرو، میں سب سمجھ گیا ہوں، میرا مطلب صرف یہ تھا کہ پہلے آپس میں مشورہ کر لیتے، پکا پروگرام سیٹ کر لیتے تو ہمیں شکایت کا موقع نہ ملے۔ اور انکل اسنے ہاتھ پر ہوتے۔ اور ہاں تم مجھے اتنی کاڈی کاڈی اردو بولا کرو کہ نفرت و دشمنی ہی پڑے۔ بالکل بالکل یوں کہ یہ کیا ہوا جھلکا؟ اور اوپر سے شرمناک بھی ہوئے۔“

ہو، سرد مہری کی دیواریں، سیاہ بادلوں سے جھانک ستارے، گھٹکھٹکھٹا بھی۔۔۔ کبھی ڈی وی پر موسم حال ستانے کا کوئی پروگرام تو جوائن نہیں کر لیا۔ راتیں نہ چوٹ کی۔

”میں بھی، بس آج کل ذرا غواغواہی کے معصوم سے جھولے جھالے میگزین سے استفادہ کرتے ہیں تو زبان و ذہن کا ساتھ دے سکے۔“

”کون سے میگزین؟“ راجل بے تاب نہ بولا۔
”کی بلندی یا پی میگزین ہیں۔“

”جہیں یہ کہاں سے ملتے ہیں؟“ راجل پھر ہلہوڑی سے بولا۔
”عموماً عالیہ بھائی کے کمرے سے اور کبھی کبھی بھائی کے کچے کے کچے سے۔“

”سہیل بھائی off all people“ راجل محبت سے بڑبڑایا۔
”وہیے ہر ایک انسان پر بھی مل جاتے ہیں، کبوتو تمہارے لیے بھی لا دوں؟“

”میں تو حیران ہوں آج کل کیا کیا کتنے سوچ رہے ہیں، فصل اردو، خواتین کے میگزینز، سرسبز ادا، سیاہ بادل۔۔۔ آپ پہلے تو ایسے نہ تھے؟“ راجل نے چیخا۔
”واقعی پہلے ایسے نہ تھے بس حضوری صحبت اور کھیل کا اثر ہے۔“

”ٹھیک کہہ رہے ہو میرے دوست، یا فلک ہماری ایک بات غور سے سونجھ کر نہ کرنا تمہارا کام ہے۔ سب کے چہروں پر دو دو آنکھیں نہیں دور بین ہوتی۔ بے اور سرور میں کمال کا بیجا۔ تمہاری طرف سے نہیں بھرا ہوا۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ فلک جی کہیں تمہارا بھانڈا سراہ نہ چوٹ جائے۔ تمہاری جگہ پکارتے بالی بھرائے کر بیان چاک کمال روڑی پر چلتے پھرتے نظر آؤ۔“

”کیا تم مطلب کی بات مختصر اور ذرا سیدھی نہیں کر سکتے؟“ جس کرواہی نے تعین کیا تم نے مجھے بالکل بھلا کر رکھا ہے اگر تم میرا مسئلہ حل کرنے میں میری مدد نہیں کر سکتے، مدد نہیں کر سکتے تو یہ سب سے بڑا تھوڑا۔ میں خود مرکب لوں گا ٹافک واقعی اٹھ کر آؤ۔“

مکھی ہوئی اک شام تیری ساگرہ ہو
آج کے روز تیری نظریا کروں جانان
جان تو پہلے ہی تیرے نام لگا رہی ہے
اسے میری جگہ کے تیرے تیری خاطر میں نے
اپنی ہراس کے ہونٹوں پر دھار رکھی ہے
جاہت ہو، خوشی ہو، تیرے دامن میں دکا ہو
مکھی ہوئی اک شام تیری ساگرہ ہو

اس دن کے تصور سے سونو جاگن انتظار ہے
اس دن تیرے قدموں میں مگر جاگن ستارے
اس دن یہ میری ذہن کا ترنہ کہہ دو
مکھی ہوئی اک شام تیری ساگرہ ہو
ہے آج کے دن تیری دعا بے نیکی ہوں
اگر وہ میری دعا تیرے بے نیکی ہوں
غم کی دنگی پھر دھان بے گناہ ہو
مکھی ہوئی اک شام تیری ساگرہ ہو

پروڑو ہاں وہ جا چلا ہوا رکھے
اللہ جہاں میں تجھے بٹھا ہوا رکھے
پوچھنا نہ تیری چاکوں کی بردا ہو
مکھی ہوئی اک شام تیری ساگرہ ہو
تو مجھے نہ تو میری طرح ناکام محبت
اچھا میری جان پر اتنا محبت
محبوب کی آنکھوں میں تمہاری ہی فضا ہو
مکھی ہوئی اک شام تیری ساگرہ ہو

جاہت کے کولوں سے بھی جذبات نہ کم ہوں
ایسے ہی کروں تو یہ دن رات نہ کم ہوں
اذا کہ سے عمر میری تجھ کو کھٹا ہو
مکھی ہوئی اک شام تیری ساگرہ ہو
شاعر: بلخیر احمد
مرسلہ: ایدہ عنید، ملاوٹا

”مسئلہ تم سے اکیلے حل نہیں ہوگا فلک، تمہیں میرے جیسے سائنے دوست کی ضرورت پڑے گی۔“

”راہیل تجھ کی سے بولا۔
”ضرورت ہے تو تمہارے سامنے دامن پھیلایا ہے۔“

”اب میرے سامنے دامن پھیلایا ہے تو اس میں کچھ نہ کچھ تو انہی بڑے گامشوروں کے پھول، نصیحتوں کی کھیاں..... تپائے.....“

”آگے نہ اپنی اوقات پر..... پھول اور کھیاں کے بعد آگے باتوں پر..... کوئی نہ کوئی کھانے پینے کا ڈر نکال ہی لیتے ہو۔“ فلک نے اس کی دھکی رگ پر ہاتھ رکھا۔

”اب اتنا تو حق مٹا ہے تایار.....“ راہیل ڈھٹائی ہے ہنسا۔

”جسکی انسان مبر بھی کر لیتا ہے، تصور میں ہر وقت دیکھیں چڑھی رہتی ہیں۔“ فلک نے جھکا۔

”اچھا..... اچھا اب اپنا پریش زیادہ نہ بڑھاؤ، میں تمہارے ہی مسئلے کو کبہر ہا ہوں، کل کو کہیں یہ نہ دو کوئی دیکھتی تھی۔“

”اور وہ.....“ فلک نے تقریبا۔

”معاذ سے میں آنکھوں کا ڈر کر رہی ہوں، بس کہنا یہ ہے کہ احتیاط لازمی ہے۔ ابھی تم بھی نہیں ہو اور وہ مختصر بھی وہ نہ سنائیں۔“

لے میرے تجربوں سے سبق اے میرے دوست وہ ایک سال عمر میں تھے سے بڑا ہوں میں ”اسنے پیارے شمر کو پس بے موقع پڑتے ہوئے شرم تو نہیں آتی اور کم سن بچروں کی بات کر رہے ہو مگر تو کیجئے تھے ابھی تم درپہلیم ہو طفل کتب ہو اور خیم مجھ سے دو سال بڑے کب سے ہو گئے؟ مجھ سے پہلے سے تین سال بڑے ہو پیارے جب میں بچہ کی میں تھا تو تم..... اس وقت فلک نے

”ابھی تم بھی نہیں آتی اور کم سن بچروں کی بات کر رہے ہو مگر تو کیجئے تھے ابھی تم درپہلیم ہو طفل کتب ہو اور خیم مجھ سے دو سال بڑے کب سے ہو گئے؟ مجھ سے پہلے سے تین سال بڑے ہو پیارے جب میں بچہ کی میں تھا تو تم..... اس وقت فلک نے

”ابھی تم بھی نہیں آتی اور کم سن بچروں کی بات کر رہے ہو مگر تو کیجئے تھے ابھی تم درپہلیم ہو طفل کتب ہو اور خیم مجھ سے دو سال بڑے کب سے ہو گئے؟ مجھ سے پہلے سے تین سال بڑے ہو پیارے جب میں بچہ کی میں تھا تو تم..... اس وقت فلک نے

خوب آڑے ہاتھوں لیا۔
”اچھا بابا جان بخشو، غلطی ہوگئی مجھ سے جب بے لگائی میں تھے تو کلاس فور میں تھا۔ بس اب خوش.....“

”جیسے تجربوں کا نہ کبھی مشاہدوں کا تو علم ہے، چدر دیکھو لاسٹوری چل رہی ہوتی ہے، اندازہ تجریے کے بغیر بھی بہت کچھ سیکھ لیتا ہے، انسان کہاں تک اپنے آپ کو بچا سکتا ہے؟“

”تم حق کہتے ہو راجی، انسان اپنے ارد گرد کے ماحول سے بہت متاثر ہوتا ہے۔ اب کوئی آخری شاپ..... کوئی نصیحت، کوئی مشورہ..... ا

”کیسی باتیں کرتے ہو فلک؟“ راہیل نے اس کے شانوں کے گرد بازو پھیلا کر پیار سے کہا۔
”اوکے، اللہ حافظ۔“

”اللہ حافظ ڈیر فریڈ۔“

☆ ☆ ☆

وہ کالج سے چھٹی ہاری گھر پہنچی تو کمر میں جیسے زلزلہ آیا ہوا تھا یا شاید اس کی غیر موجودگی میں کہ والوں نے کہیں اور شغف ہونے کا منصوبہ بنالیا تھا۔ ناقابلِ فہم سی افرا تفری کا ماحول تھا۔ سفری کیا کر

موت کیں، ٹیکٹس، شائیں، سونے، مبل، گارگر غرضیکہ ہر قسم کی بے موسی چیزیں ملتی صوب کا سرو لے رہی تھیں۔ ایک طرف کلر، کلین کی کوئی گاریاں، فولڈنگ کچیر اور پتا نہیں کیا کیا..... اس کی فکر

میں کچھ نہیں آیا۔ اس پر بچوں اور بڑوں کی یکساں آمدورفت چکن اور ڈانک روم میں تو جیسے فسادات برپا تھے۔

پچھتھوں میں کیا ماجر ہو گیا تھا۔ اس کی فکر میں کچھ نہیں آیا۔ ایسے سے میں جب وہ لڑکی صوب میں کھڑی کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ دھڑ..... سے داخلی دروازہ کھلا اور سکیل اور فلک کی

لہر اٹھائے آدھی طوفان بنے پاس سے گزرتے گارن بھی بچن کی طرف تھا۔
”بھیا، خیریت، کون آرہا ہے؟“ سلام کے بعد

”اے ان کے ہاتھوں سے دو مین شاپر بکڑے۔“
”کوئی نہیں آ رہا بلکہ ہم جارہے ہیں۔“ سکیل

”اے چکرارے سے مختصر کہہ کر آگے بڑھ گئے۔“
”بہن! ہم جا رہے ہیں؟“ نہ چاہتے ہوئے بھی

اسے فلک سے پوچھ پڑا۔
”دراصل بچوں کی کل سے پٹھان ہیں اس لیے فلک کا ذرا تعطلی پروگرام ہے۔“

”فلک میں فلک اتنی نا اعتمادی دے سکا۔ ایک تو گری نے جیسے سچ کہا اب بنایا ہوا تھا۔ اوپر سے علیہ کا غیر متوقع سامنا اور براہ راست سوال لگتا ہاتھوں وحواس رخصت

ہوئے تھے پلٹ جواب دینا اندرونی جذبہ اور گرمی سے سرخ چہرہ لیے وہ بھی بچن کی طرف بڑھا

”کیا.....؟“
”جہان پریشان علیہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”آپ بھی تیاری کر لیں۔ علی الصباح روانگی ہے۔“ اس نے جاتے جاتے کہا۔
”جی میں سمجھ گئی۔“ علیہ نے سکیل کے ہاتھ

لے لیے شاپر بھی فلک کو پکڑاے اور بچن کی طرف جانے کے بجائے اپنے کمرے گارن کا باہر کی

سات کمرے کی ڈرے فندی فضا میں سانس لی تو ہاں میں جان آئی۔ چل ادا کر ایک طرف چھپتے اور

فلک کے کونے پر تک بیٹھی۔ ایک تو کاج آئے جانے کی صحن اس پر جسم کی ہڈیاں بچھلائی ہوئی گرمی اس پر

لے والی ڈانک کا مستودہ فحش فیشن میں تھی۔

سب سے بڑی براہ فلک کی تھی۔ اب پتا نہیں

تے ہر وقت کا ساتھ رہے گا۔ اس کی بھی کھانوں

کیر آؤ ہوگا۔ ذریعہ گفتگو میں شامل کرنے کی آن

تک کوشش ہوگی اس پر عالیہ بھائی کی آنکھوں کی

چٹکائی اور بھی اماں کی تنبیہ نظروں کا حصار دیکھے سچا

پائے کی اپنے آپ کو ان سب سے؟ یہاں تو وہ بچن

شیاں میں اپنے کمرے میں مقید ہو جایا کرتی تھی۔ واپسی

سا آنا سامنا ہو جاتا تھا اور بات چیت نہ ہونے کے

برابر لیکن اب تو ہر وقت کا ساتھ ہوگا یا قاعدہ مہمان

نوازی ہوگی خاطر پوشع الگ، الگ صلیک رہتا،

سردھوئی سے پوش آتا۔ سب کے سامنے کیسے ہوگا؟

خیر اب جو ہو ہو سزے لڑنے کا کیا فائدہ؟

وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھی کہ عالیہ بھائی کا

بلواؤ آگیا۔ وہ اسے مدد کے لیے بلاری تھیں۔ اس

نے واٹ روم میں جا کر منہ پر پانی کے چھینٹے ڈال کر

اپنے آپ کو زار مار ڈال کیا۔ ہاں کو اور دھڑا دھڑے

اور وہ پتا درست کر کے ہونے کمرے سے باہر آگئی

جہاں وہی شور و ہنگامہ برپا تھا۔ ہر کوئی کسی سے اپنی

چیز کے متعلق پوچھ رہا تھا۔ جیسے چند دنوں کے لیے نہ

جارے ہوئے کھیں نقل مکانی کر رہے ہوں۔

عالیہ ہر ایک کو ہر چیز کا پتا بتاتے بتاتے ٹھک

چکی تھی۔ اس لیے علیہ کو چھوٹے ہی سب کچھ چھوڑ چھوڑ

ایک اسٹول پر تک گئی۔ علیہ نے عالیہ کا چارج سنبھال

لیا۔

”بھائی آخر بیٹھے بیٹھے ہی شوش اٹھایا کس

نے..... سب کام پلان بنا کر کرتے تو اتنی آفت تو نہ

چھٹی۔“ علیہ شکایتی ہوئی۔

”شوشہ کس نے اٹھانا تھا، یہ سب کیا دھرا ان

چپوں کا ہے۔ اسکول سے واپس آتے ہی ماموں جان

کے گرد ہو گئے میں کہیں لے چلیے۔ ہماری پٹھانیاں

ہوئی ہیں۔ ہمارے سب فریڈز جارہے ہیں کس

اٹھے چلیے..... ان بچاروں کو کب تک یہ حال کر دویا۔

ایک ندی آخر ممان کی ہوا میں لے جا کر بے پاؤں

دیکھ دوں گے لیے گھر سے کتنا کتنا مشکل ہے۔“

ماہنامہ سدا بکیرہ۔ اپریل 2012ء

182

رہی ہو۔ اس کو نئی زندگی کی راہ دکھا رہی ہو۔

مسکراہٹ آگئی۔

پھر کوئی خواب بتو

”خیر اور فلک... کیا کشمکش ہے۔ میں بھی اکثر ساری حدیں پار کر جاتی ہوں۔ بے جا رہ فلک اب اتنا مجھ پر راہیں ہے۔“ اس نے اپنی سرکراہٹ دبا کر ہنسے۔

”تو اس کا مطلب ہے فلک، تو قیصر اور تو خیر سے اچھا ہے۔“ معصوم نے دل سے سرگوشی کی۔

وَأَمَّا

اور اس کا دل گم صدمہ سا ہو گیا۔

”ہاں سب ایک سے ہوتے ہیں چھر میں کسی کا
آنکھوں کے خاموش پیغام کیوں پڑھوں؟ کسی کا
الفاظ بجز اچھے کیوں تھاموں؟ بچرے خوابوں کی
بستی کیوں آباد کروں؟ کھٹوں اراموں کی ان تکیوں
کے پیچھے کیوں سرگرداں ہوں جو ایک پہلی جہنم
ظہر تھیں۔ کیوں کسی کی دستک پر دروازہ
کھولوں؟ کیوں اندر آنے کی اجازت دوں؟ کیوں
خیر مقدم کروں؟ کیوں چاروں کے کھیل کو حقیقت کا
روپ دوں؟ نہیں..... یہ نہیں ہوگا مجھ سے..... کبھی
نہیں ہوگا۔ اس دل کے دروازے پر انا کی زنجیر پڑی
ہے جو نہ کھلے گی نہ ٹوٹے گی، چاہے دستک دینے
والا فلک ہو یا آتش، آسمان ہو یا عرش۔ یہ دروازہ
ہیش ہیش بند رہے گا۔ ہیش..... ہیش..... ہیش.....
وہ جانے کنزادوں میں رواں دواں تھی، کنز
گہرائیوں میں غرق تھی کہ اچانک ایک کسا سچا کھٹنے سے
چونک پڑی۔ تکیوں کا ٹرایاں ایک لائن میں کسی ہوئی
تھیں۔ یہ جوتی بڑی آوازوں کا کلا طاشور رہا تھا۔

ی، شالیں،
سہیل انکل، شالیں
اموں جان، شالیں

”وہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ زندگی ایک امانت ہے، اس کی حفاظت کرنا میرا اولین فرض ہے۔ میری زندگی میرے والدین اور اولیائی بہن سے جڑی ہے اور مجھے یہ صروت ہے کہ زندگی کے سب سے اعلیٰ نے میگزین بن کر کے اپنے قریب رکھ لیا۔ زندگی کے فارغیوں میں خوش رنگ چھوٹے چھوٹے میگزین زندگی کے کتنے بڑے بڑے کسکادیتے ہیں۔ تاریک راہوں میں نئے نئے چراغ روشن کر دیتے ہیں۔ وہ ہاتھ میں پکڑا میگزین دلوں ہاتھوں میں دبا کر رکھو یہ ہمارے ہاتھوں کے دھڑکنے کو دیکھ کر تھی۔ گلے کی ٹھن سے سانس لینے دشوار تھی اور کچھوں میں جھگڑا بھی برپا تھا۔“

”اب میری زندگی میں ہے بھی کیا۔۔۔ نہ وہ آرزو میں نہ خواب سبھی کچھ توبہ باد ہو گیا۔ دل کی ستیری خواہشیں اور آنکھوں کے جھمکنے خواب اسی دریا بہ رہے ہوتے جسے دن تو قبر نے گلاب بن لی تھیں، طور پر طر پلے تھے اور پھر یہ کہ جا کر کسی اور سے شادی کر لی تھی۔“ مثنوی کا خوب صورت اور معصوم سا رشتہ توڑ کے نہ صرف اربانوں بھرا دل توڑا بلکہ شفاف پیشانی پر سرو انیس اور بدنامیوں کی سیاہی بھج مل دی۔ ”شاید لوگوں کے لیے مثنوی کا رشتہ ایک مکمل یا معمولی سا رشتہ لگتا ہو لیکن علیٰ جمعی خود دارد... اور غیرت مند لڑکی کے لیے موت سے کم نہیں تھا۔ ٹھکانے جانے کا احساس یا کسے سے جاننے کی چوٹ تو زندگی کی سب سے گہری چوٹ ہوتی ہے۔

”اب میرا مقصد حیات صرف اور صرف اپنے
پیاروں کی خدمت ان کی دلجوئی اور دیکھ بھال کر
ہے۔ اب میری زندگی میں کوئی تنخواہ یا فلک نہیں
آسکتا۔“ اور پھر اس کے ہونٹوں پر بے اختیار ہلکی

کائنات کا حسن چھپا نہیں پڑتا۔ چاہے انسان اندر
 زور زور پڑے ہو جائے کچھ بھی نہیں بدلتا۔ وہی شب
 و روز، وہی معمولات، وہی رنگ بدلے موسم، وہی
 دُستے دریاں، وہی فرائض سب کو ساتھ لے کر زندہ
 رہتا پڑتا ہے۔ زندگی اللہ تعالیٰ کی وہی امانت
 ہے جس کی حفاظت ہر انسان کا فرض ہے بس اپنے
 حوصلہ، ہمت اور توجہ برداشت کوئی قوت دینی چلتی
 ہے۔“ محبت نے کسی اساکری طرح سمجھا۔
 ”اور یہ سب کہاں سے آئے گا۔ بلند حوصلہ، ہمت،
 ہمت، وغیرہ آئے گا کسے؟“ روحانہ طرز ابولی۔

”کوئی مشکل نہیں، صرف اپنی سوچ بدلنی پڑتی ہے۔ اپنا زاویہ نگاہ بدلنا پڑتا ہے۔ ہاشمی کا یو جھوٹا چمک کر آج کل میں تازے پھول بھرنے پڑتے ہیں۔ بس ذرا اپنے آپ کو بدلنا پڑتا ہے۔ ٹوٹے خوابوں پر آنسوں بھانے کے بجائے نئے خواب بننے پڑتے ہیں۔“ گہمت جانے کو سلفہ سہماڑی تھی۔

”لیکن کیوں؟“ روحانہ جیسے کہتے
پڑے۔ ”یہ تبدیلی میں ہی کیوں لاؤں؟ میں خود کو
چھوٹی، چھوٹی، زخموں، رساتیوں اور دلتا کیوں کے سیاہ
رنگ میں رنگی ہوئی، میں ہی کیوں یہ سب کروں؟“
”صرف زندہ رہنے کے لیے اور اللہ کی دی
ہوئی امانت زندگی کے لیے ہر دکھ پر کھلے ساتھ زندہ
رہنا انسانیت کی معراج ہے۔ اس کی سرخروئی ہے،
اس کی عظمت ہے۔“

لنگرہ نمبر

جھلک اس کی دیکھ کر اپنے آپ کو مطمئن کرنا چاہتا تھا۔ چشمہ اس کے کہ عالیہ شرارتی نظروں سے چھپے، ہنسنی علیحدہ ہاتھوں میں چکرا میگزین کو دل کراڑھوں کے سامنے دکھایا۔

”اچھا ہوا مسلمان اونٹنی بھی وقت پر پہنچ گئے۔“

”سبیل نے گاؤں میں سارٹ کر رہے تھے۔“

”مہم بھی مس کر رہے تھے یا۔۔۔“ علیحدہ

کے ساتھ بیٹھنے پہنچے ایک زبان بولے۔
 ”چلو اچھا ہے۔ آپ کو بھی کچن مل گئی۔“
 سہیل نے جواب دیا۔
 علیہ چمن سے بچوں کی باتیں سنتی رہی پھر ہاتھ
 میں پکڑنے لگیزین کے کھلمتات میں سم گم ہو گئی تھیں
 ایک دلچسپ ہی نہیں پُر فکر بحث چل رہی تھی اور
 حسب حال تھی۔

”میں جانتی ہوں خارو کی بے وفائی نے مجھے
گہرا صدمہ پہنچایا ہے۔“ نگہت ہر داندہ بولی۔
”ہاں اس کی بے وفائی میری آرزوں،
ارمانوں اور خوابوں کی موت تھی۔“ روحانہ بہ مشکل
کہہ سکی۔
”میں جانتی ہوں یہ درست ہے مگر قدرت کے
کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے؟ یہ جو ہے دُغم
سب نصیب کی بات ہوتی ہے۔ انسان تو صرف مہر
کر سکتا ہے۔“ نگہت نے پیار سے اسے اپنے ساتھ
لگایا۔

”ہاں، یہ سب قسمت کے کھیل ہیں لیکن چوٹ دکھ تو دیتی ہے، دل تو خون کے آنسو روتا ہے۔ انسان کب تک اور کب جبر کرے۔“ روجانہ کے آنسو تھم ہی نہیں رہے تھے۔

چپ رہنا ہی مناسب سمجھا کیونکہ ایسی بچوں کا کوئی اشتہا نہیں ہوتا تھا۔
ابھی بے مشکل ایک کلومیٹر ہی چلے ہوں گے کہ گاڑیاں پھر رکنے کے انداز میں سولہ بنو گئیں۔ سبیل نے اشارہ کر کے بتایا کہ گاڑی سڑک کے کنارے پروں گئیں۔
”کیوں بیٹے خیریت؟“ ماموں فکر مند ہی بولے۔
”آپ نے پھلوں سے لدے یہ اسٹال نہیں دیکھے؟“ سبیل نے تردید سے، شاداب اور رنگ برنگ سبب پھلوں کی طرف اشارہ کیا۔
”کیا سہری سہری آؤ وہیں اور سب تو دیکھ لگتا ہے جیڑ بیڑ بھی۔“ ماموں خوشی سے پھولے نہیں۔
”یہ گرمیوں میں گرم شالوں کی خریداری میری سمجھ سے تو باہر ہے۔“ ماموں سخت چلے ہوئے تھے۔
”مکی تو یہاں کی سوغات ہے، ٹکٹ دینے کے کام آتی ہے۔“ ممانی نے دوپٹا درست کرتے ہوئے پرس سنایا۔
ابھی پڑول بھڑوانے رکے تھے تو بیچ ساری ٹکٹ شاپ ہی اٹھلائے تھے۔ ذرا سنایا کہ ابھی آگے خرچے ہی خرچے ہیں۔“
”کسی کو خوش دیکھنا تو آپ کو آتا ہی نہیں۔“ ممانی بڑبڑا گئیں۔
آدھ ٹکٹنے کی مسلسل بک بک جھجک کے بعد سن پند شالوں کی خریداری مکمل ہوئی۔ شاپرڈی میں رہنے لگے اور سارا خاندان خوش خوشی آگے کو روانہ ہوا۔

”قالتین بھی اچھے دے رہا تھا۔ خاص کر وہ ایل گرین اور خان کھوا، امیر واپسی پر دیکھو گی۔“ ممانی نے اپنی سانس درست کرتے ہوئے کہا۔
”تو یہ ٹیکہ کام بھی آن کرہا ہوتا۔ میرا کیا ہے میں بس پر آجاتا۔“ ماموں نے طرہ کہا ممانی نے سالگرہ نمبر کیا۔
اپریل 2012ء

جلدی رکیں، جلدی اتریں
”آپ نے پھلوں سے لدے یہ اسٹال نہیں دیکھے؟“ سبیل نے تردید سے، شاداب اور رنگ برنگ سبب پھلوں کی طرف اشارہ کیا۔
”کیا سہری سہری آؤ وہیں اور سب تو دیکھ لگتا ہے جیڑ بیڑ بھی۔“ ماموں خوشی سے پھولے نہیں۔
”یہ گرمیوں میں گرم شالوں کی خریداری میری سمجھ سے تو باہر ہے۔“ ماموں سخت چلے ہوئے تھے۔
”مکی تو یہاں کی سوغات ہے، ٹکٹ دینے کے کام آتی ہے۔“ ممانی نے دوپٹا درست کرتے ہوئے پرس سنایا۔
ابھی پڑول بھڑوانے رکے تھے تو بیچ ساری ٹکٹ شاپ ہی اٹھلائے تھے۔ ذرا سنایا کہ ابھی آگے خرچے ہی خرچے ہیں۔“
”کسی کو خوش دیکھنا تو آپ کو آتا ہی نہیں۔“ ممانی بڑبڑا گئیں۔
آدھ ٹکٹنے کی مسلسل بک بک جھجک کے بعد سن پند شالوں کی خریداری مکمل ہوئی۔ شاپرڈی میں رہنے لگے اور سارا خاندان خوش خوشی آگے کو روانہ ہوا۔

”قالتین بھی اچھے دے رہا تھا۔ خاص کر وہ ایل گرین اور خان کھوا، امیر واپسی پر دیکھو گی۔“ ممانی نے اپنی سانس درست کرتے ہوئے کہا۔
”تو یہ ٹیکہ کام بھی آن کرہا ہوتا۔ میرا کیا ہے میں بس پر آجاتا۔“ ماموں نے طرہ کہا ممانی نے سالگرہ نمبر کیا۔
اپریل 2012ء

”ارے نہیں بیٹے تم فکر نہ کرو، جہاں رہنا صرف مجھے آزادی ہیں۔“ اور پھر یونہی جھپٹ جھاڑ اور بی مذاق میں یہ سزا جی منزل کی طرف رواں دواں رہا۔ اب جن راستوں پر یہ چھوٹا سا قافلہ چل رہا تھا، وہ سرسبز معطر اور فرحت بخش تھے۔ جھلسی ہوئی سڑکیں گرد و غبار سے اپنی ہوا میں اور دم سخت کر دینے والی کرتی بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ سب کے چہرے شاداب اور طبیعتیں چوچھالی تھیں۔
ادھر جس طرح پتھر اندر ہی اندر اپنی سوچوں میں گم تھی۔ کبھی جو ہوگا دیکھا جائے گا کہ مصداق سب کچھ بھلا کر دیگر جن کے صفات میں کھوجا پاتی بچوں سے جی مذاق کرتے لگتے۔ کبھی عالیہ اور سبیل کے ساتھ کسی بحث میں الجھ جاتی۔ اسی طرح دوسری طرف فلک ماموں ممانی کی ٹوک جھوک اور یوڈک کی ہلکی لہروں پر بہتے ہوئے اندر جانے اپنے خیالوں کی وادی میں گم

تھا۔ دو تین بار اتفاقاً آیا ہوا تھا کہ اس نے علیہ بچوں کی کسی بیماری یا بات پر ملاحظہ ہوتے دیکھا تھا یا کھر کے کسی فرد کے ساتھ کھلتے سے بٹنے مگر اسے پایا یا اس کے چوت ڈوہ دل کے کسی کوٹنے سے ہلکی لہر ابھر کر جب اس کے خوب صورت ہونٹوں کو چھو جاتی تو اس کی آنکھیں بے اختیار ایک نورانی چمک سے لبریز ہوجاتی تھیں۔ جس کا صاف مطلب تھا کہ اس کے دل کا دروازہ گلزشتہ جاں لیوا طوفان کے بعد بھی مکمل بند نہیں ہوا تھا۔ کہیں نہ کہیں ہلکی سی درجہ باقی تھی، یہاں سے نکل کر کوئی بھولی بھلی کرن اس کے لبوں کو چھو جاتی تھی۔ کسم کسم آنکھوں میں ہی جوت سی جھللائے لگتی تھی۔ یعنی ابھی امید کی رتن باقی تھی۔ شاید اسی کی ان ٹھک کوشش سے اس کے جذبہ رازخ سے کچی گلن سے وہ بے نشان ہی درجہ بھلا اور او ہوجائے اور اس کے دل میں ہی پیاری کوٹھیاں

مجموعہ ناولات کی پہلی کتاب
اپریل 2012ء
کی دوشمیر

مجموعہ ناولات کی پہلی کتاب
اپریل 2012ء
کی دوشمیر

جنوں • مشرق کی فدا ہیں سب کھیلوں پہ پتلی کی شمشاد کلشفریو کی تحریر

مغرب کے نالے انداز • مہربان بانی شمشاد کلشفریو کی تحریر

کر داب • پتلی بانی شمشاد کلشفریو کی تحریر

لکار • طاہرہ جواد مغل کی تحریر

سورج کی کھانیاں

دیوانگی • محبت کی کھانیاں کی تحریر

کھانیاں دکھانی • سب کچھ کھانیاں کی تحریر

اپریل 2012ء

راستے سے داخل ہو کر علیحدہ کمرہ چائے
دل کو گل و گلزار کر دے۔ پھر بہار

کر دے؟

”کیا ایسا ہو سکتا ہے؟“ اس نے اپنے آپ
سے پوچھا۔

”کیوں نہیں؟“ اس کے دل سے ایک
آواز ابھری۔ ”جب کسی کے فلوڈی ہینڈوں
دودھ کی جہریں نکلتی ہیں تو تمہارے چٹائی ہینڈوں
کی شدت سے ان مٹ ارادوں سے نازک نازک
سے کواڑیوں تک کل سکتے؟“

”مفروضہ کل سکتے ہیں، مگر صرف مہربانیاں و اشتیاق،
جرات اور لازوال ہمت کی ضرورت ہے۔ ساتھ میں
آن تک حوصلہ اور بے پایاں ہنڈ بھونڈ بھونڈ جیت جیت
ہوگی۔“ اس کا دماغ آج دل کا ساتھ دے رہا
تھا۔ پارٹیاں بدلنے میں تو دونوں کو کمال حاصل تھا۔

”فلک بیٹے کن سوچوں میں شگم ہو؟“ اپنا کب
ماموں کی آواز نے اس کے خیالات کی سنہری ڈور
کاٹی دی۔

”کچھ بھی نہیں ماموں بس یونہی.....“ وہ کوئی
معتول جواب نہ دے سکا۔

”مفروضہ بھی سوچ رہے ہوں گے اس گلی کو
رہتی گلی کیوں کہتے ہیں اور اس کا مطلب کیا ہے۔“

بیچے سے کوئی بولا۔

”تو واقعی سوچنے کی بات؟“ فلک نے ذرا
سارخ پھیر کر بیچے چلتے چلے دیوں کی لائن دیکھی۔

”نیکو میں سمجھتا ہوں، عام فہم زبان میں رتی
یا رتہ سرخ رنگ کو کہتے ہیں۔“ ماموں منصور نے تھمید
بانٹ دی۔

”لیکن یہاں تو سبز ہی ہر رنگ ہے۔“ بیچے
سے گویں میں آؤ فرما آئیں۔

”آج پکا یقین ہو گیا کہ ان بچوں میں کوئی کڑ
ہے۔“ ماموں منصور نے کہا۔

”ماموں کل کر رہے۔“

”اللہ نہ کرے۔“ ممانی جو سیٹ پر سر رکھے
شاید سو گئی تھیں چونک کر بولیں۔

”یہاں ایک ایسا موسم آتا ہے جب سارے
درخت سرخ پھولوں سے بھر جاتے ہیں اور جب وہ
پھول زین پر گر جاتے ہیں تو یوں لگتا ہے سرخ
پھولوں کی چادریں پھٹی ہوں۔ اس لیے اس جگہ کو کوئی
گلی کہتے ہیں اور جہاں ہم جا رہے ہیں جہاں اگل
کمال احمد کا خوب صورت گھر ہے اس جگہ کو ریشم گلی
کہتے ہیں۔“

”کیا وہاں ریشم پھول ہوتے ہیں؟“

”نہیں میری جان، وہاں دراصل شہتوت کے
درخت ہوتے ہیں۔ جہاں ریشم کے کیڑے ان
درختوں پر رہتے ہیں اور ان بیڑوں کے ہرے
بھرے پیٹے کھا کر زندہ رہتے ہیں اور ریشم کا دھاگا
بناتے ہیں۔ جن کو کچ کر کے کارخانوں میں بیچ دیا
جاتا ہے اور اس ریشم سے ریشمی پیراجیا بنے اس لیے
اس جگہ کو ریشم گلی کہتے ہیں۔“ ماموں نے پوری تفصیل
سے سمجھایا اور پھر اس علاقے اور خاص مقامات کی
خصوصیات بتاتے بتاتے سڑک کا اختتام ہو گیا اور منزل
پر پہنچ کر سب کو یوں لگا جیسے وہ کسی اور دیں میں
آگے ہوں۔ جنت میں آگے ہوں۔

☆☆☆☆

کمال احمد ماموں منصور کے اُن دورے
دوستوں میں سے ایک تھے جو زندگی کے الگ الگ
شعبوں میں کام کرتے ہوئے الگ الگ راہوں پر
چلے ہوئے درمیان میں قائلے ہوتے ہوئے بھی ایک
دوسرے سے رابطہ رکھتے ہوئے تھے اور جب ایک
تہجی دہرہ کو بچوں کی بلغار سے گھیر کر منصور ماموں
کے کمال احمد کو فون پر ریشم گلی جا کر دو چار دن وہاں
ٹھہرنے کی خوش خواہی ظاہر کی تو کمال احمد کی خوشیوں کا

کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ آج پہلی دفعہ ان کے گھر کی دوست
نے ان سے کچھ مانگا تھا۔

”بس زیادہ سے زیادہ تین چار دن ہی رہ
پائیں گے۔“ منصور ماموں نے انکار دی کہا۔

”اپنی دور سے آؤ گے تو صرف تین دن، یہ تو
کوئی بات نہیں ہوئی نا۔“ کمال احمد نے ٹھکانا کہا۔

”اب سالوں بعد نکلے ہو تو بچوں کو خوب کھاتے
پھرتے۔“

”وہ تو تم شیک کہتے ہو بس کا دل چاہے گا پُر فضا
مقام چھوڑ کر واپس لاہور آئے لیکن تم تو جانتے ہو
سکیل کی جاب ہے، فلک اور علی بھی تعلیم کے سلسلے
میں مصروف ہیں۔ اس سے زیادہ کا stay ممکن
نہیں۔“

”بس شیک ہے مانی فریڈ جتنا چاہو آرام
سے رہو۔ تمہیں، بھائی اور بچوں کو کوئی تکلیف نہ
ہوگی۔ تمہاری دیکھ بھال کے لیے ہرگز مولا بندہ وہاں
موجود ہے۔“ کمال احمد نے پورے وثوق سے
جواب دیا۔ منصور ماموں نے تول سے فلک پر ادا کیا
اور فون رکھتے ہی اب کو فوری تاری کا حکم سنایا۔ جس
کا نتیجہ یہ نکلا کہ..... سب ہری بھری فضاؤں میں
سانس لیتے ہوئے آرام آراہ سکون کے گھوٹے چھوٹے
لگے۔

عالیہ کافی کے گگڑے میں رکھے اور ہی
آ رہی تھی، جہاں بھی چیز کی خوشبو اور چھانڈوں میں
سنہری سنہری دھوپ میں پھولوں کی بانگ درمیان
میں رکھے پھولوں سے شعل فرما رہے تھے۔

”کافی کا اصل مزہ تو ایسے ہی موسم میں آتا
ہے۔ لاہور میں تو کافی کی تصویر ہی سے پسینہ پھوٹ
رہتا ہے۔“ سہیل نے کافی کے لہالہ بھرے گگ
پیتے ہوئے کہا۔

”یہ تو تم بیکل شیک کہتے ہو۔“ ممانی نے اپنا

سالگرہ

سالگرہ کے موضوع سے
ساجن روٹھ جاتے ہیں

ان کو یہ بتانا ہے
سالگرہ منانے کو

تم برائیں جانو
یہ جتنا سفاکتی تو

خوشیاں منانے کا
سب کو بلانے کا

ہٹے مسکرائے کا
ٹلے اور ملانے کا

دعا میں پیار پانے کا
تم سے حق لینے کا

اور پھول دینے کا
جسواں سا سہانہ ہے

گلف شفق، کراچی

گگ اٹھاتے ہوئے کہا۔

”جی پوچھتو تھنے یوں گگ رہا ہے جیسے یہ ریشم گلی
جنت کا چھوٹا سا گڑھا ہو۔ یہ نرم گرم دھوپ..... یہ ہلکا
ہلکا گلابی جاڑے جیسا موسم، بدھم بدھم ٹھنڈی ہوا میں
یہ شہانہ آن بان سے گھڑے ہرے بھرے پتھر
پودے۔“

”ابھی پہنچے ہیں اور میری سے زبان ہی بدل گئی۔
گلابی جاڑا نرم گرم دھوپ، ٹھنڈی ہوا میں، اور جب
چھتیلیں زکام شروع ہوگا تو کس جوشاندے۔“ ممانی

نے غصہ آن کی بات کاٹی۔
”کچھ نہیں ہوگا ممانی جان، ہم لگتا آ سہل

ماہنامہ سالگرہ۔ اپریل 2012ء

لیں گے آپ نے فکر ہو کر گرم گرم کافی پینیں اور ماموں کو شعر و شاعری کرنے دیں۔ سرسبز فضاؤں کو سکون اور دل کو راحت ملتی ہے تو اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ ”عالیہ نے ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے کہا۔

”تو اور کیا۔ لاہور کی سڑی گرمی اور سے لمبی لمبی لوڈ شیڈنگ میں ایسی خوب صورت باتیں کہاں سوچتی ہیں۔“ سہیل نے بیوی کا ساتھ دیا۔

”ہاں یہ تو تم خلیک کہتے ہو اور ہاں عالیہ بیٹے وہ رات کے کھانے۔۔۔۔۔“ ساجدہ بیگم نے عالیہ کی طرف دیکھ کر بات بدلی۔

”جی، وہ میں نے فضل دین کو سامان دے دیا ہے اور سبھا بھی دیا ہے۔ وہ سارے ہی کام کر لیتا ہے۔ میں اور سبھی چکر لگاتے رہیں گے۔ آپ اور ماموں کچھ گھوم پھریں۔“ عالیہ نے کافی پیٹے ہوئے کہا۔

”ہاں، یہ تم نے خلیک کہا۔ بیٹھے بیٹھے ناگنیں تو بالکل اڑتی ہیں۔“ ممانی نے ذرا مزید نظروں سے ماموں کی طرف دیکھا جیسے سارا قصور ان کا ہو۔

”لاگن میں دباؤں۔“ عالیہ نے ہمدردانہ کہا۔

”اللہ تمہارا بھلا کرے، دو چار قدیم چلوں گی تو خلیک ہو جائے گا۔“ ممانی نے بڑے دلدار سے کہا۔

”علیہ نظر نہیں آ رہی، مگر میں تو نہیں رہ گئی۔“ ممانی نے ادھر ادھر دیکھا۔

”نہیں، وہ تو میرے پیچھے ہی آئی تھی۔“ عالیہ نے کہا۔

”ماما، پیچھو اُدھر مٹی ہیں۔“ علیہ نے ایک انگلی اُدھر اشاری جہاں کچھ کاسٹل پر سبزہ دار کے بعد ڈھلان شروع ہوتی تھی۔

”فکلی میرا خیال ہے یہ علیہ کی دو کوئیں پہنچا دو“

پولیس کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے
پولیس کا ایک ہی ہونا ہے
پولیس کا ایک ہی ہونا ہے
پولیس کا ایک ہی ہونا ہے

کانچہ سنی لڑکی

انجم انصار

اور

پولیس کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے
پولیس کا ایک ہی ہونا ہے
پولیس کا ایک ہی ہونا ہے
پولیس کا ایک ہی ہونا ہے

”دوسروں کی باتیں سننے کے لئے نہیں؟“

پانچواں حصہ



”بے کیا تو کسی غلطی کا شکار ہو گیا ہے یا اپنی اوقات بھول گیا ہے۔ کبھی ایسا تو نہیں۔“ تو اپنی ہیقت ہی بھول بیٹھا ہو۔ یاد کر۔۔۔ ہاں یاد کر لے کہ اب تمہارے پاس آتا تھا تو کیا تھا تو۔۔۔ کیا یہ

”نہیں سر، یہ بات نہیں ہے۔“ وہ جھل سے لہجے

”تم راسی تک نہیں ہو؟“ وہ پاس آ کر مجھے لمس میں لے کر لے لے۔

”تم میں نہیں رہتا ہوں ہمیشہ سے ہی۔“ وہ مسکرایا۔

”میرا مطلب ہے مری سے کب واپس آئے؟“

”مری سے.....؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں شاید تمہارے کسی دوست نے ہی بتایا تھا کہ تم مری گئے ہوئے تھے تو کب آئے؟“ رحمان جان تھا مری جانے کی بات تو صرف مالی کو بتائی گئی تھی۔

”اوہ مری سے..... وہاں سے آئے ہوئے تو مجھے ہمید ہو گیا ہے اور میں پھر جانے والا ہوں۔“

”کب جاؤ گے؟“ وہ پھر چونکے سے ہو گئے۔

”ابھی شوق بنا نہیں ہے جب بنے گا تب۔“

وہ اسے نفرت بھری لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے باہر نکل گئے اور رحمان سوچ میں ایک بار پھر پر گیا۔ کیا مجھ پر قاتلانہ حملے کے ذمے دار نہیں۔ یہی تو نہیں تھے۔ مگر ظہیر حسن کو یہ سب رواد ہائی تو انہوں نے اسے مخاطبہ کرنے کے ساتھ یہ بھی کہا۔

”سرفراز احمد ان دنوں غلے سے ہو گئے ہیں اور ان کے بعض دوست کو روادری دوست تو یہاں تک کہ رہے ہیں کہ نیکی کی موت کے بعد وہ کافی حد تک پاگل بھی ہو گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ تمہارا دشمن ہو۔“

”مگر انہیں کیسے بتایا کہ مری گیا ہوا تھا، یہ بات تو صرف مالی کو ہی بتائی تھی۔“

”تم بھول رہے ہو مالی نے ہمارے محلے میں ہی نوکری حاصل کرنے کے لیے کئی لوگوں کو بتایا تھا کہ رحمان بھائی کے گھر والے مری جارہے ہیں اس لیے اسے نوکری دے دو۔“ کوئی انہوں نے مجھ سے

میری وہی ہے۔“ کہاں نہی۔

”چلیز نہاں گل کاغ سے واپسی پر تمہیں پک کرلوں؟“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ میں کہیں جاؤں۔“

”ایسا لگتا ہے کہ تمہاری جگہ سے میری جان ہی چلی جائے گی۔“ نواز اڑکٹے ہوئے لکچھے میں لولا۔

”آپ کی جان کون لے لے گا؟“ وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ دے اگر میں نے تمہاری تصویر پر کچھ کر اپنے پاس رکھوں وہی تو شاید وہ مجھے کبھی کروادے مگر وہ اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے لولا۔

”تم لوکی میری جان..... تم۔“ جب تم اپنے عاشق سے ملوکی ہی نہیں تو کیا وہ اپنی جان سے نہیں جائے گا۔ مگر کہاں تو اس کی بات بھی میں اس کو اڑکٹے بند کر چکی تھی اور نواز اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے بیٹھا تھا۔

☆☆☆☆

کتنے دنوں بعد وہ کسی تقریب میں شریک ہوا تھا۔ کسی دوست کے گھر اور جانے والی تقریب میں وہ بڑا سرشار مچا بیٹھا تھا۔ وہ خوش تھا کہ اپنے دوست کی بات مان کر وہ اس کے ساتھ چلا گیا تھا۔ میزبانوں نے ان کے بارے میں بھی وہ فطری لاطعل تھا۔ سر موڑتا، کسی کی قایماں ہونے کا خوب صورت ہال تھا جو موسم کی مناسبت سے خاصا گرم تھا۔ چائے اور کافی کا دودھ چل رہا تھا۔ اپنی پشت پر ایک ماتوں سے تھپتھپ کوں کر غیر ارادی طور پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ سرفراز احمد اپنے کسی دوست کی بات پر ہنس رہے تھے۔ رحمان کے ساتھ ہی ان کی نظر بھی اس پر پڑی تو وہ جتنے جتنے یکدم چپ ہو گئے اور انھوں میں غصہ سا بکھڑے پڑے۔ اگر رحمان ان کی کیفیت محسوس کر کے حیران ہو رہا ہو مگر اس کے اشارے سے انہیں سلام کیا۔

حاصل کر سکتے ہیں۔“ نواز اپنے ہونٹ کاٹھا ہوا چلا گیا اور سرفراز صاحب کے چہرے پر ایک وحشت زدہ سی مسکراہٹ چمک اٹھی۔

☆☆☆☆

رات کے بارہ بجے کہاں جاگ رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ نواز ضرور دنوں کرے گا۔ جب سے اس کے نام کی آنکھی اس کی انگلی میں آئی تھی، نواز اسے روزانہ ہی دنوں کر رہا تھا۔ آج اس کے کون کا وہ انتظار کر رہی تھی تو دنوں نہیں آ رہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے اس نے نواز کے نمبر پر کال کر دی۔ پہلی ہی بیل پر اس نے فون اٹھایا۔

”کیا بات ہے؟“ کہاں نے پوچھا۔

”طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ نواز نے پھر مددگی سے کہا۔

”کیا ہوا؟“ لمحے میں بے چینی ہی گل گئی۔

”جھپٹیں نہ دیکھنے کی وجہ سے بنا ہو گیا ہوں۔“

”ایسی بیماری تو میں نے کبھی نہیں سنی۔“ وہ یوں نہی جیسے طنز تک سے سن اٹھے ہوں۔

”اڑو اتفاق مگر میں سچ کہہ رہا ہوں کہ میں تمہیں دیکھنے اور تم سے باتیں کرنے کے لیے تپ رہا ہوں۔“

”باتیں تو تم روزانہ مجھ سے کر لیتے ہو۔“

”تو کیا مجھے تمہیں دیکھنا نہیں چاہیے۔“

مجھے یہ پاس تو تمہاری ایک تصویر بھی نہیں ہے کہ جب دل چاہے اس سے باتیں کر سکوں۔“

”تو کیا میری تصویر لینا چاہتے ہو؟“

”ہاں۔“ تو کیا مضائقہ ہے، آخر تم میری

ہونے والی ہو۔“

”ای کہہ رہی تھی کہ اگر ذرہ بین باجی تمہاری تصویر پر لکھیں تو اپنی شش کی کارڈ والی تصویر دے دیتا۔ شش کی کارڈ اسی ماہ بنایا ہے تو سب سے تازہ تصویر

میں لولا۔

”ہاں تو ابھی تو نے کیا کہا تھا۔“ کیا کیا

کہو لڑکی بہت شریف ہے۔“ سرفراز صاحب نے

تسخیر سے لکچھ میں اس کا جملہ دہرایا۔ نواز نے تائید میں سر ہلایا۔

”ابے۔“ تو کیا اسے حقیقتاً اپنی منگیتر سمجھ رہا ہے؟“

”نہیں سر۔“ وہ غصہ سے لکچھ میں لولا۔

”نہیں نہیں تو یقیناً کسی غلط فہمی کا شکار ہو گیا ہے۔“

”کبھی محبت تو نہیں ہوئی۔“ اپنے آپ کو بہرہ دہ نہیں سمجھ رہا ہے پکڑے اور ایسے کھچے لے کر جا رہا ہے نا جو

حیرے باپ نے بھی اپنے خواب میں نہیں دیکھے ہوں گے۔“

”تجھے لگا لگا کہ تو لات صاحب ہے۔“

اور اس نے تجھے پامانہ دے جا رہے ہیں کہ کبھی تصور میں بھی نہیں سوئے ہوں گے۔“

”ہاں سر۔“ پانچ ہزار کا نوٹ تو اسے ہمارے

یہاں آ کر ہی ملا ہے۔ اس نے کل اس نے دیکھا بھی نہیں تھا۔“ ان کے سیکرٹری نے ہنس کر بتایا۔

”وہ لڑکی اگر بد معاش ہوتی تو تجھے پالنے کے لیے ہمیں پھر تھوڑی بہانا پڑتا۔“ ہماری پریشانی بھی تو

ہے کہ وہ شریف ہے اور میں اس کو بد معاش ثابت کرنا ہے۔“ سرفراز صاحب ہنسے اور ہنسنے ہی چلے

گئے۔

”اس کے باپ نے اس کا نام نہاں رکھا ہے

ناں۔ اب وہ وقت دور نہیں ہوتا چاہیے کہ لوگ اسے

عیاں کے نام سے پکارتیں۔“ سرفراز صاحب

مسکرائے۔

”سر میں کوشش کروں گا کہ آپ کا کام جلدی

ہو جائے۔“

”اگر کام نہیں کر سکتے تو تھادو۔ پولیس مقابلے

میں جہیں مروا کر ہم کسی دوسرے لڑکے کی بھی خدمات

”لگتا ہے میری سماجی طبیعت کی وجہ سے یہ خیال میرے ذہن سے چپک ہی گیا ہے۔“ بھان نے سوچا۔ وہ پھر واک کے خیال سے کھڑا ہوا، پہلی کھلی سی صوب سے اچھی لگ رہی تھی کہ سامنے سے آتے ہوئے شخص سے اچانک ہی یوں ٹکرایا کہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ وہ شاید گر جاتا اگر بچھے سے دو شیش ہاتھ اسے سنبھال نہ لیتے۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو وہ سرخیز صاحب تھے جو ان ہی ساتوں میں پارک میں داخل ہوئے تھے اور اسے یوں گردنا دیکھ کر لپک کر انہوں نے سنبھال لیا تھا۔

”بھان دیکھ کر چلا رو۔ ابھی تمہارے چوٹ لگ جاتی تو۔“ انہوں نے اس کا شانہ چھپتایا۔
”شکر یہ اٹھل۔“ ریمان کا لہجہ منیت بھرا تھا۔ وہ انہیں سلام کر کے کانٹیں بلکے بارنگل گیا کہ طبیعت میں بھاری پن سامھوں کر رہا تھا نہ جانے کیوں۔۔۔۔۔؟

☆☆☆

”اب تو چاہئے بھی لی لی اور برکھی کھالے اب تو بچھے کھر جانے دیں۔“ ریمان ستوران میں نواز کے ساتھ چلتی تھا انہیں نے مصومت سے کہا۔

”آج تم اتنی پیاری لگ رہی ہو، میں ایک دو تصویریں تمہاری بناؤں اپنے موبائل سے؟“ نواز نے لاڈ سے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور جب سے اپنا موبائل نکالا۔

”آپ کی تصویر میرے دل میں ہے تو کیا میری تصویر آپ کے دل میں نہیں ہے جو یہاں آپ میری تصویریں بنا رہے ہیں۔“

”تمہارا کمپیٹر کیا اپنے موبائل میں تمہاری تصویریں رکھ سکتا۔“

”جیسے جیسے آپ۔“ بچھے تو بے حد عجیب سی لگ رہی ہے۔“ اس نے اپنا غلاب چہرے پر اس طرح لیٹا کہ اب صرف اس کی سیاہ چٹائی ہوئی آنکھیں

ظاہر تھیں اور نواز اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے اسے لپکا جانا جائے۔

”نہاں! تم اس طرح کیسے کر جا سکتی ہو؟“ بے ہوا اس کے منہ سے نکلا۔

”ایسے پہلی جاؤں گی خود ہی۔“ وہ مسکرا کر بولی اور تیزی سے باہر کمرائے آئی، آؤ رکشا کو ہاتھ دیا، رست سے اس میں بیٹھی اور ہوا ہوئی۔ نواز حواس کے پیچھے بھاگتے ہوئے باہر آیا تھا وہ دیکھنا کا دیکھنا شروع کیا۔

”بڑی چالاک لڑکی ہے یہ نہاں بھی۔۔۔۔۔ مروا ہے کہ رہے گی مجھے۔“ وہ دانت کچکا کچاتے ہوئے خود لڑائی میں بڑبڑا رہا تھا۔

☆☆☆

”بھوگیا بات آج؟“ سرین تیکم نے پوچھا۔
”جی ای۔“ وہ شرما ہی گئی۔
”کوئی خاص بات بھی کیا؟“ انہوں نے کہا۔

”نہیں کوئی خاص بات نہیں کی انہوں نے۔“
”تو پھر کیوں بات کرتا چاہ رہا تھا؟“

”بس ایسے ہی۔“ وہ پھر شرما ہی اور سرین تیکم کے لبوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی، ”مجبت کرنے والے لوگوں کے پاس باتوں کے لیے کوئی موضوع تھوڑی سا ہوتا ہے جس میں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہی انہیں دلچسپی ہو جاتی ہے اور کبھی اور شادی کے درمیان کا طے نہ ہو تو ہر لڑکی ہار کے کے لیے بے حد رومان پرور رہا کرتا ہے۔“ وہ سوچ رہی تھیں اور ان خود مسکراتے ہوئے دباوے رہی تھیں۔

”یار اب العالمین پیری بیٹی کا جینون ساتھی اس کے دلچسپی کرتا رہے۔“ بھی اس کی محبت میں کوئی کمی نہ آئے۔“

☆☆☆

پھول کی بیٹی کے نام

اسے میری بیٹی بتاتی ہوں
چند باغیچوں میں سناٹی ہوں
دھڑ دھڑ دل اپنا نکالتی ہوں
قول دریں ہیں بوقتِ اودار
پرورش کرتے ہیں گو ماں باپ ہی
شخص بھی جھپٹتے ہیں وہ بھی
پر بھائی کی کھوپڑی رکھی نہیں
دل پہ پھر رکھ کر کہتی ہیں اودار
تو سمجھتا سانس گو ماں آج سے
رکنا خوش تم اپنے کام کاج سے
ذکر جب بھی ہو چڑا ہو جاؤ
ہے میرا کہاں، بوقتِ اودار
تم سر کے مت ادب کو بھولنا
سامنے آنے کے منہ کو کھولنا
یعنی اُن کے منہ کو کسی سے بولنا
کہہ رہی ہوں میں راتِ اودار
زنگی کا مقصد ہوتا ہے قیام
کر کے مگر تو شوہر کا احترام
اس کی پاں میں اُٹا لگا لیک نام
کرتی ہوں اچھا ہا اودار
حیرت و عصمت تیرے زہار دینا
خوش حیرتی سب نہیں اور ہمایاں دینا
دل میں ساری باتیں کھ لے اودار
یاد سے کرتے ہیں وہ پرورش
کی ادا حضرت ﷺ نے اسلامی روش
آپا آخر وقت سن اسے بیٹی
تلاش کو کر دیا کھر سے دوا
بیٹی دیا، آخرت میں پہنچتی رہو
عاطف و دیوار بین کر ہمیشہ خوش رہو
خوش رکھو تم سانس، شوہر، سرور
تیرے ابا بھی کہہ رہی ہے اودار
تیری ماں بھی کہہ رہی ہے اودار
اودار اے جان ہار اودار
اگر ظفر، سیدہ بیٹی، ماں ہی سہی

”اے ذرا سے کام ہے تو کتنا خرچ کرواے گا؟“ فحیر نواز کو ڈانٹ رہا تھا۔ ”جتنے معلوم بھی ہے روزانہ تجھ پر کتنا خرچ ہوتا ہے اور ابھی تک تو نے دھیلے لگا بھی کام نہیں کیا ہے۔“

”میں کیا کروں، کہاں تصویریں سمجھانے پر راضی ہی نہیں ہوتی۔ دو بار سے مشغول سے کیئے لے جا چکا ہوں مگر وہ کسی صورت راضی نہیں ہوتی۔ میں کوشش تو کر رہا ہوں نا!“

”تجھ جیسا باگل لڑکا کچھ نہیں کر سکتا۔ بس جس دن تو اسے ہوٹل لے کر جائے تو میں فون کر دیتا ہمارا آدمی اس کی تصویریں بھی گالے گا اور ہماری دو کراس کا حجاب بھی اتار دے گی۔ جسے تھیں اسے لپٹ کر تصویریں بنوائی ہیں۔“

”نہاں سے لپٹ کر؟“ وہ حیرت سے بولا۔

”نہاں سے لپٹ کر ہی نہیں ہے، میں بے حد خراب لڑکا ہوں مگر میں نے ایسی پارسلز بھی نہیں دیکھی۔ وہ تو مجھے اپنا ہاتھ کچھ پکڑے نہیں دیتی۔ وہ بے حد شریف ہے یہی آدہ نہیں ہوگی۔“ نواز نے پریشان سے لہجے میں بتایا۔

”میں کچھ کہہ رہا ہوں اس سے لپٹ کر تصاویر بنوانا ناممکنات میں سے ہے۔“

”اے جاہل جنہ تو تصویریں بنواتے وقت ہوٹل کا ہیرو این جا نا اس کو چاہئے دیتے ہوئے تصویر بنالیتا۔ اس سے ٹپ لیتے ہوئے پوز دے دیتا اس کو سلوٹ مارتے ہوئے اپنا پوز بنوالیتا۔“ فحیر نے گالیوں کی برسات برساتے ہوئے اس سے کہا۔

”مگر آپ میری بات نہیں سمجھتے کہ میں شاید وہ چھوڑ گیا ہوں وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ بے حد شریف ہے۔ آپ جیسا سمجھ رہے ہیں ناں وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔ میں اس کے ساتھ تصویریں کیسے ہواؤں۔ میری

”اے ذرا سے کام ہے تو کتنا خرچ کرواے گا؟“ فحیر نواز کو ڈانٹ رہا تھا۔ ”جتنے معلوم بھی ہے روزانہ تجھ پر کتنا خرچ ہوتا ہے اور ابھی تک تو نے دھیلے لگا بھی کام نہیں کیا ہے۔“

”میں کیا کروں، کہاں تصویریں سمجھانے پر راضی ہی نہیں ہوتی۔ دو بار سے مشغول سے کیئے لے جا چکا ہوں مگر وہ کسی صورت راضی نہیں ہوتی۔ میں کوشش تو کر رہا ہوں نا!“

”تجھ جیسا باگل لڑکا کچھ نہیں کر سکتا۔ بس جس دن تو اسے ہوٹل لے کر جائے تو میں فون کر دیتا ہمارا آدمی اس کی تصویریں بھی گالے گا اور ہماری دو کراس کا حجاب بھی اتار دے گی۔ جسے تھیں اسے لپٹ کر تصویریں بنوائی ہیں۔“

”نہاں سے لپٹ کر؟“ وہ حیرت سے بولا۔

”نہاں سے لپٹ کر ہی نہیں ہے، میں بے حد خراب لڑکا ہوں مگر میں نے ایسی پارسلز بھی نہیں دیکھی۔ وہ تو مجھے اپنا ہاتھ کچھ پکڑے نہیں دیتی۔ وہ بے حد شریف ہے یہی آدہ نہیں ہوگی۔“ نواز نے پریشان سے لہجے میں بتایا۔

”میں کچھ کہہ رہا ہوں اس سے لپٹ کر تصاویر بنوانا ناممکنات میں سے ہے۔“

”اے جاہل جنہ تو تصویریں بنواتے وقت ہوٹل کا ہیرو این جا نا اس کو چاہئے دیتے ہوئے تصویر بنالیتا۔ اس سے ٹپ لیتے ہوئے پوز دے دیتا اس کو سلوٹ مارتے ہوئے اپنا پوز بنوالیتا۔“ فحیر نے گالیوں کی برسات برساتے ہوئے اس سے کہا۔

”مگر آپ میری بات نہیں سمجھتے کہ میں شاید وہ چھوڑ گیا ہوں وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ بے حد شریف ہے۔ آپ جیسا سمجھ رہے ہیں ناں وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔ میں اس کے ساتھ تصویریں کیسے ہواؤں۔ میری

تو عقل بھی کام نہیں کر رہی۔“ وہ مسلسل ایک ہی بات کہہ رہا تھا۔ نتیجہ نے اس کے برابر پیشہ کرناؤں کے گلے میں ہاتھ ڈال کر تیزی سے جھٹکا دے کر ڈانٹ لٹایا اور ماتھے پر پوسہ بہت کر دیا اور تہہ لگا کر بولا۔

”اب کچھ لکھتے اور ملر پتے بھی بتاؤں کہ لڑکی کے ساتھ ڈرنی پکڑ دیکے ہوئی جاتی ہیں اور ملر پتے بتاؤں؟“ وہ بے غیرتی سے ہنسا۔

”ٹھیک ہے سر، میں سمجھ گیا۔ بالکل سمجھ گیا اب غلطی نہیں ہوگی مجھ سے۔ بالکل بھی نہیں۔“ نواز اپنے کپڑے چھڑاتا۔۔۔ کھلیا ہوا سا اٹھ گیا اور فحیر اسے دوبارہ غلطیہ گالیاں سناتے لگا۔

”مکند ذہن، محض، کم بخت ذرا سے کام کو کر ہی نہیں پار رہا ہے۔“

☆ ☆ ☆

”واقعی بہت ہی اچھی کہنی ہے۔۔۔ وہاں کے بڑے افسر نے کہا ہے کہ ہمارے ہاں دو کروڑ کوسال بھر کے بعد ایک ماہ کی چٹنی لازمی دی جاتی ہے، آپ کئی سے چٹنی پر ہیں۔ اس ماہ کی تنخواہ آپ کو اس وقت فوراً دے دی جائے گی جب آپ اپنی چٹنیاں گزار کر آئیں گے۔“ ریاض صاحب نے سرشاری سے بتایا۔

”ہاں، یہ سب نواز کی وجہ سے ہوا ہے اور اسی نے آپ کو چاب دلوائی ہے اور اسی نے آپ کے دل مارے اسے اس دشمن کا خوف باہر نکالا جس کی وجہ سے آپ بالکل گھر میں ہی نظر بند ہو کر رہ گئے تھے۔“ نسرین بیگم نے کہا۔

”فحیر کہہ رہی ہو تم مگر ابھی بھی میں سوچ رہی ہوں کہ میرا دشمن ایسا کون ہے جو مجھے یوں تباہ کر رہا ہو؟“ وہ بے حد غمگین لگا رہا تھا۔

”خوشامیشت باتیں تو ہوتی ہیں۔“ لگتا ہے لوگ کسی آسیب کے ذرا اثر آگئے تھے۔

”میں ان باتوں کو نہیں مانتا کہ وہ کوئی آسیب تھا۔ وہ یقیناً کوئی ایسا دشمن ضرور تھا جو شاید کسی غلطی کی وجہ سے مجھے اپنا دشمن سمجھ بیٹھا تھا۔ میں نے تو اگر بھی کسی کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں کیا تو بھی کسی کو نقصان بھی نہیں پہنچایا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ مال سے۔ مجھے حیرت سے زیادہ دکھ اور افسوس ہے کہ آخر کس نے اور کیوں مجھے اپنے حجاب کا شکار بنالیا۔ ریاض صاحب مولوں سے لے کر جینز بیڑی سے لے کر رہے تھے۔

”اللہ کا شکر ہے ہمارا دشمن خود ہی پیچھے ہٹ گیا۔“ فحیر باتوں کو یاد کرنے کا کیا فائدہ؟“ نسرین بیگم نے سمجھایا۔

”ہاں یہ تو ہے۔“ ریاض صاحب نے گہری سانس لے کر کہا۔

”اب آپ یہ بتائیں کہ ان ایک ماہ کی چٹنیوں میں آپ کا کیا پروگرام ہے؟“

”میں سوچ رہا ہوں کہ نہیں اور نہ مال کو ساتھ لے کر میری محوم آؤں۔“

”مری کیوں جائیں؟“ نسرین نے حیرت سے پوچھا۔

”مجھنی میں آج تک تمہیں اور نہاں کو کہیں گمانے پھرانے جو نہیں لے کر گیا ہوں۔ چند ماہ بعد اس کی شادی ہو جائے گی، وہ اپنے شوہر سے کیا کہے گی کہ میرے والد نے ہمیشہ مجھے اپنے گھر میں ہی رکھا۔“

”میری رپائی سے یہ بات نہیں لے کر گئے؟“ فحیر نے گالیاں مار کر کہا۔

”مگر کھوئے پھرنے سے تو بہت خرچ ہو جائے گا۔“ نسرین بیگم نے فحیر سے لہجے میں کہا۔

”ہو جائے، وہ دہائی بنی جب خوش ہوگی تو اس کو بھی ہمارے لیے بہت کچھ ہوگی۔ کسی خرچ کا ایک نہیں رہے گا۔“ ریاض صاحب نے بے

”میں ان باتوں کو نہیں مانتا کہ وہ کوئی آسیب تھا۔ وہ یقیناً کوئی ایسا دشمن ضرور تھا جو شاید کسی غلطی کی وجہ سے مجھے اپنا دشمن سمجھ بیٹھا تھا۔ میں نے تو اگر بھی کسی کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں کیا تو بھی کسی کو نقصان بھی نہیں پہنچایا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ مال سے۔ مجھے حیرت سے زیادہ دکھ اور افسوس ہے کہ آخر کس نے اور کیوں مجھے اپنے حجاب کا شکار بنالیا۔ ریاض صاحب مولوں سے لے کر جینز بیڑی سے لے کر رہے تھے۔

”اللہ کا شکر ہے ہمارا دشمن خود ہی پیچھے ہٹ گیا۔“ فحیر باتوں کو یاد کرنے کا کیا فائدہ؟“ نسرین بیگم نے سمجھایا۔

”ہاں یہ تو ہے۔“ ریاض صاحب نے گہری سانس لے کر کہا۔

”اب آپ یہ بتائیں کہ ان ایک ماہ کی چٹنیوں میں آپ کا کیا پروگرام ہے؟“

”میں سوچ رہا ہوں کہ نہیں اور نہ مال کو ساتھ لے کر میری محوم آؤں۔“

”مری کیوں جائیں؟“ نسرین نے حیرت سے پوچھا۔

”مجھنی میں آج تک تمہیں اور نہاں کو کہیں گمانے پھرانے جو نہیں لے کر گیا ہوں۔ چند ماہ بعد اس کی شادی ہو جائے گی، وہ اپنے شوہر سے کیا کہے گی کہ میرے والد نے ہمیشہ مجھے اپنے گھر میں ہی رکھا۔“

”میری رپائی سے یہ بات نہیں لے کر گئے؟“ فحیر نے گالیاں مار کر کہا۔

”مگر کھوئے پھرنے سے تو بہت خرچ ہو جائے گا۔“ نسرین بیگم نے فحیر سے لہجے میں کہا۔

”ہو جائے، وہ دہائی بنی جب خوش ہوگی تو اس کو بھی ہمارے لیے بہت کچھ ہوگی۔ کسی خرچ کا ایک نہیں رہے گا۔“ ریاض صاحب نے بے

فحیر سے تہہ لگاتے ہوئے کہا۔

”ہاں یہ بات تو ہے۔“ نسرین بیگم بھی مسکراتے لگیں۔

☆ ☆ ☆

”کیسا۔ کیا کہہ رہی ہو تم؟“ نواز کے ہاتھ سے موبائل گر گیا۔ فوراً اٹھایا اور گالوں سے لہجے میں بولا۔

”نہیں۔ نہیں تم کہیں نہیں جاسکتیں۔ ہرگز نہیں جاسکتیں۔“

”کیسا حیرت تو ریل میں بیٹوں گی۔ کچ بہت مزہ آئے گا۔“ نہاں نے سرشار سے لہجے میں اسے بتایا۔

”کب تک جانے کا پروگرام ہے؟“ اس کا دماغ اڑا جا رہا تھا۔

”کل ابونٹ لینے جائیں گے، کہہ رہے تھے اس اتوار کو تم چلے جائیں گے۔ ابھی تو پورے چھ دن ہیں ہمارے جانے میں۔“

”نہیں نہاں۔۔۔ نہیں۔۔۔ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

”حیرت ہے آپ کو فونی کیوں نہیں ہو رہی۔“

”تم میرے شوہر سے کہیں دو ریل چاہو؟“ میں کیسے برداشت کر پاؤں گا۔ ایمان سے میرا چاؤں گا اور مجھے تو اب یقین آ رہا ہے کہ میری موت نہاں کی وجہ سے ہی ہوگی۔“ اس نے تنگی سے لہجے میں کہا تو وہ ہنسنے لگی۔

”صرف چار ماہ بعد ہماری شادی ہے اچھا ہے۔ ناں میں اپنے اسی اور کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزار لوں۔ بعد میں کہاں موقع ملے گا مجھے یوں کھوئے پھرنے کا۔“

”ہاں بعد میں تو تمہیں واقعی کوئی موقع نہیں مل سکتا۔“ وہ جدبندی سے ہنسا۔

☆ ☆ ☆

”میں ان باتوں کو نہیں مانتا کہ وہ کوئی آسیب تھا۔ وہ یقیناً کوئی ایسا دشمن ضرور تھا جو شاید کسی غلطی کی وجہ سے مجھے اپنا دشمن سمجھ بیٹھا تھا۔ میں نے تو اگر بھی کسی کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں کیا تو بھی کسی کو نقصان بھی نہیں پہنچایا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ مال سے۔ مجھے حیرت سے زیادہ دکھ اور افسوس ہے کہ آخر کس نے اور کیوں مجھے اپنے حجاب کا شکار بنالیا۔ ریاض صاحب مولوں سے لے کر جینز بیڑی سے لے کر رہے تھے۔

”اللہ کا شکر ہے ہمارا دشمن خود ہی پیچھے ہٹ گیا۔“ فحیر باتوں کو یاد کرنے کا کیا فائدہ؟“ نسرین بیگم نے سمجھایا۔

”ہاں یہ تو ہے۔“ ریاض صاحب نے گہری سانس لے کر کہا۔

”اب آپ یہ بتائیں کہ ان ایک ماہ کی چٹنیوں میں آپ کا کیا پروگرام ہے؟“

”میں سوچ رہا ہوں کہ نہیں اور نہ مال کو ساتھ لے کر میری محوم آؤں۔“

”مری کیوں جائیں؟“ نسرین نے حیرت سے پوچھا۔

”مجھنی میں آج تک تمہیں اور نہاں کو کہیں گمانے پھرانے جو نہیں لے کر گیا ہوں۔ چند ماہ بعد اس کی شادی ہو جائے گی، وہ اپنے شوہر سے کیا کہے گی کہ میرے والد نے ہمیشہ مجھے اپنے گھر میں ہی رکھا۔“

”میری رپائی سے یہ بات نہیں لے کر گئے؟“ فحیر نے گالیاں مار کر کہا۔

”مگر کھوئے پھرنے سے تو بہت خرچ ہو جائے گا۔“ نسرین بیگم نے فحیر سے لہجے میں کہا۔

”ہو جائے، وہ دہائی بنی جب خوش ہوگی تو اس کو بھی ہمارے لیے بہت کچھ ہوگی۔ کسی خرچ کا ایک نہیں رہے گا۔“ ریاض صاحب نے بے

کر آؤ جو چیزیں اس کو دی گئی ہیں سب واپس لے لو۔“ آدھے گھنٹے میں گنجا سورج بھی لڑکا پرانے سے شلوار قمیص اور دوپٹی کی ٹوٹی ہوئی چھل پہنے جب فیجر کے ساتھ آیا تو سرفراز صاحب ہنس کر بولے۔

”اے تو دروازے کا واج مین بھی نہیں پہچان پائے گا کہ یہ شخص کون ہے اور آفس میں کیسے گھس آیا۔“

”ہاں واجد جہاں سے آئے تھے وہیں واپس چلے جاؤ اور یہ بات تم خواب میں بھی مت سوچنا کہ تم بہرہ و بیسے لگتے تھے۔ دوبارہ کراچی آنے کی کوشش مت کرنا اور یہ سب باتیں کسی ڈروانے خواب کی طرح بھول جانا ورنہ..... آوارہ کوتوں کو مروانے پر انعام بھی مل جایا کرتا ہے اور ہم نے بہت سے آوارہ کتے مروائے بھی ہیں۔ اس لیے تمہیں اب صرف یہی بات یاد رکھنی ہے کہ تم واجد ہو۔“ فیجر نے اسے تھوڑی سی رقم دیتے ہوئے کہا۔ واجد سلام کرتے ہوئے باہر نکل گیا اور اس تیزی سے باہر بھاگا جیسے کوئی اس کی جان نہ لے لے اور سرفراز صاحب کے قہقہہ چھت کو بچھاڑنے لگے۔

”بھاگ گیا سالہ..... بے وقوف کہیں کا۔“

☆☆☆

ساجدہ بیگم کی طبیعت اچانک ہی خراب ہو گئی تھی۔ ظہیر حسن اور ریحان ان کے پاس ہی تھے مگر انہیں یوں لگ رہا تھا کہ شاید اب وہ جی نہیں پائیں گی۔ انہوں نے ریحان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

”میرے پیارے بیٹے تم مجھے معاف کر دینا میں نے مینا جیسی لڑکی سے تمہاری مگنی کر کے تمہاری زندگی میں کانٹے بھرے اور نہاں جیسی فرشیہ صفت لڑکی اپنی برادری میں ہوتے ہوئے بھی مجھے نظر نہیں آئی۔“

”ای کون نہاں؟“ وہ حیرت سے ماں سے

پوچھ رہا تھا۔

”ایک ایسی بہیر لڑکی جو شاید تمہاری قسمت میں ہی نہیں تھی۔ میں نے جب اسے دیکھا تو اس کی مگنی ہو چکی تھی اور تمہاری بھی اور پھر معلوم ہوا کہ کسی نے اس کی مگنی تڑوا دی۔“

”کس نے؟“ ریحان نے پوچھا۔

”یقیناً اس کی کوئی پچھو ہوگی یا کوئی چچی یا تائی کہ وہی لوگ اس کے پیچھے بلا وجہ لگے ہوئے ہیں کہ ان کی اپنی بیٹیاں بیٹھی ہوئی جو ہیں۔“ ساجدہ بیگم نے تفصیل سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”تو اب کیا ہوا؟“ ریحان نے الجھ کر کہا کہ اسے سوائے نہاں کے نام سے کوئی دوسری دلچسپی ہرگز نہیں تھی۔

”تمہاری مگنی کے بعد جب میں ان کے ہاں گئی تو اس کا رشتہ دوبارہ طے ہو چکا تھا کہ واقعی وہ تمہاری قسمت میں ہی نہیں تھی۔“

”امی، لڑکیوں کا ایسا قہقہ تو نہیں پڑا ہے کہ آپ خواہواہ اس بیچاری لڑکی کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔“ ریحان نے مسکرا کر کہا۔

”آپ کا بلڈ پریشر اس قدر لو ہو رہا ہے اس وقت بھی آپ کو ریحان کی شادی کی باتیں کرنی ہیں یا اسپتال جا کر ڈرپ لگوانی ہے۔“ ظہیر حسن نے بیوی کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں کہیں نہیں جاؤں گی، گھر میں ہی رہوں گی اپنے بچے کے پاس۔“ انہوں نے ریحان کے ہاتھ تھام لیے۔

”پتا نہیں کیوں میرے بچے کی شادی میں دیر ہوئی جا رہی ہے۔ طبیعت ذرا سنبھلے تو سلطانہ خالہ کے پاس جا کر کہتی ہوں کہ کوئی اچھی سی لڑکی مجھے دکھائیں، اب اتنی دیر نہیں ہونی چاہیے کہ میں چل دوں اور میرا بیٹا اکبار اہرہ جائے۔ کوئی تو ہو جو اس کا خیال رکھے۔“

سنسان سڑک پر کھڑی خوبصورت دوشیزہ نے ایک کار والے سے لٹک لی۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد لڑکی نے اچانک اس لڑکے سے سوال کیا۔

”کیا تم ایک ہاتھ سے ڈرائیو کر سکتے ہو؟“

لڑکے نے پرجوش آواز میں کہا۔ ”ہاں ہاں۔۔۔۔۔“

اس نے پھر بھی سوال کیا۔ ”کیا واقعی تم ایک ہاتھ سے ڈرائیو کر سکتے ہو؟“

لڑکے نے پھر خوشی سے جواب دیا۔ ”ہاں ہاں، کیوں نہیں۔“

”تو پھر مہربانی کر کے دوسرے ہاتھ سے اپنی ناک صاف کر لو۔“ لڑکی نے کہا۔

سرسل روتی، طلیب۔ سیالکوٹ

بہو جلدی سے گھر آ جاتی چاہیے۔“

”ابو آپ ڈاکٹر آرزو کو فون کر کے کہیں کہ اپنے

بچال کی نرس جلدی سے گھر بھیج دیں تاکہ امی کے

اپ گھر میں ہی لگ سکے۔“ تب عکبر حسن اپنے

ہاتھ کے نمبر تیزی سے پیش کرنے لگے۔

☆☆☆

”اماں دیکھیے، یہ لڑکی ہے نہاں بے شرم، بے

پاسی جس کے گھر والوں کے کہنے پر ریحان کی منگنی

لڑی تھی۔“ سرفراز صاحب نے نہاں کی تصویریں

کھاتے ہوئے کہا۔

”یہ تو مجھے خراب سی لڑکی لگ رہی ہے۔“ اماں

نے تصویر کو دیکھ کر کراہیت سے چیخے کرتے ہوئے

کہا۔

”ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔۔۔۔۔ بہت خراب لڑکی

ہے۔ اس سے کوئی منگنی یا شادی تو کیا کوئی بات کرنا

میں پسند نہیں کرے گا۔ خاندان تو کیا دور دراز کے

لوگ اگر اپنی لڑکیوں کے پاس اس کو اتار دیکھیں گے تو

سکے دے کر بھاگ دیں گے۔“ سرفراز نے ہنس کر اپنی

ماں کو بتایا۔

”کوئی کچھ بھی کرے یا نہ کرے ہمارا اس سے

کیا تعلق؟“ انہوں نے کہا۔

”ہمارا تعلق تو اس لڑکی سے بہت گہرا ہے۔“ وہ

ادوارانہ لہجے میں بولے۔

”وہ کیسے؟“ اب حیران ہونے کی باری ان کی

تھی۔

”صرف اس لڑکی وجہ سے مری مینا نے یہ دنیا

بھڑی ہے۔ اسی نے تو بے پرکی باتیں اڑائی تھیں۔“

”بیٹا بیٹے پیچھے تو لوگ بادشاہ تک کو گالیاں دیا

کرتے ہیں۔ ہماری مینا کی زندگی ہی بس اتنی سی تھی تو

اس میں اس کا کیا دوش؟“ ماں نے بیٹے کو بھلانے کی

لڑی۔

”نہیں اماں، ظالم کومز اتو ضرور لٹی چاہیے ورنہ

لوگوں کو کبھی یہ معلوم ہی نہیں ہو سکے گا کہ ان سے غلطی

کب اور کہاں پر ہوئی ہے۔“

”بیٹا اللہ تو سب دیکھتا ہے تم کس جھیلے میں

بڑھے۔“ اماں اکتا کر ان کے کمرے سے ہی باہر نکل

گئیں۔ تو وہ یہ تصویریں لے کر اپنے بیٹوں کے پاس

چلے آئے۔

”شاید بیٹا دیکھو، بیٹا یہ تصویریں کیسی ہیں؟“

انہوں نے مسخرے کہا۔

”پاپا کیا آپ اب بھی ایسی تصویریں دیکھا

کرتے ہیں۔“ ان کے بڑے بیٹے دانش نے ہنس کر

پوچھا۔

”تم یہ بتاؤ کہ یہ تصویریں کیسی ہیں؟“ انہوں

نے نہاں کا لہجہ ان کے سامنے رکھ دیا۔

”یقیناً کسی طوائف کی ہوں گی۔“ شاہد کل کر

ہنسا۔

”نہیں بیٹا، یہ ایک شریف زادی کی تصویریں

ہیں۔“ وہ عجیبہ سے ہو گئے۔

”شریف زادیاں اب اس انداز میں تصویریں

سالگرہ نمبر ہونے لگی ہیں۔" دانش نے اہم اپنے ہاتھ میں لیا۔
 "یہ ہمارے دشمن کی تصویریں ہیں۔" وہ غصے سے بولے۔
 "تو پھر آپ کے پاس کیا کر رہی ہیں؟"
 "اُن کو اس گزشتہ میں ڈال دیجیے نا۔" دونوں بیٹے یکجا آواز میں بولے۔

"ہاں بیٹا انہیں گزشتہ میں ڈالنے سے پہلے تمہیں دکھانا چاہتا تھا کہ زندگی میں بھی یہ چہرہ نظر آجائے تو تھوکر آگے بڑھ جانا، رہنا نہیں۔"
 "پاپا! رکنے کے لیے ہمارے پاس نارٹ کم ہیں کیا جو دشمن کے پاس ہم بھی جانے کا بھی سوجھن ہے؟" شاہد نے سزا کر دانش کی جانب دیکھتے ہوئے ایک آنکھ دوپائی مگر سرفراز اچھو وہ اہم ہاتھ میں لیے یوں روانہ ہو گئے جیسے کوئی خزانہ لے کر نکلتا جا رہے ہوں۔

☆☆☆

"بھائی ہم نے جو آپ سے کہا قاعدہ غلط نہیں کہا تھا۔ آپ نے غیر کے خون کو لے کر پالا تو کرو پاپا نا اپنا نقصان۔" فون پر ان کے چھوٹے بھائی غصے سے ہاتھیں سنارہے تھے۔
 "شہباز تم نے ہوشیاری اپنی ہانگی سے کسی تو سیدھی بات کر لیا کر۔" ریاض صاحب نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔

"حیرت ہے بھیا، یہاں نے آپ کی ناک کاٹ دی ہے اور آپ کو بھر بھی کوئی انکسوں نہیں ہے۔"
 "میری بیٹی کیسی ہے اس کو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا سکتا۔ اس لیے آئندہ کوئی اسکا دھنک بات کرنے سے پہلے تم سوچ کر لیا کرنا، یہ نہ ہو کہ میں تمہیں جکھ کر دوں اور تم ناراض ہو کر بیٹھ جاؤ۔ رشتے

داری کو توڑنا اگر گناہ نہ ہوتا تو میں کب کا اپنے خاندان کو چھوڑ چکا ہوتا۔" ریاض صاحب غصے میں اپنے بھائی کو ڈانٹتے گئے تو شہباز نے فون ہی کاٹ دیا۔

ریاض صاحب انکسٹن جارہے تھے، شہباز کا فون آجائے سے ان کا سمو آف ہو گیا تھا۔ سرین تیکر پھل کاٹ کر ان کے سامنے رکھتے ہوئے بولیں۔
 "لیجئے کچھ کھا لیجئے اور گھر پر آرام کریں۔ کل جا کر لے لیجئے فون پر پبلک تو آپ نے کروا دی ہے نا۔" انہیں شہباز کے فون کا علم نہیں تھا۔
 "ہاں یہ ٹھیک ہے۔" وہ کچھ لیجئے مگر کراہٹ کے ساتھ بولے۔
 "آج نینک جا کر بچھ رہے گا ناں! ہوں اگر تم نے انہیں ہاتھوں نے کچھ شاپنگ کرنی ہوئی تو تم لوگوں کے کام آجائیں گے۔" سب کے ایک دہا کے ریاض صاحب باہر نکل گئے اور سرین تیکم بڑا ایک لاؤنج میں رکھ کر سوچنے لگیں۔

"اس میں پہلے وہ قیام ضروری چیزیں رکھ لی جائیں جو سفر میں یا کسی بھی ایجنسی شہر میں جا کر لازمی ضرورت بن سکتی ہیں۔" دروازے پر پھل ہوئی تو وہ سبھیں کمریاض صاحب یقیناً اپنی کوئی چیز بھول کر بھول گئے ہیں جو دوبارہ لوٹ آئے ہیں۔
 دروازے پر آئیں تو ڈاک آیا کھڑا تھا۔
 "ریاض احمد کا کھربھی ہے نا؟" اس نے تقدیر کی کچھ مریضیاں کے ہاں ڈاک آئی تھی۔
 "ان کے نام رجسٹری آئی ہے۔" اس نے ہماری لفافہ انہیں دیتے ہوئے کہا۔
 "کہاں سے آئی ہے؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"کوئی تو کراہی سے ہی ہے مگر سچے اور نام نہیں لکھا ہے۔" سرین تیکم نے دھچکا کر کے لفافہ وصول کر لیا۔

"یہ لفافہ کہاں سے آیا ہے؟" انہیں حیرت سی دھڑکی تھی کہ کسی کی کا خط لکھ نہیں آیا تھا۔ سارے نئے دارا شہر میں تھے۔

"کہیں آفس سے نہ آیا ہو۔" یکبارگی انہوں نے سوچا اور بھر غیر ارادی طور پر وہ لفافہ انہوں نے کھول لیا۔ اس میں کوئی خط، کوئی کاغذ کچھ بھی نہیں تھا۔
 اس ایک اہم رکھی ہوئی تھی۔

"یقیناً ڈاک یا کسی دوسرے کی اہم ہمارے گھر آئے کیا ہے؟" وہ یہ سوچ کر مسکرائیں۔
 "کی بی بی کی اہم ہے۔" غصے میں کی ہوئی تو جا کر دے تو دوں گی۔" انہوں نے اہم کو بھئی ایک رنگ سے آسمان سر پر آگرا ہو..... یکبارگی وہ کاپی لکھیں۔ کسی نے بڑی مہارت سے کہاں کا چہرہ لگا کر ریاض تصویریں بنائی تھیں۔ بر تصویر میں کہاں بھی مگر اس کے ساتھ مختلف لڑکا۔

"کہاں تو کبھی بھی کراؤ نے اس کے ساتھ دست دراز کی تھی کسی بھی تصویر میں نواز تو نہیں ملتا تھا۔ کیا کہاں کو کسی پلان کے تحت ہونے لے جایا گیا۔" انہوں نے اپنا سر قائم کیا۔
 "تو کیا نواز بھی وہ نہیں جو نظر آ رہا تھا۔ تو پھر

اش کی تو کبھی بھی اسی سازش کا حصہ تھی، نہیں، اس..... سب نہیں ہو سکتا۔ میری بھول سی بی بی پر غلط فہمی نہیں کر سکتا، دشمن بھی نہیں۔ اولاد والے تو بات اور ذلت کا مطلب سمجھ سکتے ہیں۔ ایسی حرکت ان کی مسلمان تو ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔" انہوں نے اہم کو دیکھا جیسے وہ کوئی دھکی ہوئی آگ ہو۔ کتنی بڑی وہ آگ کے انہیں تپتی ہیں۔ ریاض صاحب جیسے وہ ہر آگ کے انہیں تپتی نہیں چلا۔

"آتا بڑا ایک ہے مگر کام صفر درجہ کا۔" فیجر ایسے کہ آپ کی اس ماہ کی بھلی تو کیا گزشتہ ماہ کی بات آئی ہے۔ اب میں پہلے آفس جا کر معلوم

کرنا ہوں کہ وہاں کسی سسٹم میں تو کوئی خرابی نہیں ہوئی۔"

"آپ کو کہیں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" سرین تیکم نے یہ مشکل ہو گئے۔
 "کیا ہوا۔ بات کیا ہے؟ یہ تو جی جی کی کیوں لگ رہی ہو۔ ارے تمہارے تو ہاتھ کی خطے ہو رہے ہیں۔" ریاض اٹھوئے ان کا ہاتھ قلم کر کہا تو وہ چھوٹ چھوٹ کر دوں۔

"سرین بتاؤ تو تم کیا بات ہے؟"
 "ہمارے دشمن نے بہت کامیابی حاصل کی ہے۔"
 "کہاں دار..... میں ابھی نواز کو فون کرتا ہوں۔" وہ سرین کو روکتا چھوڑ کر نواز کو نمبر ملانے لگے۔

"نہیں اس کا فون اس وقت بند کیوں ہے۔" خیر تھوڑی دیر بعد میں اسے بھڑون کر دیا کہ ہمارا دشمن نہیں گیا نہیں ہے موجود ہے۔ مگر بتاؤ تو کسی ہوا کیا ہے؟ نواز پوچھے گا تو میں اسے کیا بتاؤں گا۔" ریاض صاحب بیوی کو یوں سکھانے کہ پوچھ رہے تھے۔ سرین تیکم نے اس سرخ آہنی طرف اٹھی سے یوں اشارہ کیا جیسے وہ کسی بات پر توجہ نہ دے رہے ہوں۔

"کیس کی اہم ہے اور یہاں کس نے سمجھی ہے؟" ریاض صاحب سرعت سے بڑھے اور پھر پکڑا کر ایسے کرے کہ میز کو ان کی بیٹھائی پر لگا اور ان کا خون پورے چہرے پر یوں پھیل گیا جیسے..... اس نے ان کی کھل چھپادی ہو۔ کیسے وہ دونوں اٹھے اور اس اہم کو لے جا کر اپنے کمرے میں چھپایا یہ وہ خود ہی جانتے تھے۔ اب وہ ایک دوسرے کو تسلیاں بھی دے رہے تھے اور دھکی رہے تھے۔
 "سرین تم گھر مت کرو، میں جب نواز کو بتاؤں گا تو وہ میری بات کا پورا یقین کر لے گا۔ وہ ان

تصویروں کو کوئی اہمیت نہیں دے گا۔ وہ یہ بات جانتا ہے کہ مگر سے ہمارا کوئی دشمن نہیں ہے۔ ہمارا ہی نکال کر رکھ دی ہے۔
”نواز بھی اسی دشمن کی ایک کڑی تھا۔“ وہ بے حد مشکل سے ریاض صاحب کو ہتھائیں اور بھر وہ انہیں ہر بات بتاتی چلی گئیں اور ریاض صاحب کھڑے قدم سے پیچھے پڑے۔

☆☆☆

نہاں کا بچہ سے آئی تو آتے ہی بولی۔
”امی ہمارے گھر میں کپور نہیں ہے اور نہ ہی انٹرنیٹ کی سہولت۔ آپ ابو سے کہیے ناں کہ کوئی سستا سا پاپ ہی لے لیں۔“
”ہوں۔“ نسرین تکیہ پر مشکل پر لیں۔

”آج میرے کا بچ کی لڑکیاں کبھی تھیں کہ یونیٹ پر کسی لڑکی کی تصویریں ہیں۔ اس کی نہ صرف مجھے سے کھل رہی ہے بلکہ اس کا نام بھی نہیں اچھ ہے۔ ناں ابی بھی خوب دھڑبہ بات وہ لڑکی میری ہم کھل ہے بلکہ کئی لڑکیاں تو میرا کا مذاق اڑاتے ہوئے کبھی تھیں اگر میں مہیا نہ پیتا کرتی تو ان کو یہ یقین آ جاتا کہ وہ تصویریں میری ہی ہیں۔“ اور نسرین تکیہ کو یہ معلوم ہو گیا کہ تصاویر کا سلسلہ صرف گھر بیچنے تک ہی نہیں بلکہ اس انٹرنیٹ تک دے دیا گیا ہے۔

☆☆☆

پھر ایک طوفان سا آگیا۔ ہر رشتے دار کے گھر میں، ہر دوست کے گھر میں، محلے کے ہر مکان میں، قریبی قریبوں کے ہر قریب میں حد تو یہ تھی کہ نہاں کے کا بچ میں اس کی پہلی کو نہاں کی خیریاں تصاویر بھیج کر کہا گیا تھا۔

”آپ کے کا بچ میں ایسی لڑکی پرستی ہے اگر آپ نے اسے کا بچ سے نہیں نکالا تو والدین اپنی

دوڑا اسی ہے؟

نوشین ناز اختر



”ثرثوت یہ تم نے خبر کا فریم بنایا ہے یا پھر مقبرہ؟“ انہی سادگی سے گھوٹی تو تمہاری خبر کو کوون پڑے گا؟ یہ میری ہوئی خبر ہے۔“ انہی عرف انہی نے ثرثوت کوخت ست سانی تھی۔

”سہ میں اس خبر میں کیا مسالا ڈالوں؟ عام سی خبر ہے، لڑکا اپنی بے پروائی سے ایک یونٹ میں سر گیا۔ اب میں اس میں کیا لکھوں کہ وہ ایکٹریس میرا کا دیوانہ پروانہ تھا؟ میرا کا وہاں سے گزر رہا تھا

اور اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے اس نے اتنی تیز رفتاری سے موٹر سائیکل چلائی کہ وہ میرا کے پاس نہیں بلکہ میرا خدا اللہ کے پاس چلا گیا۔ "ثروت نے طنز پر اعداد میں پڑھا تھا۔

"واہ ثروت! تم تو اتنا اچھا مسالہ دلاؤ گی جو خبر میں..... تو پھر جی کیوں ہو کہ تم کو تجربہ میں ہر شخص نہیں کرتی آتی؟" سرانی نے پورے زور سے اپنی بات پر قائم رہتے ہوئے سوال کیا تھا۔

"سر پلیئر یہ سراسر زیادتی ہے عوام کے ساتھ۔ ہم لوگوں نے خبروں میں مسالہ ڈال ڈال کر اپنے ہی لوگوں کے جذبات سے کھیل کر ان کو نفسیاتی تار چڑھ دینے کو عادت بنالیا ہے۔ یہ میرا ہمارے پروفیشن کے ساتھ ہے ایمانی ہے۔" ثروت نے غایا میں اختیار جوتا کیا تھا اس لیے تصویق پر وہ سراسر اس سے قسم کرتا جھار ہوا جاتا تھا۔

"ڈیئر جرنلٹ.....! ہمارا پروفیشن تو یہی ہے کہ خبر کو بھیجا جائے تو پھر کیوں تم اتنی ناچیز ہو رہی ہو؟" سرانی نے سکون سے اپنی ناک سے میمی ڈاڑھی تکی۔ دراصل انہوں نے میمی نہیں بلکہ ثروت کی بات ڈاڑھی تکی ثروت کو شہر ضبط کرتے کرتے روتا آگیا لیکن وہ سرانہ کے سامنے گردن دیکھیں پڑنا چاہتی تھی۔

"سر ہمارا پروفیشن یہ نہیں ہے کہ خبر کو بھیجا جائے بلکہ ہمارا پروفیشن یہ ہے کہ ہم لوگوں تک بھی خبر پہنچائیں۔" ثروت نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو ہم جی خبریں ہی دیتے ہیں۔ ہم اور کیا کرتے ہیں۔" سرانہ کی بے نیازی پر انتہا ہو گئی۔

"سر! آپ ایک سیدھی سادی بات کا اتنا بناؤ سنگھار کر ڈالتے ہیں کہ وہ اتنے زیادہ میک اپ میں اپنا اصل مطلب بدل چکی ہوتی ہے۔ تو ایسے میں کون سی خبر؟ کسی ایذا نغاری؟" ثروت نے گواہ صاف کرتے ہوئے کہا۔ شہریت جذبات سے اس کی اپنی سالگرہ نمبر 2012 اپریل

ہی زبان اور لفظ مونے پڑتے جا رہے تھے۔

"سس ثروت آپ بہت جذباتی ہیں۔" سرانی نے یوں کہا جیسے کوئی ڈاکٹر سیڑی کی تھپیں کرتا ہے۔

"اور آپ.....؟" آپ جذبات سے کھینچنے والے کسی بھی جذبہ سے عادی انسان ہیں۔" ثروت اتنا کہہ کر وہاں سے نہیں بلکہ تیزی سے باہر نکلی تھی۔

جبکہ سرانہ نے یوں کندھے اچکائے تھے جیسے ان کے لیے ثروت اور اس کی بات کی رتی بھر میراث نہ ہو۔

☆☆☆

"سرانی کتنے کمزور ہیں؟ یوں لگتا ہے کہ وہ کسی سے بھی پیار نہیں کر سکتے۔" ماڑو نے ایک دم کمپیڈ سے نظریں اٹھا کر ثروت سے کہا۔

"خیر یہ آج اپنے آئیڈیل میں کے متعلق اتنی جھکو باتیں کیسے کی جا رہی ہیں؟" ثروت نے فراسیر کی اٹھ کر بڑے کے ساتھ رکاتے ہوئے چھا۔

"ابنی رچا کے ساتھ رات دن رہنے کے بعد اسے لال منگل دکھا دیا ہے۔"

"جب لڑکی سرخ جھوٹے کا خواب بین لیتی ہے تو یہ بندہ فوراً سرخ منگل دکھا دیتا ہے۔" ثروت نے دانت بچھتے کر کہا۔

"میری اس مختصری ڈیڑھ سالہ لڑکی میں یہ کوئی چچی لڑکی ہے جس کو سرانی نے چھوڑا ہے۔ اللہ جانے یہ شخص بھی کسی سے بھی محبت کر سکتا ہے؟ نہیں۔" ثروت نے مزے ہوئے لہجے میں بے آواز پلنڈھا۔

"اللہ تو جانتا ہے آپ بھی جان لو کہ سرانی صرف اور صرف اپنی ماں سے پیار کرتا ہے۔ باقی وہ لوگ جو شہریت بناتے ہیں وہ سب ناظم پاس ہوئے ہیں۔ میرے لیے بھی سارے رہتے ناظم پاس ہیں۔ آپ کو کوئی براہم؟" سرانہ کی جو کہ جاننے کے دودازے میں آکر مڑے ہوئے تھے وہ ان کی اپنی سن رہے تھے۔ بہت سکون سے ان کے سامنے

جواب دیتے ہوئے بولے۔ ایسے ہی ثروت اور ماڑو اصرار اور حرج جانے کی تلاش کرنے کی کئی گھنٹے۔ شاید چھپتے کے لیے کوئی جھک۔

☆☆☆

"محترم اور عزیز سہیلی! اتنی بار کہا ہے آپ کھانا کھا لیا کر میرے تو ڈیوٹی آدھی ہے ایسے میں، رات پر گھر نہیں آ سکتا۔" انہار نے ماں کے ماتھے پر ہوسہیتے ہوئے کہا۔

"میں تیری ماں ہوں، بیوی نہیں جو تیرے بغیر کھانا کھالوں۔ بیویوں کو چاؤ ہوتا ہے شروع کے سالوں میں انہار کر کے کھانا کھانے کا لیکن وقت کے ساتھ یہ چاؤ کم پڑتے پڑتے ختم ہو جاتا ہے۔ جبکہ ماں کا پیار دینے دار یوں نہیں بھی بھلا نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ انتظار کرتی ہے اپنی اولاد دکا۔" امی نے پسکون لہجے میں کہا۔

"اوکے ماں لیا سہیلی، چلیں کھانا کھائیں۔" انہار نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں نے بریانی بنا رکھی ہے پھر تو لیت تھا تو میں نے بامے بھی پڑھ کر گریں چڑھا دیے۔ بس پانچ دن صاف نہیں کئے۔" انہار کی امی یہ کہہ کر بچکن کی طرف بڑھ چکی تھیں۔

ابھی ان کو بچکن میں گھسے چمچ منٹ ہی ہوئے تھے لیکن سے بہت زوردار دھماکے کی آواز آئی۔ انہار اعلان ہو کر بچکن کی طرف بھاگے تھے پر پٹر پٹر پٹت تھا اور انہار کی امی بچکن میں سے ہوش پڑی تھیں۔

"امی.....! انہار کی جیجی نے افسانہ مچی۔ وہ مگر گولا کی کیے بغیر ماں کو اپنل لے کر کمر بھاگے تھے۔

☆☆☆

"امی پلیئر حوصلہ بکڑیں، اس واقعے کو چار ماہ کے کوئے ہے آپ کو اللہ نے ہی زندگی دی ہے موت ہے آپ کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ آپ آخر تک

تک اس خوف میں بیٹھی رہیں گی۔" ارم نے ماں کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔ پریشگر سمجھنے سے ان کی سر پر گرم کپڑا پانی پڑا تھا جس سے ان کی سر پر طرح جھلک مچی تھی۔ مسلسل علاج کروانے سے ان کو آرام تو آگیا لیکن ان کے اندر جو خوف بس گیا تھا ابھی اس کا علاج باقی تھا۔

ارم کینیڈا سے ماں کے پاس آئی تو ان کو بچکن میں جاتے ڈرتے دیکھا۔ بڑھ کر گھلاتے ہوئے ان کے ہاتھ کاٹتے تھے۔ وہ ہر وقت ایک خوف میں جھلا رہی تھیں۔ ارم سے یہ بات برداشت نہیں ہوئی تھی۔ اس نے ماں کو کھانا کھانے کی کوئی تکلیف آجائے تو بیٹھ اس کی تکلیف کے پڑے ڈر زدن کی گزارنے والا نامہ اور اپنی اس انسان ہوتا ہے اور مایوسی اللہ والہ کو نہایت نا پسند ہے۔ ارم کی بات سے شک و تردید کے دل کو گچی تھیں ان کا دل اب بھی اس دھماکے کی آواز اور کھوتے ہوئے پانی اور تکلیف میں اٹکا ہوا تھا۔

"میں کوشش کروں گی ارم کہ میں یوں ہر وقت پریشان نہ رہوں۔" بیٹی کے بار بار کہنے پر بالآخر انہوں نے بیٹی سے وعدہ کر لیا تھا۔

"اور ہاں امی آپ نے بہت اکیلے وہ گزندگی گزار لی۔ اب اپنا کوئی اسسٹنٹ ہی لے آئیں اور انہار کی شادی کرویں۔ آخر تک انتظار کریں گی کہ انہار کو کوئی لڑکی پسند آجائے۔ آپ بس اپنی مرضی کریں۔" ارم نے ماں کو دوسری بار بھی دھمکی دے کر کہا۔

"ہاں بہتی تو تم ٹھیک ہو۔ اب واقعی انہار کی شادی ہو جانی چاہیے۔" بیٹی باران کے لہجے میں اس معاملے کے بارے میں تجویز کی آئی تھی۔

☆☆☆

انہار کے اخبار سے مزید برتری کی تھی کہ انہوں نے ایک نیند بھیل میں خرید لیا تھا۔ پرانا سارا حملہ ایک لکڑک میڈیا میں چلا گیا تھا۔ چونکہ ماگ انہار سے

سالگرہ نمبر بہت خوش تھے۔ اس لیے اس کے چیخ اڑنے پر تیز چیل کی تقریب پوری فستے داری دے دی تھی اور اتفاقاً بہت خوش تھے اور روز ہر قسم کی خبر کو خوب سائلہ دار بنا کر بولنے کے لیے پاس کرتے تھے۔

”پارکے روز سے کوئی بلاست ہی نہیں ہوا؟ کب تک شیب اور ثانیہ مرزا کی پٹی پلے کی؟ کچھ مڑ نہیں آ رہا۔ اپنے چیل کی تو ریڈ پٹی ہی سونی ہوئی ہے۔“ اتفاقاً کہہ رہے تھے اور ثروت نہایت دکھ سے اس خوب صورت انسان کا بد صورت دل محسوس کر رہی تھی۔ روز کی پٹی اور سچ شدہ اشواں کی لائیکورج دے دیکھ کر کتنا اذیت ناک عمل تھا اور سر اتفاق چسکے لگا رہا تھا کہ کہہ رہے تھے۔

”سر آپ کا کیا خیال ہے بلاست کیوں نہیں ہو رہی؟ کیا حکومت نے اپنی فستے داری کو محسوس کر لیا ہے؟“ اقبال نے اتفاقاً سر سے پوچھا۔

”نہیں یار۔۔۔ اوجھا کے اس لیے نہیں ہو رہے کہ کوئی آتش پیکل ہوئی سسمر راج کر دیا گیا ہے بلکہ سیاسی لیے نہیں ہو رہے کیونکہ دہشت گرد بھی بلاست کرنے کے موڈ میں نہیں ہیں۔ ابھی فوراً بلاست ان کے منصوبے میں نہیں ہے۔ اس لیے وہ بت کہ ان کا ناک موڈ بنتا ہے اور کب ہمارے تیز چیل کی رونق بنتی ہے۔“ سرائی نے حیرے سے چائے کے سب لیے تھے ہوئے کہا۔ جبکہ ثروت نے منہ سے سر جھکا لیا اگر تاہم متعجب نہ ہوئی تو وہ کب کی وہاں سے بھاگ چکی ہوتی۔ اسے سرائی کی بے بسی پر بہت زیادہ غصہ آتا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ ان کو اپنے دل سے بہت قریب دیکھتی تھی اور جب وہ اس کے قصور سے ہٹ کر کوئی بات کرتے تھے تو وہ بہت زیادہ دھکی ہو جاتی تھی۔

☆☆☆

”ابھی ابھی پنجاب میں دو گاڑیاں بارود سے بھری سالگرہ نمبر کیڑہ۔ اپریل 2012ء“

داخل ہوئی ہیں، خبر فرما رہی پٹی پر چلاؤ اور پھر بعد میں نیل پٹی پر لگے نا۔“ سر اتفاقاً نے خبر لاکر ثروت کو دی۔ ”سر آپ کا سوس آف تیز آواز تیز ہے تو آپ کو پتا بھی ہوگا کہ گاڑیاں کہاں ہیں۔ آپ پچیس کو خبر کرویں تاکہ کوئی جانی نقصان نہ ہو۔“ ثروت نے بے حد دل سے مشورہ دیا۔

”اوائے بھلو۔۔۔ اب تیز چیل ہے یہاں خبر بنانی جاتی ہے گاڑی جاتی ہے لیکن سلوٹن نہیں نکالے جاتے اگر ہم سلوٹن نکالنے لگیں گے تو پھر تو سب اچھا ہو جائے گا اور سب اچھا ہو جائے گا تو پریشان قوم تیز چیل کیسے دیکھے گی اور نہیں دیکھے گی تو ہمارا چیل کیسے چلے گا پچیس نہیں چلے گا تو ہمارے کھر کا چلنا کیسے چلے گا اس لیے تم ہر وقت موٹل سروں نے نہ کہہ۔“ سر اتفاقاً نے ہنسنے ہوئے کہا۔

”سر پلیز اس طرح کی خبریں لوگوں میں خوف براس پھیلاتی ہیں۔ اب پنجاب میں گاڑیاں داخل ہو گئی ہیں۔ جو بھی سنے گا خوف زدہ ہو جائے گا۔“ ثروت بھی بولنے سے باز نہیں آئی۔ ”مجھے کبھی ایک آنٹی ملیں ان کو اس تیز سوسن کا پانی بلڈ پریشر کی بیماری ہو گئی ہے۔ ایسے ہزاروں لوگ ہوں گے سر۔ ہمیں انسانیت کے نام سے ایسا باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔“ ثروت نے غصے سے ان کو سمجھایا۔ ”مس ثروت آپ جا کر ایسے فائنڈیشن میں کام شروع کریں، آپ کا بھلا تیز چیل میں کام۔“ سرائی نے میز پر پڑے پیپر دیکھ کر گھما۔ ہوئے کہا۔

جوا تیز روم میں مختلف کونوں سے انہی آوازیں برآمد ہوئی تھیں۔

”مس ثروت، تیز ہو یا پھر چیل مرقی جب اسے سالانہ لگا ہوا ہے کوئی نہیں پوچھتا اور ہم چیل اور بی گڈ بیلکر۔ ورنہ تو لٹیا ضرور ڈوبے گی۔“

اتفاقاً کہہ کر گئے کہیں میں داخل ہو گئے تھے ”کیا ہمارا سسٹر بدل سکا ہے؟ کیا یہ شخص بدل سکا ہے؟“ ثروت نے بے اختیار خود سے سوال کیسے تھے لیکن اس کے اندر سے آواز گھم بھر کر خالی ہاتھ لوٹ آئی تھی۔

☆☆☆

”سر بلاسٹ ہوا ہے۔“ قائم تیزی سے کہیں میں داخل ہوا۔

”بک! اگلے پچیس؟“ سر اتفاقاً نے جلدی سے تیز روم کی طرف جاتے ہوئے پوچھا۔

”ابھی ہوا ہے سر۔“ قائم نے بے حد فستے سے جواب دیا۔

”آگے سے پہلے تم تیز روم میں خبر کو شفٹ کر آتے تھے نا؟“ سر اتفاقاً نے پوچھا۔

”نوسر، پہلے آپ کو بتانا لازم تھا۔“ قائم نے کہا۔

”ایڈیٹ۔۔۔ جنہیں معلوم ہے کہ خبر چاہے تقریبی سیکنڈ ہی کیوں نہ لیٹ ہو، مکتا بوا نقصان ہے۔ اس شخص میں تو سب سے پہلے خبر لگے پری خبر ہوئے ہیں۔“ سر اتفاقاً نے منہ سے قائم کو گورے ہوئے کہا اور پھر تیزی سے تیز روم میں داخل ہو گئے تھے۔ بائیں کر کے وہ سر اداس خبر کو لے نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے وہ ڈانٹ کو کسی اور موٹو پر شفٹ کر کے کام میں مصروف ہو چکے تھے۔

☆☆☆

”مس ثروت آپ کی انکوائری ہے، کیا آپ نے وضاحتی پیپر سر کے روم میں بھیج دئے؟“ قائم نے آکر ثروت کو چوکھٹا دیا۔ جو نہ جانے کہاں تھی۔

”مس، سر اتفاقاً آخرا کیا کیوں کرتے ہیں؟“ ثروت نے تمہات دیکھ سے کہا۔ جس شخص کو وہ نوٹ کر چاقا تھی اس کی کوئی ایک عادت بھی اسے پسند

نہیں تھی پھر بھی اس کا یہ دل ایسے ہی شخص پر کیوں بہکتا تھا وہ نہیں جانتی تھی۔

”اچھا تم دل نہ چھوڑ کرو۔ میں بھی تو اس انکوائری کی دہلیز ہوں۔ یہ کون سی بہت بڑی بات ہے۔ اس طرح کی روٹنک وضاحتی انکوائری تو ہر قسم کا حصہ ہوتی ہیں۔“ قائم نے اپنی طرف سے اس کی خاصی ڈھارس بندھائی تھی جبکہ ثروت نے بے اختیار مگر یہی ٹھنڈی سانس بھری تھی جس میں بے بسی کا عنصر بے حد نمایاں تھا۔

☆☆☆

”سر، میں نے لکھ تو دیا ہے کہ وہ ایک کرکٹر تھا۔ ہم نہیں تھا تو پھر بھی کیسے۔۔۔ خبر ہم دھما کا بنا کر چلا دیں۔ اس طرح لوگوں میں دہشت بھینکتی ہے سر۔“ ”تو۔۔۔۔۔ دہشت بھینکتی ہے تو لوگ اپنی دی گول کر تیز چیل دیکھتے ہیں نا اور نہ جنہیں اگر یاد ہو کہ تیز چیل کے سامنے اہم مقام کا تصور بھی نہیں تھا۔ لوگ ٹو بچے کی خبریں بھی لگے بندے سنا دیا میں دیکھتے تھے لیکن اب دور بدل گیا کیونکہ اب خبر میں وہ سالانہ ہوتا ہے۔ دہشت بھینکتی ہوئی ہے جو دور کو بکس کرتی ہے کہ تیز چیل کو کھول کر دیکھیں، ایسے دیکھیں جیسے وہ کوئی نفل آف ٹرل لگم لگم دیکھ رہے ہوں۔ کوئی گیسر ڈاؤن دیکھ رہے ہوں۔ دیکھ رہے ہوں۔ دہشت بھینکتی پھیل کر رہی ہے اس لیے ویڈیو چیل کھول کر دیکھتے ہیں۔“

”سری نہیں ہے، دہشت ہے جو ہم پھیلاتے ہیں اور میں فیک خبریں نہیں پھیلاؤں گی۔“ ثروت نے غصے سے کہا۔

”یری ٹی، آپ یہاں ملازم ہیں۔ آپ کا جو کام ہے آپ نہ صرف اس کو کرنے سے انکار کر رہی ہیں بلکہ باقاعدہ حکم دے رہی ہیں کہ یہ کروں گی وہ نہیں کروں گی۔ واہ۔۔۔۔۔ سرائی نے تالی مار کر کہا۔

”آئی لائیک یور کانفیڈنس لیکن میڈم اچھا ہوتا

کہ آپ یہ کافیلٹس اپنے کام کے لیے استعمال کرتیں۔ وہ آپ نے کرتے نہیں اور ہمیں اپنے جینس میں صحت کرنے کی سہولت نہیں رکھتی ورنہ تو ہمارا ہیڈ آفرق ضرور ہوگا۔ سواری اچھے یہ سواری کیتے بہت تکلیف ہو رہی ہے، آپ مزید ہمارے ساتھ نہیں چل سکیں گی۔" مرانی نے ایک اور دھماکا کیا تھا۔ ثروت نے بے حد شاک سے مرانی کو دیکھا پھر ایک دم ہی گہری سانس بھر کر اپنے الوسطہ کیے تھے۔

غیر کا دیکھ بواغوشی وہ عام سا لگتا ہے لیکن جن لوگوں کو جانے انھانے میں ہم اپنے دل کے قریب مقام دیتے ہیں ان کی کوئی عام ہی بات بھی عام نہیں رہتی۔ اس لیے ایسے رشتوں سے ملا دو کدول کی دھڑکنیں تک کو نکلنا ہوتا ہے۔ خون نیک آسٹوڈ میں بدل جاتا ہے۔ ثروت کے دھماکا تو یہ بھی تھا کہ وہ عالم اپنے دو ہرے قلم سے بے خبر تھا۔ "اُدکے سرا" ثروت نے ہرے قلم سے بے خبر تھا اور دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازے کی تاب گھمانے سے پہلے وہ واپس مڑی سر افکار اسی کی جانب دیکھ رہے تھے۔ ثروت نے لب بے اختیار کاٹے تھے۔

"سر!.....! جانتی ہوں جس میں کہوں گی وہ آپ کے دل تک نہیں پہنچے گا لیکن کیا کروں آپ کو بولتی ہر جتنی آگ کی طرف تیزی سے بڑھتے دیکھ رہی نہیں سکتی مجبور ہوں نا....." ثروت کی بات پرانی نے بے اختیار اسے بغور دیکھا۔ وہ کیا کہنے جارہی تھی؟ ثروت نے چہرے پر بننے والی آسٹوڈ کی لکیریں بے رحمی سے صاف کیں۔ جب بولی تو آواز آسٹوڈ سے بھاری تھی۔

"بہت سال پہلے میں نے سورہ علی کی تفسیر پڑھی تھی جس میں ایک آیت تھی کہ اگر ہم کچھ اچھا

کرتے ہیں تو اس کے ساتھ الحکف کوئی اچھا کرتے تو اس کے اس گل کا جکھنٹری بیٹھن ہمارے اکاؤنٹ میں ڈپازٹ ہوتا ہے اور ہم اگر کچھ ایسا برا کرتے ہیں کو کوئی ہم سے انہار ہوتا ہے یا پھر الحکف ہوتا ہے تو اس کا بھی کچھ حصہ ہمارے ہی اکاؤنٹ میں بیحد ڈپازٹ ہوتا ہے اور یہ سلسلہ یہاں نہیں رکتا ہے جو جکھنٹری ہوگا سب کا حصہ جائے گا اکاؤنٹ میں۔ دنیا میں پہلے گئی میں بائبل کا قتل کی کہانی میں پہلے قاتل کے اکاؤنٹ میں سب قاتلوں کے اعمال کا حصہ اس کے حصے میں جمع ہو رہا ہے۔" ثروت جلدی جلدی بول رہی تھی۔ آسٹوڈ کر کے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ سر افکار کے ہاتھ پر ہل تھے واضح ہو گئے تھے۔

"آپ جانتی ہیں آپ کی یہ صحت کرنے کی عادت اور اس طرح کی صحت بھری تقاریر ہی آپ کی جانب چلنے کا سبب ہے۔" ثروت نے بے اختیار گہری سانس بھر لی تھی۔

"بند دروازوں سے دھک واپس مڑ آتی ہے۔" سر افکار کے دل کے دروازے بھی بند تھے۔ "کاش آپ کو میری بات سمجھ آ جاتی۔" ثروت نے بے حد حد سے دل ہی دل میں کہا اور اس کی نظروں سے سر افکار کو جاتے جاتے دیکھا کہ سر افکار جیسے سخت دل انسان بھی سوچ میں پڑ گئے۔ ثروت چلی گئی تھی۔

آئندہ کئی دنوں تک سر افکار کام کی بے حد معروضیت میں بھی وہ آسٹوڈ بھری آنکھیں بھلا نہیں پاسے تھے۔ ایسے میں وہ بے اختیار سر اور کندھے ہار بار جھکتے تھے۔

☆☆☆

"ثروت جب سے تمہاری جانب ختم ہوئی ہے تمہاری ٹینڈنسی ختم ہو رہی ہے۔" می نے ثروت کے منہ سے رضائی پٹائی۔

"مئی سو نے دینا ناں....." ثروت نے دوبارہ لحاف میں منہ چھپایا۔

"بس بہت ہو گئی..... اور کتنا ضائع کرو گی خود کو۔ تم نے چاب کی اجازت مانگی وہ دی اب اور کیا کرتا ہے؟ بس اب شادی کرو۔" می نے اس کے پاس بیٹھے ہوئے کہا۔

"شادی....." وہ اپنے لیے ہال سمیٹ کر آرزو ہو کر بیٹھی۔ می نے بے حد چارے اپنی اکوٹی چٹی کو دیکھا۔ وہ ان کی زندگی کی واحد خوشی تھی۔ اس کا دکھ ان سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔

"بھول جاؤ اسے.....! وہ تمہاری سیکرٹری صحت تھی ناں پھر کیا صحت کا کیا فائدہ؟" می نے پیار سے اسے ساتھ لگایا تھا۔ وہ ان کی بہت پیاری بیٹی تھی۔ ثروت نے کبھی اپنی سیکریٹری بھی ماں سے کچھ نہیں چھپایا تھا۔

"مئی! اجن لوگوں نے زندگی میں رہنا نہیں ہوتا پھر وہ ہماری زندگی میں آتے کیوں ہیں؟ اور اگر آتے ہیں تو بھولتے کیوں نہیں؟" ثروت نے حد تک ہو گئی تھی۔ می نے اسے اس اعتبار سے سینے سے لگایا تھا۔

"یہ سب اللہ کی محنتیں ہیں، شروع شروع میں انسان ان کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے بعد میں اسے خود اندازہ ہو جاتا ہے کہ جو اللہ کی مرضی تھی وہ بہترین چیز تھی اس کی زندگی کی۔"

"سب جانتی ہیں اور ہوائی بھی ہوں می! آخر آپ کی بیٹی ہوئی، کیسے اپنی اہم بات سے انکار کر سکتی ہوں؟" ثروت نے ہیکے لیے کہا۔

"آپ میرے لیے دعا کیجئے گا۔ ماؤں کی دعا میں تو بہت قبول ہوتی ہیں ناں..... اللہ تعالیٰ مجھے اس محبت کے آواز سے نکال دے۔ میرا دل میری بے بسی سے دھک جائے۔" ثروت نے اپنی بے بسی کی حد تک ماں کو دکھا دی تھی۔

☆☆☆

"دعائیں سنتی یا کہا ہے کہ شادی کرو، امی کو کوئی سہاٹی چاہیے۔ ان فکھت جھیں بھی سہاٹی چاہیے۔" ارم ہائی فون پر کھڑی تھی۔

"کیوں آپ میری آزادی کی دشمن بن رہی ہیں۔" افکار نے بات بھی میں اڑانے کی کوشش کی تھی۔

"افکار میں بہت عجیبہ ہوں، ہم کو کوئی پسند نہ تو بناؤ ورنہ میں نے ایک لڑکی دیکھی ہے۔ بس وہ فاکل کروٹنی ہے۔" ارم بیٹی نے بقاعدہ دیکھ دی تھی۔

میں کوئی فرد نہ تھا۔" افکار کہہ کر تھے تھے اسی بل داغ کے پردے پر دو آسٹوڈ میں ڈوبی آنکھیں لہرائی تھیں۔ افکار کا قہقہہ ایک دم رک گیا تھا۔ خود افکار کو اس احساس پر حیرت سے جھٹکا لگا تھا۔

"جھوم میں..... اس زندگی کی بجیر میں..... کوئی کوئی فرد نہ تھا۔"

"کیا ہوائی.....؟" ارم ہائی فون پر چھری تھی۔

"ک" کچھ نہیں ہوائی۔ میں بعد میں بات کرتا ہوں۔ سر افکار نے کم کم انداز میں فون رکھ دیا اور بے اختیار آنکھیں موندھ کر کسی سے سر نہ لگایا۔ اب ذہن کے پردے پر دو ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ اس چہرے کے نقش بھی ابھر رہے تھے۔ وہاں ایک مکمل چہرہ اب موجود تھا جس موجود تھا۔ وہ مکمل ثروت کا تھا۔

☆☆☆

"امی کیوں آپ کا پانی پانی رہتا ہے؟" امی کو امی کے روز بڑے ہوئے لی پری پری پری ہو رہی تھی۔

کانپ رہے تھے۔ آنسوؤں سے بار بار منظرِ وحشت لے
رہے تھے۔

”بیاری امی جان فون اٹھائیں۔“ افتخار سارے رستے پاگلوں کی طرح فون مارتے رہے لیکن امی فون نہیں اٹھا رہی تھیں۔ ٹریفک نیو کیپس کے پاس آ کر دو رو تک جا جمی۔ افتخار نے اسٹیرنگ پر بے اختیار کھانا مارا تھا۔

”ای!.....!“ انھار کوک رہا تھا کہ ان کا دم گھٹ رہا تھا۔ اپنی سانس لینے میں وقت بھری تھی۔ ”سر آپ بہت مضبوط ہیں، بہت استواریک ہوتے ہیں جب تک کسی اپنے کی بجزوری اور دکھ نہیں آتا۔“ کوئی سرا انھار کے کانوں میں سرگئی کر رہا تھا۔ ”کسی اپنے کی تھوڑی سی چوٹ کسی کی کاری ضرب سے کہ نہیں ہوتی ہے۔“ ان کے دماغ میں کسی کی آواز گونجی تھی۔ آج ان کو احساس ہوا تھا کہ کسی اپنے کی گمشدگی بوجہ اس کی خیریت کی گمشدگی کیسے انسان کی فزکی سائنس گمشدہ کر دیتی۔

”امی۔ اے اللہ! میری ماں کو سلامت رکھنا“، انجیرو کو اللہ یاد آئی گیا تھا۔ دور تک ٹریک جامن کے اوسان خطا کر رہا تھا۔ سہرا انجیرو نے گاڑی وہیں چھوڑی اور یہ سوچے بنا کہ ان کی گاڑی ان لاک بھی۔

یہودی عیسائی گٹھی میں ٹال جو انہوں نے بڑے ارمانوں سے خریدی تھی یہیں اس وقت انہیں وہاں تھکی کہاں۔ جب وہ سخت سردی میں بیٹے اپنے بھائی کے ساتھ مل کر ایک تک بیٹھے تو ہر طرف بھلہ دیکھ رہی تھی۔ وہاں پلاسٹ نہیں ہوا تھا۔ پلاسٹ کی افواہی کین بازار میں موجود بیچے اور خواتین خوف و ہراس کی وجہ سے ایک دوسرے سے چڑھ دوڑے تھے اور اس بھلہ دیکھ میں بہت سارے لوگ پاؤں تلے روئے گئے تھے، جو خواتین دیکھ رہی ہوگی تھیں۔ انتظار میں بل کر کمرے کے لوگ یہی اس اطلاع کو کین کرنا رہا ہے تھے۔ انتظار

میرے مسافر

تم گزرتے جو میری راہ سے
تو میں راہ کے ہر قدم پر
اپنے آجکل کے ستارے تاکہ
اپنی ٹانگ کے سارے مار مار
تجھارے ہر قدم سے اپنے دل
اپنے جنون کی ہر تپتی خوشی
تجھارے غم سارے دامن میں
لیکن اس کا کیا کریں کہ میرے
سفر دوسرا تھا
رہ گزرو دوسرا تھا
میں نہ دوسرا تھا

مرسلہ: رابعہ انجم، چٹوکی

سب سے بڑے انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ ہر خاتون کو دیر اور چٹکا وجود ان کی ماں میں ڈھل رہا تھا۔ ہر عورت پر ان کو اپنی ماں کا گمان ہو رہا تھا۔
 ”امی.....“ ہر جگہ ماں کو تلاش کرتے کرتے
 افتخار ہاتھ رہے تھے۔
 ”امی..... امی..... کہاں ہیں۔“ وہ امی کو فون
 ڈائل کر رہے تھے۔

"چیز ای فون اٹھا میں۔ اسے اللہ..... میری
مال سلامت روں۔" اسی لمحہ جب وہ اوپر اُھر دیکھ
رہے تو ایک بچہ نظر آیا یا کسی چھ سال کا تھا ایک بوٹ
پینے ان کو دوا نظر آیا تھا۔ وہ اپنی مال سے پھڑکیا تھا۔
اٹھانے اسے فوراً دیکھا تو انہیں لاکر ان کے آنسو
بالکل اس بچے سے مشابہت رکھتے تھے۔ دونوں کی
مال پھڑکیا تھی۔

”ماما.....ماما.....ا“ بچہ روتے روتے چلا رہا تھا۔ افتخار کا پتھر دل اس کی کرب سے بھری آواز سے

موم کی طرح پھلے جا رہا تھا۔ وہ بے اختیار بیٹے کی طرف بڑھے اور بیٹے کو گود میں اٹھالیا۔ دونوں کام مشترک تھا۔ ایک کرکٹر بیٹے سے اتنا شرمیلیا تھا۔ ہم نہیں تھا لیکن صرف کرکٹر کی آواز نے لوگوں کو اس قدر کیوں بدحواس کیا تھا۔ آخر لوگوں نے کیوں نہ اسے نہیں کیا تھا۔ صاف دیکھتی۔ ہمارے ننڈ جھیل اور اخبار لوگوں کو اتنا ڈرا دیتے ہیں کہ ایک عام کرکٹر ہو یا ایک بم کی بمبونی اطلاع ہو تو بھی سب کے لیے اتنی ہی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے جتنی کہ کچھ میں ہو سکتی تھی۔ ہماری قوم اتنی ڈر جکی ہے کہ خالی شیر آ کر اطلاع پر لوگ اپنے حواس کھود دیتے ہیں۔ سرائقار کے ذہن کے پردوں پر ایک بار پھر کوئی چلایا تھا۔

”اگر سر یہ حواس کون چھین رہا ہے؟ یہ حواس ہمارے خبروں کو دیے مسالے چھین رہے ہیں۔“ ثروت کی آواز نے ایک بار پھر ان کا چپھا کیا تھا۔ اس قدر بیٹے کو باہر لے کر آئے تھے اسے پیار کیا تھا۔ وہ اب چپ تھا ان کی گود میں تھا۔ اچانک کوئی عورت ان پر چڑھی تھی۔

”میرا بچہ.....“ اس قدر بچے اسے دے دیا۔ ماں دیوانہ وار اسے چوم رہی تھی۔ اس قدر کا سراور نگاہ شرم سے چھٹی جا رہی تھی۔ جانے وہ کب سے ایسے مناظر کا باعث بن رہے تھے اور ان کو اس کا احساس تک نہیں تھا۔

”آ..... میں کیا کیے جا رہا تھا۔ واقعی میں بھول گیا تھا کثیر کوسالہ گاہے گاہے پر چلنے سے وہ لوگوں کے حواس چھین کر بہت بڑے مجرم بن چکے تھے۔“ اسے اللہ..... میں زندگی میں اب بھی دوبارہ ایسا کام نہیں کروں گا۔ میں بھی لوگوں میں خوف و ہراس نہیں پھیلاؤں گا، ہمیشہ درست خبر کا باعث بنوں گا۔ میری ماں کو صلاحت رکھنا۔ مجھے صاف کر دے

ماں!۔“ اس قدر اسے دل ہی دل میں دعا کی تھی اور وہ تو رب کریم سے وہ کپارے والوں کی سنتا ہے۔ ”اچھا.....“ ان کے چپے کیلے آواز دی تھی۔ یہاں کی آواز تھی۔ وہ تپ کر ماں کی آواز پر چلے گئے۔ اس آواز کی سلامتی پر وہ اس قدر بڑھے تھے کہ کوئی نہ جانتا تھا وہ تپ کر کہاں سے جا چلے گئے۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ امی نے تھاہت بھری آواز میں کہا تھا۔ ”اس بچی کا بھلا کھلا کرے۔ مجھے کیسے جہنم میں سے بچا کر باہر لائی۔ ورنہ تو میں نے جہنم میں چلے جاتا تھا۔“ امی نے ساتھ کھڑی لڑکی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس قدر بھلی باس کی جانب متوجہ ہوئے۔ وہ ثروت ہی تھی جس کی آوازیں، بائیں ان کا مسلسل چپھا کرتی رہی تھیں آج تک۔ وہ ایک چھوٹے سے اسراف کو سر پر لپیٹے ہوئے تھی، اس کے سوت کی چادر اس نے اوڑھ رکھی تھی۔ اس کے پیچھے بیٹھے تھے۔ اس کی جوتی بھی امی کے پیروں میں تھی اور وہ اتنی سردی میں بیٹھے تھے کہ سوت کی اس کی ماں کو تھامے کھڑی ان کو شرمندہ کر رہی تھی۔

”ثروت.....! ان کے لب کپکپاتے تھے۔ وہ اس سے سوری کریں یا شکر یہ کہیں..... وہ سمجھ نہیں پارہے تھے۔

”امی سر.....! ثروت نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

”آئی.....! آئی ائم سوری۔“ انہوں نے ثروت کے قریب آ کر کہا تھا۔

امی نے غور سے دونوں کو دیکھا تھا۔ وہ یہ تو نہ جان کی تھیں کہ اس قدر اسے شکر یہ کہنے کے بدلے سوری کیوں کہہ رہا تھا لیکن وہ یہ ضرور جان گئی تھیں کہ وہ اس بیماری کی لڑکی کو پہلے سے جانتا ہے۔ ثروت نے یہ مشکل اپنے آسجیٹ کیے تھے۔ وہ اپنی بڑبڑائی اور برے رویے کی معافی کہاں اور کس جگہ مانگ رہے تھے۔

لیکن کیا واقعی سر بدل گئے ہیں جو جوانی باگ رہے ہیں۔ دل نے سوال کرتے ہی لڑک غصی کی مسو کی تھی۔ یہ دل کے سوتے بھی عجیب ہوتے ہیں۔ اپنا بار بڑھتوڑی ہی بھی درنگ دیکھتا ہے تو اسے گزشتہ سو خون صاف کر دیتا ہے۔ ثروت پر بھی یہی کیفیت طاری تھی۔ اسی لیے تو وہ بے اختیار بولی تھی۔

”اس اس کے سر۔“ سرائقار کی نظروں میں ہل بھر جس جو احساس ابگر کر ثروت کے وجود کو چکا چوند کر گیا تھا اس پر ثروت نے بے اختیار نگاہ پھانسی کی۔ ”میں یہاں تک شاپ سے بچھوٹے لیے آئی تھی۔“ ثروت نے جیسے خود پر طاری کیفیت سے لگنے کو کہا تھا۔

”اس بچی کا کچھ بہت بڑا احسان ہے اس نے آج میری جان بچائی ہے۔“ امی نے ثروت کو پیار سے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ ”آئی پلیز، آپ ایسی بات کر کے شرمندہ نہ کریں۔ یہ تو میرا فرض تھا۔ کاش میرے بس میں ہوتا تو میں کسی کو بھی ایسی چیزیں سے نہ گزرنے دیتی۔“ ثروت نے بہت مسنی خیر اعاد میں کہا تھا۔ اس قدر اس نے بے اختیار اسے دیکھا تھا۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ ثروت نے کس پس منظر میں یہ بات کہی تھی۔ وہ تینوں بیٹھے بکھلے آئے تھے۔

”آپ میرے جوتے پہن لیں۔“ اس قدر اس کا کھٹے پاؤں ملک پر پان تکلیف دے رہا تھا۔ ”سر آپ کے بڑے جوتے پہن کر تو میں گر جاؤں گی۔“ ثروت نے کسرا کر کہا تھا۔ اس قدر اسے تنگ کر اپنے جوتے اتارے پھر کوس اتارے۔ وہ ٹھیک کر رہی تھی اس کے نرم وہ ڈاک چھوٹے سے پاؤں کہاں اس کے جوتوں میں آئے تھے۔ ”آپ فی الحال ان سے اپنے پیروں کو کور کر لیں۔“ اس قدر اس کو دے جوتے نے

فوراً پہن لیے۔ سردی سے خضے فرش پر مزید کھڑے ہونا سے بے حد دوارنگہ۔ ہاتھا۔ ”میری گاڑی دودھ ٹریک میں پھنسی ہے۔ آپ کو کس طرف جانا ہے؟“ سرائقار نے ایک رکشے والے کو روکے ہوئے ثروت سے پوچھا۔

”کھن راوی سر۔“ ٹھیک ہے آپ کھر جا کر مجھے بیٹے کی اطلاع کریں۔“ سرائقار نے رکشے والے کو پیسے والٹ نکال کر پہلے ادا کر دیے تھے اور رکشے کا نمبر بھی اپنے سبل میں محفوظ کر لیا تھا۔ ثروت رکشے میں بیٹھتی تو سرائقار نے تھوڑا سا جگہ کر ثروت کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ثروت میرے آفس میں ننڈ پر پڑ کر جگہ خالی ہے۔ یہ پتا چوتھ آسکی ہوا کرتے مجھے دل سے معاف کر سکتو اور دوسرے آپشن میں میری زندگی میں ایک صحت کرنے والی لڑکی کی بے حد کی ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں اس پوسٹ کی آفر کرنے اپنی امی کے ساتھ تمہاری امی سے ملاقات کرنے آ جاؤں۔“ ثروت نے چونکہ سرائقار کو دیکھا تھا۔ سرائقار کی بے چینی ان کے چہرے سے عیاں تھی۔ وہ ثروت کے جواب کے لیے اسی کو دیکھ رہے تھے۔

”سر! ثروت نے گھاٹھا مارا۔“ آپ کو کوئی کام تو سیدھا کر لیا کریں۔ کوئی رکشے میں بھی پر پڑ کر رہتا ہے؟“

سرائقار کے چہرے پر مایوسی ابھری تھی۔ ”وہیے سر مجھے دوسرا آپشن منظور ہے۔“ ثروت کی بات پر اس قدر بے اختیار بے اختیار کھٹکے تھے اور جیسے ہٹ گئے تھے۔ رکشا ان کی نظروں سے دور چلا گیا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلنے اپنی گاڑی تک پہنچے اور اسی کو پتہ نہ پڑا۔ یہ ٹریک ابھی تک بلاک تھا۔ لیکن ان کی زندگی میں ”خیر“ کا رستہ کھل چکا تھا۔

خوابِ زبانِ جان

عنبرہ سید

وہ اپنے بستر کے ساتھ والی کھڑکی کے پتے وا کیے اس کے پار کا منظر دیکھ رہی تھی۔ صحن میں اماں چار پائی بچھائے دھوپ سینک رہی تھیں اور ان کے ساتھ بیٹھا مزہ کھا پھوس رہا تھا۔ وہ برقی رفتار سے دانتوں سے گنے کا چھلکا اتارتا اور مزے سے اس کا

رس پھوس کر اس کی باقیات اپنے پاؤں کے قریب پھلکوں کے ڈھیر پر اچھال دیتا۔ ساتھ ساتھ وہ اماں سے تادارہ خیالات میں بھی مصروف تھا۔ منٹوں میں گنے کا آخری ٹکڑا اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ اسے آنکھوں کے سامنے کیے نظروں سے ٹول رہا تھا شاید



اسے فیملہ کرنا تھا کہ اسے چوسا جائے یا نہیں۔ کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے وہ ہنگڑا اپنی چمکوں کے دھیریں چمھا لیا۔ گئے گا آخری حصہ عموماً سخت اور کمرس والا ہوتا ہے۔ مائزہ کو پتا تھا مزہ یہ نکلا نہیں چوسے گا اور اس کے ابا کیلئے پر وہ سخت بیزاری کے موڈ میں بھی ہے اختیار کر لاری۔

گئے سے فارغ ہونے کے بعد مزہ نے اماں سے کہا کہ اور ان کے جواب پر بولے سے سر ہلایا۔ پھر وہاں سے اٹھ کر کچن میں گئے غلے کا دست چلانے لگا۔ کچن میں کچل شفاف پانی لگنے لگا۔ مزہ نے ہاتھ دھوئے اور کھانا کرنے کے بعد کھیلے ہاتھ اپنے بالوں میں بھیرے اور بال ستارے ہوئے اسے ان کمرے کی سمت دیکھا جہاں مائزہ بھی تھی۔

”اب اس کا اگلا قدم ادھر کو ہوے گا اور جو کچھ اس نے اب تک اماں سے سنا ہے اس کی روشنی میں یہ میرے سامنے ایک عدد تقریر چھانڈے گا جو انتہائی فصیح آموز اور بین آموذ ہوگی۔“ مائزہ نے سوچا۔ لیکن وہ یہ بعد اسے کمرے کے باہر قدموں کی آواز آئی اور پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ مائزہ نے بازو گھٹنوں کے گرد ہاتھ کر گردن کھڑکی کی طرف موڑ لی۔ مزہ کمرے میں داخل ہو کر کچھ دیر اسے دیکھنے سے دیکھتا رہا۔

”میں سمجھا تم سو رہی ہو؟ جب ہی جواب نہیں دیا دستک کا۔“ اس نے کہا۔
”تم پھر بھی انداز آگئے۔“ مائزہ نے بدستور باہر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”ہاں۔“ وہ ہنسا اور کمرے میں موجود واحد کرسی پر بیٹھ گیا۔ ”اس لیے کہ تمہاری بے مروتی اور بے اختیار پناہ کوئی خاص خوش فہمی نہیں تھی۔ میرے ذہن میں دوسری سوچ بھی تھی کہ ہو سکتا ہے تم اپنی ان دونوں خوبیوں کی وجہ سے جواب نہ دے رہی ہو۔“ مزہ کے اس بیان پر مائزہ نے جزیب ہوئے ہوئے

کھڑکی کا ایک پتہ زور سے ہنگڑا کیا۔ ”یہاں سے۔“ مزہ نے اس کی اس حرکت سے یقیناً غصا اٹھایا تھا۔ ”ٹوٹ بھی سکتا ہے۔“
”تم سے مطلب۔۔۔۔۔“ اب کے مائزہ اس کی طرف دیکھ کر جیسے باقاعدہ میدان جنگ میں کودی۔ ”فکر نہ کرو، ٹوٹ گیا تو تم سے نہیں کہیں گے ٹھیک کر دو۔“

”میں تو خیر کیوں ہوا کہ دوں گا اگر کو بھی تو۔“ وہ مزہ پر محفوظ ہوتے ہوئے بولا۔ ”میں تو چنگی جان کی پریشانی کے خیال سے کہہ رہا تھا۔“
”تم اماں کی فخریہ مت کرو، تمہیں وہ بھی نہیں کہیں گی کہ کچھ غلط جو ہمارے گھر میں ہوا ہے، اسے ٹھیک کر دو۔“ مائزہ جیسں پچیسں ہو کر بولی۔
”ادھ اچھا۔“ وہ مائزہ کے کچے گوشوں کمرے

بچیدہ ہو گیا۔
”اب وہ بھی کہہ دو جو اماں نے تمہیں کہنے کے لیے بھیجا ہے۔“ مائزہ نے اسی طے بھنے انداز میں کہا۔
”نہیں، مجھے کچھ نہیں کہنا تھا۔“ وہ اب بالکل بچیدہ ہو گیا تھا۔
”کیوں۔۔۔۔۔“ مائزہ نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ ”کیا اماں کا پڑھایا سبق بھول گئے ہو؟“

”نہیں۔ بات نہیں ہے۔“ وہ کرسی کی پشت سے ٹپک لگتے ہوئے بولا۔ ”مجھے تم سے اس لیے کچھ نہیں کہنا کہ تم سے کچھ کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔“ مائزہ دیر پر کمر لائی، بالآخر اس نے مزہ کو کبھی زنج کر دیا تھا۔

”دوے میں تمہارے اس رویے سے خالص مایوس ہوا ہوں۔“ مزہ نے یہ بات بھی بہت سنجیدگی سے کہی تھی۔

”اچھا تو کم کوجلدی پتا چل گیا کہ مجھ سے بات کرنے یا بڑے بڑے الفاظ سے بھر پور تقریر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔“ مائزہ اپنی تائیں سیدھی

کرتے ہوئے دوبار سے ٹپک لگا کر غم دہرا ہوا۔
”بد مائی اور بد مینری کے خول کے اندر چھپ کر بے اختیار اپنی کوشش کو حوالہ بنا کر اگر تاریخ میں کسی کی گتے کا روبرو سر انجام دیا ہو یا کوئی معرکہ جیت لیا ہو تو مجھ ضرور تانا۔“ وہ اپنی گتے اٹھتے ہوئے بولا۔

”اور اپنی مرضی کے خلاف خود پر مسلط کیے ہوئے کام کو اگر کبھی کی نے تاریخ میں دھتکے سے سر انجام دے لیا ہو تو کم مجھ ضرور تانا۔“ مائزہ نے کہا۔
”ہاں ضرور۔“ مزہ نے اس کی طرف دیکھ کر کمر ہلایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔
”ادھ مائزہ نے اسے جاتے دیکھتے ہوئے سر جھٹکا۔ ”چلا تھا مجھے کھانے۔“

☆☆☆☆

”جو بات مجھ سے کسی مکمل ان پڑھ کی کچھ میں آگئی، اللہ جانے اس بچی کو کچھ کیوں نہیں آتی۔“ اسی شام مٹی کے چولہے پر بڑا ادیکھ چڑھا نے سالہا بھونے ہوئے مائزہ نے جہاں نے خیال آرائی کی۔
”تمہیں کیا سمجھ آئی مائی؟“ مزہ نے چولہے کی آگ دیکھتے ہوئے دیکھی سے پوچھا۔

”سیدھی بات ہے۔“ مائی ہاجرہ نے پھونکی میں پھونک مارتے ہوئے آگ کی لو بڑھانے کی کوشش کی اور پھر دھوئیں سے آنکھوں میں بھر آئے پانی کو چادر سے خشک کرتے ہوئے کہا۔ ”بہنی پڑی کی شراب کی طرح کچل کھائی ہی اچھی رہتی ہے، تنے کی طرح بے پلک، سیدھی کھڑی بہنی کی زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔“

”ادھ مائی۔“ مزہ کے منہ سے بے اختیار الفاظ نکلے۔ ”تو تو بڑی اعلیٰ قسم کی فلسفی ہے، مجھے تو دانشور ہونا چاہیے تھا تو کہہ رہی تھی ہاٹیا ہون رہی ہے۔“

”میں کوئی نہیں تھی۔“ مائی نے ہنستے ساں میں پانی کا جھپٹا مارتے ہوئے کہا۔ ”ذات کی تائن ہوں، ہاٹیاں پکانے اور دونیاں لگانے کا کام ہے میرا۔ میں اپنے جیسے کام کر رہی ہوں، مجھے اپنے کام کی

الف ب، ضرب، جمع، تقسیم ساری آتی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی۔“
”لے مائی! ابھی تو تو نے اتنا ہماری فلسفہ ستایا ہے، لڑکیوں کے بارے میں کچھ نہ چولے میں رکھی سب سے بڑی لکڑی چولے کے اندر مزہ دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہائے۔ ہائے۔ گھسا لکڑی کو اندر آگ خراب ہوتی ہے۔“ مائی نے اس کا ہاتھ روکا۔
”گھناؤنا۔ آپاقتی۔“ پھر وہ صحن کے اس کونے میں آتی بیٹھی جان سے مخاطب ہوئی۔ ”کڑیوں چڑیوں کی کہانی کون سی تھی ہے جو میں نے اس کو سنائی۔ کڑیاں چڑیاں بڑی کی شراب کی طرح پلک کھائی ہی بھلی لگتی ہیں۔ کیوں؟“ اس نے تائید طلب نظروں سے بیٹھی جان کی طرف دیکھا جو پاس دھری بیڑی پر بیٹھ رہی تھیں۔

”بڑے مجھے یہ بھی خیال آتا ہے۔“ پھر مائی ہاجرہ ادھر ادھر دیکھنے کے بعد سر گوشی کے سے انداز میں بولی۔

”کیا۔۔۔؟“ مزہ نے دیکھا بیٹھی جان کے چہرے پر ابھی تک بچہ والا دکھ کا احساس چھایا ہوا تھا۔
”غافلہ بی بی کا جن ادھر مائزہ پر مٹی تو قبضہ ہمانے کی کوشش نہیں کرتے لگا۔“

”کیا حماقت کی بات ہے ہاجرہ۔“ چچی جان نے اسے ڈپٹا۔ ”کسی اور کے سامنے نہیں کر دینا یہ بات۔“

”کو میری غلط فہمی مائی نے فوراً ختم کر دی۔“ مزہ نے ہنس کر چچی جان کی طرف دیکھا۔ ”میں کچھ دیر پہلے مائی کو اٹھل پائے کی غلطی قرار دے رہا تھا۔ جن والی بات کر کے اس نے ثابت کر دیا کہ یہ تو واقعی تائن ہے، ہاٹیاں بھوننے اور دونیاں لگانے والی تائن۔“

”تو میں نے اور کیا کہا ہے بچہ؟“ مائی نے ہنستے مسالے میں کھلے ہوئے آلو ڈالتے ہوئے کہا۔ ”میں

ہوں، جتنا شاید خوشگوار نہیں جانتی۔“ اس کے لہجے میں اپنی بات پر یقین بول رہا تھا۔

”اوہ..... اچھا۔“ مزہ مسکرایا۔ ”پھر یہ بات یوں کر لیتے ہیں کہ تم شاید خود کو اتنا ٹھیک سے نہیں جانتیں اس لیے اپنے فیصلے کے نتائج پر غور نہیں کر رہی ہو۔“

”اوہہ۔“ وہ حیرانہ انداز میں بولی۔ ”میں نادر کو جتنا جانتی ہوں، اس سے بھی زیادہ جان لیتا جانتی ہوں، وہ بھی اس طرح کہ خود کو بھول جاؤں۔“ مزہ نے اس کی بات سنی اور اس کے کالوں نے جو سنا اس پر یقین کرنے کے لیے دھیان کسی اور طرف مبذول کرنا چاہا۔ اس کے سامنے جن میں گلے موسی پھولوں کے پودے تھے جن پر اڑائی ایک جھلی اپنے خوشنہر پکھلانے زحر سے آدھر حرکت کر رہی تھی۔

”نادر جہادری قوم کا نہ جہادری برادری کا ذات اس کی ان جانی، تم کسی حساب میں اسے اتنا جان لیتا جانتی ہو کہ خود کو بھول جاؤ۔“ چچی جان جو سن سے خاموش بیٹھی تھیں بالآخر خاموش نہ رہتے ہوئے بولیں۔

”آپ کو ذات کا قوم کا مان لے ڈوے گا۔“ مازہ نے گستاخانہ لہجے میں کہا۔ ”کیا یاد آپ کو آج تک ان اونچی ذات والوں نے۔“ وہ کھاجانے والی نظروں سے مزہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”نادر کو گامہ کی سزا عرق۔“ اس کی آواز مزید بلند ہوئی۔ ”اس کے بجائے اس کی سزا اگر مرد گردو نظرواؤتیں تو کوئی نہ کوئی مہربان شخص اس کو بھی مل جاتا اس قید جہان سے نجات دلانے کے لیے۔“

”میرے بارے میں خیال آرائی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے نہیں۔“ چچی جان اس کی بات پر غصے سے بولیں۔

”میں آپ کے قاعدے اور قانون نہیں جانتی۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ زندگی میں صرف ایک بار

ملی ہے اور اس زندگی میں مجھے وہی کرنا چاہیے جو میرا دل چاہتا ہے۔“

”لیکن میں تمہیں اس من مانی کی اجازت نہیں دے سکتی۔“ چچی جان نے اب کے ذرا مضبوط اور فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ”تمہاری یہ حرکت میری برسوں کی ریاضت کو خاک میں ملا دے گی، میں نے جس طرح کانٹوں پر چل کر کمزرت کی چادر سر پر تائی ہے اس تم جیسی قوم کا تصور کتنی ہو مگر اس کی اس احرام کی تم سے نہیں مانگتی اگر مجھے نہیں ہوتا کہ تم اپنے لیے جو فیصلہ کر رہی ہو وہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔“

”آپ کو کیا پتا کہ میرے حق میں کیا اچھا ہے اور کیا برا۔“ نادر درشت لہجے میں بولی۔ ”آپ یہ فیصلہ کیسے کر سکتی ہیں جبکہ آپ کو پھر پھر یہ پتا نہیں چلا کہ خود آپ کے حق میں کیا اچھا ہے۔“

مزہ نے حیرت سے مازہ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں شعلہ دار تھیں۔ ”مجھے زندگی نے وہ بھی سکھا دیا جو کبھی کسی خواہش میں نہ بھی نہیں کی تھی۔ میں کسی یہ نہیں چاہوں گی کہ تم بھی حالات کی مار کا رکھو سب کچھ جو کبھی کے خواہش میں نہیں رہتا۔“ چچی جان نے اب کے نرم لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”اس کی کسی بات سے بھی میں متاثر نہیں ہوتی۔“ مازہ بدستور اسی لہجے میں بات کر رہی تھی۔ ”آپ کے لفظ، آپ کا لہجہ، آپ کی باتیں سب پرانی ہو چکیں بار بار ہواؤں جاتے، والی اور یہ ساری باتیں اگر تمہاری زندگی بدلے یا بہتر کرنے کے لیے بددگار ہوئیں تو بھی ان کو سنا جاسکتا تھا، دھیان دیا جاسکتا تھا مگر یہ محض باتیں ہیں، بے معنی لفظ، بے تاثر جملے، ناقابل عمل باتیں جو کبھی نہیں لکھنے والے اپنی کتابوں میں بس لکھ دیے ہیں۔ اسکرین پر نظر آنے والے بس بول دیتے ہیں، ان سے کنوئی کی زندگیاں بچھ رہتی ہیں، کون کتنا ہی سکون رہتا ہے ان پر عمل کر کے بھی نظر

نہیں آیا۔“ وہ ٹھیک اڑانے کے سے انداز میں بول رہی تھی۔

مزہ نے اس کے چلنے کی اس بکھرے پاؤں، آنکھوں کے گرد سیاہیوں کو دیکھا اور اندازہ لگائے کی کوشش کی کہ وہ اپنے موقف پر کب تک مزید چلے رہی ہو۔

”تم جو بھی کہو، وہ طرے جتنے تیر بربسا نا جانتی ہو برسوں، میں تمہاری شادی نادر سے ہرگز نہیں کروں گی۔“ چچی جان نے سختی انداز میں نادر سے ہرگز نہیں کروں گی۔ ”تو آپ شکر کریں، میں خود کروں گی۔“ مازہ پر اس بات کا ذرا بھی اثر نہیں ہوا تھا۔

”میں تمہیں یہاں سے باہر لے دوں گی تو کروں گی نا، چچی جان شاید اس کی یہ دم کی پہلے بھی سن چکی تھیں۔“

”میں یہاں سے بھاگ جاؤں گی، وہ کچھ لیجے گا۔“ وہ ان کی آنکھوں میں انکھیں ڈال کر بولی گی۔ ”آپ کی گیدڑ تمہیں کیا میرا راستہ نہیں روک سکتیں۔“ مازہ کی اس بات نے مزہ کو بالکل ہی ششدر کر دیا تھا۔ وہ بے چینی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ”اس شخص کے لیے یہ کمرے بھی بھاگ سکتی ہے۔“ اس نے سوچا۔ ”جو اسے تردد پر اتارے کیا اسے روکا جاسکتا ہے۔“ اس کا دل ایک دھڑکن چھوڑ گیا۔

”یہ خاندانی عزت اور وقار، یہ اعلیٰ اخلاقیات اور روایات، جو کمرے، یہ ذات، برادری، حسب نسب، میرے اور نادر کے درمیان جو جتنی چیز ہے اس میں یہ تحوک دوں گی، کان کھول کر سن میں، آپ مجھے ایسا کرنے سے اب کسی طور نہیں روک سکتیں۔“ مزہ کو گواہی درشت باتیں کان میں پڑنے پر پیسے اس کی آنکھوں میں بھی سی آرائی تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر اس لڑکی کی طرف دیکھا جو اپنی تمام تر خاموشیوں کے باوجود اسے بے حد عزیز تھی۔ اس کا چہرہ مزہ کی آنکھوں کی بھی کے سامنے جھلکا رہا تھا۔

”آج میں تم سے دست بردار ہوں۔“ اس نے دل ہی دل میں اسے مخاطب کیا۔ ”پتا نہیں کب اور کیوں نہیں دل میں بسا بیٹھا تھا۔ شاید اس غلط فہمی میں کہ ہم ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں یا پھر شاید اس لیے کہ زندگی کی ہر چیز سے مختلف ہم اپنے نظریات پر کھلے دل سے جادو خیال کر لیا کرتے تھے اور اس وقت آپس میں لڑنے کے بعد گھر کرنے پر پتا چلتا تھا کہ نظریات تو خالص تھے کچھ ملتے ہیں۔ ہم کس ساستانداز میں، کس بارے میں کس سوچتی ہو، کس ادیب کی کون سی کہانی، کس گلوکار کون سا گانا، کون سی خوشبو کون سا پھول، کون سی فلم، کون سا شاعر، کون سا فلسفہ، کون سی تصدیق..... جو ہر ساری بحث کے بعد ہم اپنے اپنے تئیں پائش اسکو کر کے خود کو فخر قرار دیتے تھے اور بعد میں پتا چلتا تھا کہ نظریات تو ایک ہیں۔ اسی ذاتی ہم آہمی نے تو میرے دل کو خوش فہم بنا رکھا تھا کہ تم بھی میرے بارے میں یوپی سوچتی ہو۔“ اس نے نظراں کرنا کب تک پھر مازہ کو دیکھا۔ ”واہ بھی نادر میاں۔“ پھر اس نے کسی اور کو دل میں مخاطب کیا۔ ”نہ جانے تم کو ہوا اور کیسے ہو کر جو بھی ہو خوش قسمت ہو کہ اس لڑکی کے دل میں بے بیٹھے ہو۔“

”میرا خیال ہے کہ یہ بحث ختم کی جائے۔“ اس نے چچی جان کو بل بوتے سے منع کرتے ہوئے کہا۔ ”جیسا چاہتی ہو، ویسا ہی ہوگا۔“ پھر اس نے مازہ کی طرف دیکھا اس کی اس بات کے رد عمل میں مازہ کا چہرہ ایک مدردن سا ہو گیا، اس کے ہونٹ کچھ کھینچے ہوئے تھے۔

چچی جان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، جس کو انہوں نے اپنا دیکھ لیا تھا اس نے ساری بحث سمیٹ دی تھی۔ اس کے پاس دلائل ختم ہو گئے تھے یا اس نے بغیر جرح کے ہی ہار مان لی تھی۔

”تم اس سے کہو، وہ آکر چچی جان سے مل لے۔“ مزہ نے مازہ سے کہا۔ ”تمہارا دل چچی جان

ہی کریں گی، جہیں کہیں بھاگ جائے گی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اس کی آواز ان کے کالوں میں پڑی تھی اور ان کا ذہن ماؤف ہوا جا رہا تھا۔

☆☆☆

”میرا دل نہیں چاہ رہا کہ جس عزت و ناموس کی خاطر آپ نے اتنے سال تک تپتا ہو کر گزر دیا وہ بچے کے بل میں خاک ہو جائے۔“ اسی رات مزہ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ ”جو کام ایک بڑا نقصان ہونے کے بعد ہو جاتا ہے، اسے اس بڑے نقصان کے بغیر کھینچ دینے ہوتے ہیں۔“

”میرا خیال تھا کہ تمہیں اس غرض ٹھوکرے کو لگام دینا آتی ہوگی۔“ وہ دھکے سے پوچھ بولتی آواز میں بولی تھیں۔ ”تم تو اس کے مزاج سے آشنا ہو، تم سے میں نے بہت امید دانت کر رہی تھی۔“

”یہ مزاج آشنا کی کاہی تو نتیجہ ہے۔“ وہ ہنسی کی سے بولا۔ ”وہ صرف کہہ رہی ہیں رسی کی باراس نے کر دکھا تھا، آپ نے اس بچہ اور اس شخص کو نہیں کیا شام۔ کچھ چیزوں سے گزر کر بغیر شاید ان کے متاعِ خواہش کا اندازہ ٹھیک سے نہیں ہو جاتا۔ لفظ سمجھانے کے لیے نا کافی ہوتے ہیں اور گزشتہ تین گز کا تجربہ نظر نہیں آتا۔“ وہ کھوئے کھوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔ ”وہ پرفٹین سے کس نے اپنے لیے بہترین انتخاب کیا ہے اور اس جیسے لوگ جب پرفٹین ہوں تو پھر انہیں سمجھانا فضول ثابت ہوتا ہے۔“

”مگر میں ایسا نہیں کر سکتی۔“ وہ بے چین ہو کر بولی تھیں۔ ”یہ کوئی سن مرنے کا حکم ملا ہے، محسوس کاغذ، اسکو کا معاملہ نہیں ہے، جو اس کی ضد پر اس کی مان لی جائے۔ وہ ذات اور تو کم کے سچ، ان کا پس منظر سرے سے غیر موجود، خیرات کھانے والے لوگ۔۔۔۔۔۔ انہوں نے رات گزرنے کی طرف دیکھا ان کی آنکھیں میوڑ ہو رہی تھیں۔

”میں کوئی بڑا بیل نہیں بول رہی۔“ مزہ کے

چہرے پر متذبذب کے آثار دیکھتے ہوئے وہ بولیں۔ ”مگر یہ چیزیں معنی رکھتی ہیں۔“ انہوں نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”اور پھر یہی بات ہے کہ جن کے ساتھ ایک عمر گزاری، جنہوں نے کوالہ توڑنے والی پکڑ کاؤں پاؤں چلانے، ایک ایک حرف سے لے کر لفظوں تک پڑھنا سکھانے کی مشقت سہا، جو کتنی ترشی، پریشانی، مصیبت میں ساتباں بنے رہے، جنہوں نے کوئی کریمی اور جمعت کی غری سے آشنا کیا، ان کی محبت پر ایک دم اپنی شخص کی محبت حاوی ہو گئی۔ بے غرض، بے ریا، مہربان، مرع، چھوٹے بڑے کی محبت میں جان لاد دینے والے وفا پرست باپ کی بیٹی اتنی بے مروت، خود غرض اور سرکش۔“ وہ سانس لینے کو رکیں۔ ”مجھے علم ہوتا تو اس کے پیدا ہوتے ہی اس کا گلا کھوٹ کر مار دویتی۔“ انہوں نے مزہ کی طرف دیکھا جو لب بچھینے بات نہ رہا تھا۔

”میرا کہنا اب بھی سب سے کم ان سب باتوں کا کچھ فائدہ نہیں، وہ مگر سے بھاگ جائے یا اپنی جان لے لے، دونوں صورتوں میں ہی ایک بڑا نقصان ہمارا ہوگا۔ اس بڑے نقصان سے بچنے کی ایک ہی تدبیر ہے کہ اسے سن مانی کر لینے دیں۔“

”جیسے بھاگ جائے گی۔“ وہ ڈپٹ کر بولیں۔ ”تاہم کات دوں گی اس کی، مجھ ہی ملاؤ قاضی کو، میں اس کا کٹاں تم سے کروانی ہوں۔“ پھر کیسے بھاگے گی۔

”میں۔“ مزہ نے تیزی سے کہا۔ ”میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔“

”تم۔۔۔۔۔۔! وہ ششدر رہ گئیں۔ ”جب کہ میرا خیال تھا۔۔۔۔۔۔ وہ بے چینی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

”مازہ کا کٹاں اس لڑکے سے کر کے خود اپنے انہوں اس کو نصرت کر دیا جائے۔“

”کیا ایسا کرتے سے ہمارے خاندان کی عزت بن جائے گی، برادری اور خاندان والے ہمیں بخشیں گے، کیا کیا ہمیں نہ بنائی جائیں گی، میری تربیت کو غلط اور میری ذات کو نشانہ بنانے والی کون کی زبان اور جو خاموش رہے گی؟“

”اس کی آپ فکر نہ کریں، میں سنیاں لوں گا۔“ مزہ کو کچھ اندازہ نہیں تھا کہ اسے اپنی اس بات کا یقین تھا وہ کھل چکی جان کی لکوی بات کہہ رہا تھا۔

☆☆☆

چچی جان اس گفتگو کے بعد بالکل خاموش ہو گئی تھیں۔ مازہ نے اپنی کتنی مریم کے ذریعے نادر کو پیغام بھجوایا تھا کہ وہ آکر کھڑا والوں سے ملے۔ چچی جان نے نادر سے ملنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ مزہ بے یہ فیصلہ کیا ہے اور اس سلسلے میں سب کچھ وہ کرے گا۔ ان کے اسی سخت رویے کا نتیجہ تھا کہ جس سے پھر نادر اس ملاقات کو اصرار کیا اس روز سچ سے کمر میں صفائی ہوئی نہ آنے والے کے لیے کسی پائے پانی کا اجرام کیا گیا، چچی جان سارا دن منہ پر باور ڈالے محسن میں چچی جان پانی پر پیش ہیں۔ ان کا حراج ایسا ہو رہا تھا کہ کسی کون کے ساتھ بات کرنے کی جرات نہیں ہوئی تھی۔ مزہ کو کھڑا رہا تھا کہ وہ اس غیر متوقع صورت حال اور ذلت سے داری سے کیسے

نادر کے آنے کی اطلاع ملنے پر جب وہ بیشک کی طرف آتا مازہ کے کمرے کے آگے سے گزرا تو نلو کراس کے کوشن اور انوکھ ان پیرس کی بی جلی خوشبو اس کے منتھوں سے مگر آتی تھی۔ وہ اس کمرے کے اوپر ملے دروازے کے آگے ذرا کی ذرا رکا، اندر سے درزیوں کی کھٹیاں ایک آواز کے ساتھ ساتھ مازہ کے منتھانے کی بلٹی آواز آ رہی تھی۔

”انہوں کیے گھر دھوؤں سے میں نے دیکھا جو

سامنے۔۔۔۔۔۔ وہ مستکار تھی۔ اس کمرے کے سارے ماحول سے جیسے خوشی کی لہر اٹھ رہی گی، مزہ مزید کے بغیر لمبے ڈگ بھرتا آگے نکل گیا۔ اسے لگا اس کا ذہن ٹھیک سے کام نہیں کر رہا تھا۔ یاؤف ذہن سے اس نے بیشک کا باہر نکلنے اور آزاد وہ کھولا۔ اس کے سامنے چھتیس، ستائیس سالہ دراز قد شخص کھڑا تھا۔

”اچھا تو تم ہو، رقیبہ روسیہ؟“ اسے اندر بٹھانے کے بعد اس کے سامنے بیٹھے ہوئے اس ماؤف ذہن میں جو بات آئی اس پر مزہ کا دل بٹھانے یا اس میں عجیب سی چین محسوس ہوئی یہی اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔

”میں کپڑا ایکسیوٹ کرتا ہوں۔“ رقیبہ روسیہ دہا تھا۔ ”بہر ساتھ کے گاؤں کے رہنے والے ہیں، میرے والد شریف الدین صاحب چوہدری مجید کے ذمے پر کام کرتے تھے، اب نہیں کرتے کیونکہ اب ہم بک بھائی اچھا کام ہے۔“

نادر بتا رہا تھا۔

”میرے کپڑے کی بڑی ہلوں والوں کے ساتھ اچھے تعلقات ہیں، میں اسٹاک میں بھی خاصا مال رکھتا ہوں، سیزن آنے پر ابھی خاص پیانڈی ہو جاتی ہے۔“ مزہ کا ماؤف ذہن اس میں نہ رہا تھا۔

”میری چھوٹی بہن عاصمہ مازہ کی کلاس فیلو ہے، میں عاصمہ کو کچھ چھوڑنے اور لینے جاتا ہوں، مازہ سے وہ ملاقات ہوگی۔“ مزہ کو نہ جانے کیوں لگا جیسے یہ بات سنانے سے ہونے نادر کے چہرے پر ایک استہزا سی مسکراہٹ تھی۔

”اس کو میری ہاسٹ اور میری مسکراہٹ نے بہت متاثر کیا۔“ اب کے وہ کل کر سکر رہا تھا۔

”اور پچھن مازہ کی کس چیز نے متاثر کیا؟“

مزہ نے پوچھنا چاہا مگر اس کا کوئی بھی بات نہ کر سکا وہ نہیں جا رہا تھا۔

”مازہ کی پینڈی کی کا جب مجھے بتایا تو میں گز

بڑا کر رہ گیا۔ یہ میرے لیے بہت بڑا اعزاز تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔
 ”کیوں؟“ ”مگر وہ سوال کرتی اپنی آواز بھی کسی پاتال سے آتی محسوس ہوتی تھی۔“
 ”اس خاندان کا علاقہ میں بڑا نام ہے جی اس لیے۔“ اب کے نادر کا لہجہ عجیب مستکین سا ہو گیا۔ ”مٹی جی کی اسکل کے آگے سے ہماری دور ہونے دم مارنے کی مجال نہیں ہوتی تھی مگر اب جب تک چوہدری وارث صاحب حیات تھے ہم ان کے مکانوں کو گھڑا گھڑا کر دیکھی نہیں سکتے تھے۔“ مزہ

”میں نے مائزہ کو یہ بتایا تو وہ ہنس دی۔“ وہ کچھ یاد کرتے ہوئے بتا رہا تھا۔ ”میں نے کہا مائزہ کو یہ... میں شریف دیندار کا بیٹا ہوں جی آپ کو میرے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے شاید تو وہ کہہ کر بولی۔“
 ”اس میں غلط فہمی کی کیا بات ہے، دل تو کسی پر بھی آسکتا ہے۔“ مزہ کو کادل ڈوبنے لگا۔
 ”دیکھتے بھی پرانی شان و شوکت کے تو تذکرے ہی باقی ہیں نا۔۔۔۔۔۔ اب دور اور آگیا ہے، چوہدری وارث صاحب کی زمینیں میں تو میرے چاچے نے قیمت لگائی تھی سب سے پہلے اور جو خریدے ان کے دام کھرے دیے تھے نیست۔ اور اب تو یہ اونچے مکان ڈھانڈا بھیری ہونے کو ہیں۔ براہر ہمارا کاروبار بڑا پھیل گیا ہے، ہم نے اپنی کوئی شروع کرانی نہیں ہے، راکھ لین سے ہمارا جی مل گیا۔ وہ ایک ہماری ہی ہے، میں بے کس کا بڑا لے رہا ہوں، جلد ہی ہمارا کاروبار آئنریٹل ہو جائے گا۔“ مزہ خاموش بیٹھا ترقی اور ترقی کے پڑاؤں میں رہا تھا۔
 ”مجھے تو خوف تھا اور یہ سچی بھی، پر مائزہ کا حوصلہ بندھتا تھا۔ کہتی تھی تم میں کیا کسی ہے نادر، بڑے لکھتے ہو، اپنا کام کرتے ہو، خوب کماتے ہو اور سب سے بڑھ کر لستے وجہہ ہو کہ میرا دل خود بخود تمہاری طرف مچھتا ہے۔“ مزہ نے بے چینی کے عالم میں پہلو

بھیلا۔
 ”تم یہ بتاؤ کہ کیا تم ہائزہ سے نکاح کے لیے تیار ہو؟“ اس نے پشکل اپنی آواز میں اٹھنے والے دل کے ابال پر قابو پاتے ہوئے مضبوط لہجہ میں سوال کیا۔
 ”بالکل۔۔۔۔۔۔“ اس کے مخاطب نے شانے اچکا کر ہونے لیں جواب دیا جیسے یہ انتہائی معمولی کام تھا جسے اس کا بالیاں ہاتھ بھی سر انجام دے سکتا تھا۔
 ”اس کا کیا قصور ہے، جب تم خود اس کے لیے بائیں ہاتھ کا کام بن گئی ہو۔“ اس نے نادر کے اس اعزاز پر دل میں اٹھنے ہوئے توڑلے کو دباتے ہوئے سوچا۔
 ”کیا یہ کام تم ایک دو دن میں ہی کر سکتے ہو؟“ اس نے دوسرا سوال نادر سے کیا۔
 ”ہاں، تو آپن تو آج ہی۔“ بائیں ہاتھ کا کام دنیا کا سب سے آسان کام تھا۔
 ”تم ایسا کر دو برسوں، رات آٹھ بجے گواہوں کے ساتھ یہاں آج آنا نکاح ہو جائے گا۔“ مزہ نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر انہیں تر کرنے کے بعد کہا۔ نادر نے خوشی کے عالم میں پہلو ہلا۔
 ”مائزہ یہاں سے ایک جوڑے میں رخصت ہوگی، تم یہاں کسی سامان عروپے یا چاندی کے کسی کاغذی امید رکھنے بغیر آنا۔“ مزہ نے اپنی اس بات کا توڑلے جانتے کے لیے نادر کی طرف دیکھا۔ وہ ایک لمبے نوساکت ہوا تھا مگر اگلے ہی لمحے اس نے نادر اعزاز میں سر ہلایا۔
 ”تمک کہ تم اس طرح ایک بار یہاں سے رخصت ہونے کے بعد مائزہ دوبارہ پھر یہاں قدم نہیں رکھے گی۔“ اس نے اپنے تیش اپنی شرط پیش کی تھی۔
 ”میں یہ بات پہلے ہی تم سے کہنے والا تھا۔“ مزہ نے اپنے ہی نادر اعزاز میں اسے جواب دیا

”تم۔۔۔۔۔۔!“ نادر نے اٹھ کر مڑ کر اس کی طرف اشارہ کیا۔ ”تم کو ہو یہ سب طے کرنے والے۔۔۔ اور کیا کہاں ہیں؟“
 ”اب تم سوچ سکتے ہو کہ وہ تم سے ملیں گی یا کوئی بات کر دیں گی؟“ مزہ نے اپنی بڑھل آکھیں اٹھا کر اس سے سوال کیا۔ ”تم اور مائزہ جو چاہتے ہو وہ ہونے جا رہے ہیں، تم دونوں کی کوئی خواہش اس کے سوا نہیں ہے۔“ اس نے اپنی بات کی تائید حاصل کرنے والی نظروں سے اسے دیکھا، جواب میں نادر خاموش رہا تھا۔ ”تو جو تم دونوں چاہتے ہو وہ بغیر کسی تردد کے آسانی سے ہونے جا رہے ہیں کیا یہ کافی نہیں؟“
 ”او۔۔۔۔۔۔!“ وہ ہنسا۔ ”بڑی کرم کرم آوازی ہے تمہاری۔“ اس نے اپنا ہاتھ تھک تک کے جا کر سلام کرنے کے سے اعزاز میں رکھا۔ ”دیکھ یہ کام تم نہ کر سکتے تو بھی ہو جاتا تھا۔“
 ”زحمت سے بچ کے تم شہر کرو۔“ مزہ کا لہجہ پہلی بار درشت ہوا۔ کسی بھی دوسری صورت میں نہیں، قہانے، مقدموں، اور غوازی کا سامنا کرتے مگر نذر جانی، شادی کا مزہ بھگتے رہتے ایک عمر سے تھک۔
 ”مائزہ نا مانع اور فاتر اصل نہیں ہے، جو دولت اسے اور مجھے کیلے مقدمے میں جھگڑتی تھی۔“ نادر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ”اور تمہارے خاندان کے باقی مردوں میں اب وہ دم خیم کہاں رہا ہے کہ بندو کی اٹھائی، چلاؤ تو در کی بات ہے۔ اس لیے مجھ پر احسان لا دینے کی کوئی گنجائش نہیں۔“ باہر نکلتے سے پہلے وہ کاروبار مڑ کر مزہ سے ایک بار پھر مخاطب ہوا۔ ”ہاں یہ ضرور ہے کہ تمہاری بزم خود کو اپنی شان کے چناڑے کی بے وفائی کا کراف دار رہا۔“ مزہ نے نادر کے چپے بند ہوتے رہاؤں کو دیکھا اور آکھیں بند کر لیں۔
 ”دراؤ تم اور ظاہری وجاہت۔“ دو بیڑے سب

بیکہ دو ارگہ دوپٹے کا باعث بن گئی تھیں۔ اسے لگا اس کمرے کے دروازے کا کھٹکنا کی بزرگ عورتوں کی روسیوں میں چٹ کر رہی تھی۔
 ☆☆☆
 ”بار پھول، عرق گلاب اور مٹک کا فور منگو الیہا۔“ بچی جان نے اس سے اس منگت کی تقصیل سننے کے بعد جو اس کے اور نادر کے درمیان ہوتی تھی کیا۔ وہ رک کر ان کے چہرے کو دیکھنے لگا، وہ اسے کسی طرح بھی نابل نظر نہیں آ رہی تھی۔
 ”پھل آں آرام کریں، ہم پھر بات کریں گے۔“ اس نے بات بدلنے کی کوشش کی۔
 ”پھر تو آنا نہیں۔“ وہ بڑبڑاتی تھی اور پھر ان پر وہی خاموشی چھا جتی تھی جو اسے چھائی ہوئی تھی۔
 ”آپ لیٹ جائیں، میں مامی ہاجرہ کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔“ وہ صبر کر اٹھا۔ انہوں نے کسی معمول کی طرح اس کی بات کی تھید کی اور چہرے پر چادر ڈال کر لیٹ گئیں۔ مامی ہاجرہ کو ان کے پاس بھیج کر محسن میں کھڑے اس کی نظر مائزہ کے کمرے کی کھڑکی پر پڑی جس سے روشنی چمک رہا تھا۔ وہی ڈور ڈار آگے بندھ کر کمرے کے اندر کی صوبت حال کا اعزاز لگنے کی کوشش کرنے لگا۔ کمرے میں کیسٹ پلیر ان تھا اور بیڑوں کی اٹھانچ کی آوازوں سے ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی اکام کام سر انجام دیا جا رہا ہو، وہ نادر تک دیے پہلے باراس کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا مائزہ کے کمرے کا سامان بھر پڑا تھا اور اس کے بیڈ پر تین ٹریول بیگز رکھے تھے۔ وہ بھری بیڑوں کو ترقیب دے کر بیگز میں رکھنے میں مصروف تھی۔ اس کا کیسٹ پلیر آہستہ آواز میں کیت بجا رہا تھا۔
 بائیں میں گیت تھی جس میں ہم کے
 ٹولا کھڑے لڑی گوری ہم تم کے
 مائزہ خود بھی زرب ہے کیت لنگتاری تھی اس نے ایک شوخ رنگ لباس پہن رکھا تھا اور اس کے

سالگرہ نمبر
ہوؤں پر اب اس تک بھی کسی حزن کا
دل ایک لمحے کو ہوا کی تپ سی چوڑیا۔ وہ
نظر لگ جانے کی حد تک حسین لڑکی کی اور وہ اسی
خوش نظر آری بھی ہے اس کا رون کا خزانہ ہاتھ لگ
گیا ہو، وہ اپنی نیک پر دم بخود کر اسے دیکھ رہا تھا۔
ماہرہ کو کمرے میں کسی دوسرے کی موجودگی کا احساس
کچھ دیر بعد ہوا تھا۔ حزن کو اسے سامنے کرنا پڑا کہ وہ
اسے دھوؤں میں تھیلہ بار خوشی کے سسکا رہی تھی۔

”بیٹھو.....“ اس نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ حمزہ کو لگا وہ یہاں بیٹھنا اور اس سے بات کرنا چاہتا تھا، شاید جو وہ اپنا ارادہ بدل دے۔

”تم یہ سب کیا کر رہی ہو؟“ اس نے پوچھا۔
 ”میں.....“ ماثر نے چند لمبھری چیزیں اٹھانے کے بعد کیسٹ پلیئر بند کیا۔ ”جو بہت ضروری چیزیں ہیں وہ سمیٹ رہی ہوں، ان کو میں ساتھ لے کر جاؤں گی۔“

”میں نہیں پتا ہے نادر کے ساتھ کیا بات طے ہوئی؟“ حنزہ نے سوال کیا۔

”ہاں، مجھے معلوم ہے۔“ وہ مسکرا کر بولی۔
”کسے بتا ہے؟“ حنزہ حیران ہوا۔

”جاتے ہوئے نادور مجھ سے مل کر گیا تھا۔“ اس

”کہاں.....؟“ حمزہ کی حیرت بڑھ گئی۔

یہ مری۔ اس نے اسے گھر سے لے کر
کھڑکی کی طرف اشارہ کیا جو باہر کی بندھی میں تھی
تھی۔ "یہ میری کھلی ہے۔" وہ بدستور مسکراتی
تھی۔ "میرے بہت سے رازوں کی خاموش امین۔"
وہ ہاتھ میں پکڑا اور پانچ پر اچھال کر گہری سانس لیتے
ہوئے اسٹول پر بیٹھ گئی۔ "مادر نے اسی کھڑکی پر
دیسک دے کر مجھے بتایا کہ تمہارے ساتھ اس کی کیا

بجائے تم یہ معاملات طے کرو گے۔“ وہ ہنسی۔ ”میں نے اسے بتایا کہ یقین کرو، جزوہی کا مشیر خاص ہے، آیا تو وہ مجھے سمجھانے تھا مگر اسے میرے نکاح کے معاملات طے کرنے پڑ گئے۔“

”میںیں ذرا ساجی ملاں نہیں ہے کہ کم یہ سب
کس طرح کر رہی ہوں۔“ جڑو کو اس کی بات بے بات
نہی سے چڑھنے لگی تھی۔

”ملاں والی اس میں کوئی بات ہے ہی نہیں،
ایک جائز بات ہے، اس میں ملاں کیا؟ وہ ہے،
نیازی ہے۔ سوئی۔“ ہاں تم نے اور امی نے اسے ایٹھو
بنایا خوشنوا اور یہی.....“ وہ ایک بار پھر نہی۔ ”تم
لوگوں کا خیال ہے کہ مجھے اس میں بھی جانداؤ، روئے
پیسے اور سامان سے محروم کرنے کی دھمکی دے کر میرا
اور نادرا کا راستہ روک لو گے تو ہم بے تھمارا۔“ اس
نے ایک بار پھر جڑو کی طرف دیکھا۔ ”مجھے تو خیر نام
نہا دھتوں کی پروا بھی نہیں، نادریا اپنے قول کا کیا
کئے، وہ مجھے تار کر گیا ہے کہ تم سے اس کا کیا معاملہ
ہو ا اور اس کے باطل ٹھیک کارتم بھی نہیں مادیات
پرستوں سے تعلق رکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے
نہیں۔ میں شکر کرتی ہوں کہ تمہاری اخلاقیات، روایات،
خاندان پرستی کی ان دھتجروں سے چھکارا ملنے والا
ہے۔“

ہوں گی، اس لیے کہ تمہارا آئی کیو لیون یہاں کم ہو جاتا ہے، تمہارا ڈوٹن اور مرکب ہی محمد وہ ہے۔ اس سے آگے ٹم سوچ ہی نہیں سکتے۔“

”اس سے آگے کیا ہے تم بتاؤ؟“ حمزہ نے بے اجڑ سوال کیا۔

”اس سے آگے بہت کچھ ہے، انسان کی اپنی زندگی جو صرف ایک بار ملتی ہے اور ہر چیز سے اہم ہے، جو ٹھیک ہے تو یہ بڑے بڑے لفظ اور اونچی سوچ، سب بیکار ہے۔“

”ہوں.....“ مترو نے سچے سچے ہونے کہا۔
 تو پھر تو تمہیں تمہاری انسانی زندگی بہت مبارک ہو، جو
 ہے اور تمہارے فیصلے کے پورا ہونے کے بعد حریہ
 ہوگی۔“

”ہاں۔“ وہ خوش ہوئے اور کہنے لگے۔ ”آجی روایات اور خاندان پرستی کی وجہ سے کم عمری کے بیوی بچہ تاحیات قبول کی گئیں؟“ اس نے سوال کیا۔
ظہور نے کسی طرف دیکھا۔ ”اب کیا ہے۔“ اس کا پاس، ٹھوڈی سی زمین، سر چھپانے کو یہ جھڑوں حالت والی چمٹ اور ایک سرسبز بٹی۔ ”وہ ذرا دیرو کو رہی۔“ وہ ایک زندگی جو نہیں حاصل ہوئی تھی جسے انہوں نے اس آن بان پر روا رکھا۔ اس کی حق تعالیٰ قریب کر دو سارے کماؤں کے نقصان کے فکس کرنے۔ مذہبی برداری نے تحسین کے ڈوگرے برسا ئے ضرورتوں پر پنے پر خاندان والے حد کو آئے۔ اب باقی کی عمر آپن آن بان کا دخل پہننے کے سوال کے پاس کوئی آپائن نہیں۔“

مجھے تم سے محبت ہے

یہ کسی بات ہو گئی
کروں میں رات ہو گئی
یہ میرے خواب تو دیکھو
چمکتے ہیں ایسے جیسے
کسی تہائی کی شب میں
کوئی گلاب سا چمکا
میری یادوں کے صحرا میں
کوئی گلاب سا بنے
میرے اس دل کے شہر میں
یہ کسی لچل ہے بچی
مجھے لگتا ہے یہ ہر لمبا
میری سانسوں کی تاروں پر
ان آنکھوں کے کناروں پر
تیرے لفتوں اور باتوں کی
تیرے لہجے اور سانسوں کی
عجب سمجھتی ہے خوشبو نے عجب جاودہ کر ۱۱۱
تہا رہے ساتھ ہی جاناں
کسی شب کے کسی مہسوم سے ملیں میں
کبھی گر آیا ہوتا ۱۲
تو یہ بیٹاں نہ ہوا
بس اتنا جان لہا
کہ
مجھے تم سے محبت ہے
جہوں ہم سے محبت ہے
شاعرہ : مہک خان، کراچی

مجھے ملا کرتی تھی۔" وہ بے بسی۔ "اس نے شائے اچکا ہے۔" یہ یہاں کسی کے کیا کام آسکتی گی۔

"تمہیں ہاں ہے مازہ کہ بچی جان کی حالت کسی ہے اس وقت؟ مجھ کو اس کے اس خود غرضانہ اور بے حس رویے پر اب شدید غصہ آنے لگا تھا۔

"وہ اپنی اس حالت کی خود ڈنڈے دار ہیں۔"

اس نے اسی بے نیازی سے جواب دیا۔ "ہم دوسروں سے ان کی استطاعت سے بڑی توقعات کیوں لگائیں؟" اس نے سوالیہ نظروں سے مزہ کو دیکھا۔ "مجھے دیکھو مجھے ہوتا تھا کراہی میری بات بھی نہیں مانیں گی اسی لیے میں نے ان سے ایسی کوئی توقع نہیں لگائی۔"

"شاباش مازہ، تم ہم سب کی توقعات سے زیادہ غلط ثابت ہوئیں۔" مزہ کی برداشت ختم ہونے لگی اور وہ ایک جگہ سے اٹھ گیا۔ "واقعی میں دوسروں سے ان کے قدر سے بڑی توقعات نہیں لگانی چاہئیں۔" وہ تیز قدموں سے چلتا کرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے بارے میں پلٹے ہی کرے سے وہ بارہ کیسٹ پیٹری کی آواز آنے لگی۔

☆☆☆

وہ دھوپ چڑھنے سے لے کر اس وقت دو پہر تک ٹھپٹ پر پچی کھری چار پانی پر لینا تھا۔ فضا میں عجیب سا مسکوت تھا، آسمان صاف اور گہرے نیلے رنگ کا ہو رہا تھا۔ اس نے دیر تک اونٹنی اُٹتی پر قادر رفتار سڑک کرتے پرندوں کا نظارہ کیا اور پھر آنکھیں تھک جانے پر موندھ لی گئیں۔ اس کا ذہن خالی تھا اور دل میں بے تکیگی تھی۔ اسے اپنے وطن میں کاٹنے جیسے محسوس ہو رہے تھے۔ شاید اس کا جسم بخار میں رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی ہوئی تھیں اسی لیے اسے انہیں بند کرنا پڑا تھا اور وہ آنکھیں بند نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"آنکھیں بند کر دو۔" پرگنی دان سے اس کے سامنے ایک ہی مختصر فطرت کی طرح چلنے لگا تھا۔ کنارے

خواب، گواہ، نکاح کے بول، نکاح ہائے پردہ لگا کے کالم میں نادر کا نام اور دہکن کے دستکوں میں مازہ کے ہاتھ سے نکاحہ و ناکس ایم۔ پھر دہکن کے وکیل کی حیثیت سے کئے گئے اس کے اپنے مختلہ تاریخی رنگ کے کیڑوں میں طبعی و انانجی دہکن، اس کا احتیاج جس کے ساتھ وہ بغیر کسی کی دعا لیے نادر کے ساتھ رخصت ہو رہی تھی۔ اس نے پلٹے سے بھی ایک نگاہ اس گھر کے آگاہ پر نہیں ڈالی تھی جس میں کھینے کو اسے اس کا بچپن گزارا، اٹھتے بیٹھتے لیڑن اور جوانی کے سال بیتے تھے، اس نے اس بات کی بھی پروا نہیں کی تھی کہ اس کی ماں اس کے رخصت ہوتے وقت منہ پر کپڑا ڈالے خاموش پڑی تھی۔ انہوں نے اس کے چلے جانے تک ایک لفظ بھی اس سے نہیں بولا تھا۔

"کیا ہے کسی اور خود غرضی کی ایک اسٹیج بھی ہوتی ہے؟" پچھتی سے کرکٹ بدل کر مزہ نے سوچا پھر اس نے آنکھیں کھول کر سورج کی شعاعوں کو براہ راست دیکھنے کی کوشش کی۔ "کیا میں بڑوں ہوں یا مصلحت پسند جو اس کو روک نہ سکا؟" اس نے خوف سے سوال کیا۔ "بہندو کے زور پر یاد رکھو وہ دے کر کیا اس کو روکا جا سکتا تھا؟" اسے لگا اس کے پاس اس کے اپنے کسی سوال کا جواب نہیں تھا یا شاید وہ ایسے کسی سوال کا جواب دینا ہی نہیں چاہتا تھا۔

"جو تونہ تھو کہ تو کیا اب ایک دوپے سے منہ چھپانے کا کیا فائدہ؟" اسے اس کی سوچوں سے مایہ چارہ نے جھکا دیا تھا۔

"منہ سے نکلی بات واپس نہیں آسکتی دوسرا کمالوں نکلتا ہے۔" وہ مزہ والی چار پانی کی ادوائش پر بیٹھ کر بولی۔ "جی رانی کو خیال نہیں تھا کیا کہ پیچھے رہ جانے والے کون سے حال جیویں گے تو کسی بھی اس کی فکر دیں سے نکال دیو۔" وہ اپنے تئیں مزہ کو دلاسا دے رہی تھی۔

مزہ کو اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنی چپلوں میں پاؤں ڈالتے لگا۔

"پورا پنڈ دائتوں میں اگھیاں دے کر بیٹھا ہے۔" مایہ چارہ نے خبر سنائی۔ "چندری سلطان کے مکانوں میں پہلے بھی ایسی برائت آئی تالیسا تاشا والا۔" مزہ نے سر جھکا لیا۔

"پر اگھیاں کب تک دائتوں میں رہیں گی، ایک آدمی دن میں سب اپنے کام میں لگے جا رہے ہیں، جا رہے ہیں کہ تو بچہ تم دونوں کیوں ایک دوپے سے پیچھے رہو؟"

"کچھ نہیں مایہ، میرا جسم بخار سے ٹوٹ رہا تھا، میں اس لیے دوسرا کر لیتا تھا۔" مزہ نے کہا۔

"اس بخار کو اب پنڈے سے ہاں لگنے دے۔"

مایہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "مجھے ہاں ہے یہ بچہ کہ چڑنے والا بخار ہے، پنڈالوں جلتا ہے، پر جب یہ باہر نکل جاتا ہے تو یاد نہیں رہتا کہ کبھی چڑھا بھی تھا۔" مایہ اپنا ہنسنارہی تھی۔

"بچی جان کیا کر رہی ہیں؟" مزہ نے مایہ کی گفتگو کا موضوع بدلنا چاہا۔

"میری ٹھنڈی ٹھنڈی آپا کے دل کو بھی خند کے براہمنوں نے لوں دیا ہے وہ تو چپ کی چپ سی ہو گئی۔"

مایہ نے کہا۔

"مایہ مجھے خٹ پیاس لگ رہی ہے۔" مزہ نے حلق کھٹکے سے تر کرتے ہوئے کہا۔

"بچے آج آگہ کوئی روٹی پانی کرکڑی لوگ، مرنے والے کے ساتھ بھی بھلا کر سرتا ہے۔" مایہ نے تیزی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں آج شام کی کاڈی سے واپس چلا جاؤں گا، مایہ تم بچی جان کا بہت خیال رکھنا۔"

ماورچی خانے کی چڑی پر بیٹھ کر ایک بگ پانی پینے کے بعد اس نے کہا تھا۔

"اس کو اس حال میں اکیلا چھوڑ جائے گا۔"

مایہ نے اس کی بات پر اپنا بڑبڑل خاہر کرنا شروع کیا تو خاصا طویل ایک تھا وہ بے ہوشی سے بندھ کر اس کی گت میں وہ پلٹے پھرتے دکھانا کھاتے ہوئے لڑتے

جھگڑتے، لڑنا کرتے نظر آ رہی تھی، اس نے سر کو جھٹک کر اپنی آنکھوں کے سامنے سے گزرنے والے منظر کو دھن سے جھٹکا چار پورا پورا پانی بے بسی پر سر جھکا لیا۔

☆☆☆

فرین کی کھڑکی سے باہر منظر بھاگ رہے تھے۔ وہ ان پر دانش نظریں لگائے بیٹھا تھا۔ یہ وہی منظر تھے جن کو ادھر کے اور ادھر کے سفر کے دوران وہ کئی سالوں سے دیکھ رہا تھا، اس سے پہلے یہاں آتے ہوئے سن پر سرخنی کا عالم ہوتا تھا اور ادھر سے پر چھوٹی چھوٹی کسی مسکرائی یادوں کا ایک خزانہ ساتھ ہوتا تھا۔

"سنو، یہ فون اکڑ ڈیڑ رہتا ہے، تم سے بات یا تو نہیں لگتی، مایہ بولی ہے تو کہتے جاتی ہے، اس بار تو شیروان سے ٹیک لے کر آتا ہوں ہاں میں کی کوئی کتاب بھی..... ارے گھاسا تم سائنس کی بورک کتابیں پڑھنے والوں کو کیا پڑھنے کو پڑھنے میں کیا مزہ آتا ہے، کتابوں کی دکان پر جا کر فیشن احمد فیشن کی کتاب مانگنا، بھینچ باری طرح فیشن بھری کتابیں نہ پڑھنے بیٹھ جانا۔" کچھ عرصے پہلے کی ایک فون کال پر کی باتیں اسے یاد آئیں۔

"تم مسیجر بھیجی کے ساتھ جا کر فاروقی والوں کے پرنٹ لانا میرے لیے لان کے، ساتھ ہی لان اس دفعہ اچھی نہیں آئی..... ہاں ہاں بھیجی ہے۔" مجھے ہتا ہے ہر گزمت کرو پورے پیسے دلوں کی نہیں مفت میں نہیں لیتی۔" ایک اور فرمائش بھری ٹیکسو۔

"جانتی ہوں تم کیسے پڑھتے ہو فونز..... اتنا بورک سبکٹ اور پھر اس کو پڑھ کر تم زیادہ سے زیادہ کرو گے کیا، بکھر رہا ہے، اس کے علاوہ اس کا کیا اس کو ہے۔ زندگی کو زوارو کم..... زندگی میں گزرتا ہے جلدی جلدی ہو جیسا کہ وہ گفتگو کی بازداشت سنتا سامنے نظریں لگائے بیٹھا تھا۔ سن کر کے ایک منگ رہی پڑی سے اچھل کر اس کی آنکھ سے آسکرایا

اس سے اور بچی جان سے زیادہ اماں بہادر تھیں۔
 ”مکمل صفائی کرو گھر کی۔ موت ہو جائے تو بھی
 اس دن کا کوئی شے نہیں مٹا ہو گا کوئی، کبھی بے اللہ کا
 من نہ کرو دی۔ بے ہرجہ ہے۔“ اماں نے مایہ ناز جہرہ
 کو گلہ سناتے ہوئے کہا تھا۔ اس کے قیام کے دوران
 وہ ماں گھر میں آبادی کے آقا نظر آنے لگے تھے۔ بچی
 جان نے چہرے سے کپڑا ہٹا کر سب کو دیکھا اور
 کمرے سے باہر نکل کر بیٹھا شروع کر دیا تھا۔
 ”اسنے تم کے ساتھ یہ اپنی عمر بھر کیے گزاریں
 گی؟“ مزہ ہو چکا تھا۔

”آپ ہمارے ساتھ تھیں۔“ اس نے گھر اکر
 سہلے کہا۔ جواب میں انہوں نے سختی سے سر ہلایا تھا
 اور یہ نہ ہمیشہ کی طرح نہ رہی تھی اس کی اور
 اماں کی منتوں پر بھی ہاں نہیں بدلی تھی۔ جہرہ جانتا
 تھا کہ ماہرہ جس حد پر اڑی تھی اماں کی بتائی ہوئی
 تدبیر دل سے بھی وہ اپنی شدت سے دست بردار ہونے
 والی نہیں تھی۔ پھر بھی اماں کی باتوں نے اسے ایک
 عجیب سے احساس جرم میں مبتلا کر دیا تھا۔ گاؤں سے
 اس دن واپس آتے ہوئے اس نے اپنے لیے وہ
 فیصلہ کیا تھا جس کا پہلے اس نے غی بوجھائی نہیں تھی۔

☆☆☆

جس روز اس کی اس گورنمنٹ ہائی اسکول میں
 بطور سائنس ٹیچر تعیناتی ہوئی جہاں سے اس نے خود
 میٹرک کیا تھا اس دن اس جیسا خوشنود اور اس جیسا
 افسردہ شاہد کوئی نہ تھا۔ اس سے دور در پہلے ہی اسے
 ان کا انٹری ٹیسٹ سے بھی اپنا منٹ لپیٹا تھا۔ اس پر
 اسکول ماسٹری کو ترجیح دینے کا پہلے اسے بھی خیال نہیں
 آیا تھا مگر وہ دل کی خوشنودی سے کہہ گیا تھا جس نے اسے
 گورنمنٹ ہائی اسکول کی اسٹری کو ترجیح دینے پر اس کا
 تھا۔ اس کے اس فیصلے نے اس کے گھر میں سب کو بھی
 چونکا دیا تھا سوائے اس کی اماں کے۔ فیصلہ بھائی نے
 اسے اقل اور جد باہر کی فرادیا تھا اور بہنوں نے سخت
 مایوسی کا اظہار کیا تھا۔ مگر اماں نے سنجیدگی سے سر ہلایا

مجلس صلیب کی دہ۔ اپریل 2012ء

ہو جاتا ہے کھٹ چڑھی ملکہ جھٹا ہے۔“

”ماں جی آپ نہیں جانتیں، آپ کو اندازہ نہیں
 ہے کہ صورت حال کیسی تھی۔“ وہ ان کی باتوں سے گھبرا
 کر بول اٹھا تھا۔
 ”اندازہ ہے مجھے، میں تجھے بھی جانتی ہوں جاتی اور
 اس صفائی کی خندوں کو بھی، تو اس سے وقت لیتا، اسے
 ہلکا پھلکا کر ادرھر لے آتا چار دن، دینداروں کے
 لڑکے سے مردوں کی بات کرتا، ہوتے تو تھی آپ کو
 بھی اپنے ساتھ چپ کر دیا۔“ وہ مسلسل اسے ملامت
 کیے جا رہی تھیں۔ ”اوہ سے اس غریب کو کیا چھوڑ آیا
 ہے، تیری ادھر کون سی ملیں بند ہو گئی تھیں تیرے نہ
 ہونے۔“ انہوں نے اسے مزید گلہ کرنا۔
 کاغذوں کی فائل لے کر کھانا اور شام تک دفتر دفتر پھر
 کر دفتر کی دھوٹ بننے کے سوا کون سا ضروری کام تھا
 تیرا جو رک گیا تھا۔“

مزہ ہوا خوش بیٹھا سنا رہا۔

”اس نے چاری کو لوگوں کی زبانوں کے فائر
 کے آگے کیا چھوڑ آیا ہے۔“ وہ بولے جا رہی تھیں۔
 ”گفٹ کر سبج ہی دو اور چل میرے ساتھ تھی
 آپ کے پاس، نہیں، معلوم کیا حال ہو رہا ہو گا کاس۔“
 انہوں نے اس کا شانہ بھڑک کر مسم کر دیا تھا۔

☆☆☆

اس بار گاؤں سے آ کر بچی جان کی جو حالت اس
 نے دیکھی، اس کا دل بیٹھ گیا۔
 ”جیسے اماں کہتی ہیں اس کے حساب سے کیا میں
 اس کی اس حالت کا فتنے دار ہوں۔“ وہ ایک ہی شخص
 میں چپ گیا۔

”اماں جو مل بتاتی ہیں کیا وہ ممکن تھا؟“ اس نے
 مایوسی سے دل سے نکلے گی میں جواب دیا۔
 اماں، بچی جان کی خاموشی کا قائل ٹھونکنے کی
 ہوش رکھتی رہیں مگر نا کام لوہیں۔ لیکن جتنے دن وہ
 ہاں پر رہیں انہوں نے گاؤں کی عورتوں سے ملاقات
 کی کی اور ان کے سوا لوگوں کے جواب میں دیے خود

امین نے مزید انکشاف کیا تھا۔

”ہوں۔“ انہیں بغیر پوچھے ہی صورت حال کا
 اندازہ ہونے لگا تھا۔ ”امین تو اس خاندان کا وقار
 ہے، کبھی آپ کی عزت کا تحفظ ہے، خیال کرنا اذیت
 میں ہے وہ۔“ انہیں کبھی نہیں اڑا تھا وہ فوری طور پر کیا
 کریں۔ اماں کے چلے جانے کے بعد وہ کبھی سوچ
 میں نہ رہا۔

”بڑی عقلوں والا کام کیا تم نے؟“ اس روز وہ
 عرصے بعد جہرہ سے ناراض نہیں ہوئی تھی۔
 ”وہ تو ہے، چلے، نا کبھی۔“ تیری عقل کو کیا ہوا
 جو تو نے کبھی آپ کی کسی نئی اور بزرگ بن کر نکاح
 کے بول پر جانے بیٹھا۔ ”ان کا بس نہیں چل رہا تھا
 کہ وہ ذہن میں آنے والی ساری بری بری باتیں
 اسے سنائی چلی جائیں۔“

”میں آپ کو کبھی نہیں پاؤں گا۔“ جواب میں
 اس نے مختصر کیا تھا۔

”اتنا ہی نہ کوئی تو اس قسمی تو اس کلبو سے کو ایک
 دفعہ تو کھڑکنا تھا۔“ انہوں نے اسٹینڈ پر رکھے گئی
 فون بیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ”پنڈ کو سنندھ پار تو
 نہیں تھا تو میں بیک بیاتی۔“
 ”آپ کے وہاں بیٹھے جانے سے کیا فرق
 پڑتا ہے؟ وہ بچی آواز سن کر بولا۔

”پتا ہے۔“ وہ سارا پتا ہے۔“ وہ دانت میں کر
 بولیں۔ ”اگرنا فخر اسے کدو میں دھکا دے کر نکالا تو
 نے۔“ مزہ نہ ہو چک کر اپنی اماں کی طرف دیکھا۔
 ”ہاں تو اور کیا۔“ انہوں نے اس کی نظروں کی
 پروانہ کرتے ہوئے کہا۔ ”بیجان کر کہ اس نے تجھ پر
 دینداروں کے لڑکے کو ترجیح دے دی تو نے اسے بچہ
 کہا نہ سمجھا، بس ہاتھ سے پکڑ کر آگے لے کر وہ چلے
 اس کو کھینچنے کا دھوکہ دے کر دیکھ کر کسی کو پتہ نہیں چلتا
 سارے کدو کو کھینچ کر تو کسی اتنا کا کائیں کھینچے جائیں
 اسے نکال کر کھانے کے انداز سے کیا جھاننا ہے۔“ کسی لپٹ
 ساری حیاتی جتنا ہے، کچے کو کھانے کی طرح سلگنا اور سیاہ

سالگرہ نہیں اور اسے اپنی آنکھ میں چھین محسوس
 ہونے لگی۔

”مگر بڑی چھین آتی نہیں، گلاس مشینوں میں
 پٹا پٹا قفل ہوتی ہو، کیا فائدہ اسے سارے مثبت
 بچے زور پھیلے سالوں کے بچے زندگیاں کا، پیسے شاخ
 ہو رہے ہیں بس۔“

”تم اپنے خبیث ہوجزہ تمہاری کالی زبان کے
 لفظ مجھے ضرور قفل کر دائیں گے۔ یا اللہ جس دینا کے
 کس کو نہ میں چلی جاؤں جو تم سے جان چھوٹ
 جائے۔“ ایک روہا کی رنج ہوئی آواز اس کے کانوں
 سے گرائی۔

اس نے اپنی کبھی آنکھ پر ہاتھ ملا، وہ تم ہو رہی
 تھی۔
 ”تم دینا کے جس کو نہ میں بھی اس وقت
 موجود ہو یقیناً خوش ہو کی کہ مجھ سے تمہاری جان
 چھوٹ گئی۔“ اس نے کڑی کاشیہ بند کر دیا۔

☆☆☆

”وہ جب سے گاؤں سے واپس آیا ہے، چپ
 چپ ہے، کھوٹا ہوا، ویسا نہیں رہا جیسا پہلے تھا۔“
 انہوں نے کی بار خود کو بتایا تھا جہرہ سے پوچھیں تو وہ
 نال جاتا تھا۔ اس چپ کا عقدہ امین حراس کے آنے
 پر کھلا تھا جو ساگ اور کیڑوں کے تجھے دینے خاص طور سے
 ان کے پاس آیا تھا۔

”کاش!۔“ انہوں نے امین کی بات نہ کرنا سے
 خبردار کیا تھا۔ ”فیصل اور اس کی بیوی سے نہ کرنا یہ
 بات، نہ ہی منقول چرکا اور ہوا اور۔“
 ”چچا جیم نے کیا کرنا ہے بی بی جی۔“ امین
 حراس میں کر بولا تھا۔ ”سات پندوں تک آواز گئی
 ہے اس انہو کی۔ آپا جی نے اسکول آتا بند کر دیا
 ہے، سب گھٹ کر چار دن دے دیا ہے اسکول والوں
 نے۔ لوگ باتیں کرنے سے نہیں مڑتے، وہ آپا جی نے
 لوگوں سے سب ہوا تو یہ نہیں سارا کام تو یہ پاؤ
 جہرہ نکال کر آیا تھا اس نے نہیں دیکھا آپ سے؟“

مجلس صلیب کی دہ۔ اپریل 2012ء

عدم سے برآئے گے ایک دن
 زمانہ کے گام سے نیک دن
 لوہین کے دن ہوں گے شاہی کے دن
 محبت کے دن بے کنایہ کے دن
 خوشی ان دنوں نورِ برائے کی
 سرگرمی کھڑی بھی گزر جائے گی
 پھر آئے گا ہوش کرنے کا شاپ
 رہے گا خیالِ شرابِ دلکاب
 بھی جوشِ شبنمِ فانی خواب
 نہ گزرا اب نہ خوفِ خدا اب
 گھٹا دل پہ بنداری چھانے کی
 سرگرمی کھڑی بھی گزر جائے گی
 نہ گزیرے گا جواں کوادِ حیر
 توانا کا ہو گا چرخِ مردہ پیر
 لگے گا سب جوانی کا ہیبت

فہم کر کے قادیان پہنچے
طیعت اس آفت سے بھرے گی
گر یہ کفری بھی نہ جڑے گی
بڑھ جائے یہ گڑھا ان انقلاب
نہ ہوگی دیکھ نہ ہو کاشاب
طیعتی کر کے جی ان اعضا خراب
ابھل چکا ہے یہ سب سبزلہ دبا
گر یہ کفری بھی نہ جڑے گی
مرض موت کاشاب اٹھنے کا سر
دوار کے پاس سے کھلی چادر
بگڑ جائے گا کھیل سب سے سر
ہو آئے گی بیمار کی جانب
بڑی آگ تیز دور کھلائے گی
گر یہ کفری بھی نہ جڑے گی
سر سدرہ جود اہل ان

موجودہ انسانوں کا ممکن بننے لگا۔ اس نے دیکھا تھا کہ ان تبدیلیوں کا اثر چچی جان کے مزاج اور طبیعت پر پڑنے لگا تھا۔ وہ ہر وہ کوشش کرنا چاہتا تھا جس سے اُن کے دکھ اور عمر بھر کی ریاضت ختم ہو جائے اور احساس کم ہو سکے۔

”کسی دن وہ کمرابھی کھول کے دیکھ لے پاؤ، جس میں مائزہ رہتی تھی۔ اس کا چونا تو اس وقت بھی جھڑپا تھا اور ہاتھ کی کاپانی اندر دیوار میں سل دے رہا تھا۔ ایک دن ماسی ہاجرہ نے ڈرتے ڈرتے اسے کہا تھا۔

”احمد کیجئے ہیں۔“ اس روز وہ اسے ٹال گیا تھا مگر اس بات کے دو ماہ بعد بندگی میں کمرے گاؤں کے ایک دوست سے بات کرتے اس کی نظر اس کمرے کی بھر پوری اور میں پڑی درواز پر پڑی تھی۔

”ارے یہ کمرہ تو یاد ہے خراب ہو رہا ہے۔“ اس نے سوچا اور اس رات جچی جان کے سوجانے کے بعد وہ دروازہ کھولتا ہے غصے کے ہونکھولا تھا۔

کمرے میں موجود ہر چیز پر دیواروں سے
عزری گلابی کے ذرات بکھرے تھے اور کتب کی بو۔
اس نے سوچ بچ کر کے کتب لائبریری ملائی۔ ہر
چیز جو اس کی توجہ کی گئی۔ کہیں اور میز جس پر بیٹھ کر وہ
صرف لکھتی تھی۔ سنگھ ریز جس کے آئینے کے ایک
ہر طرف اس کے پرانے اسی طرح لکھے تھے، سنگھ ر
میز پر بالکراس اور ایک انجین کی خالی جھیلیاں
کی تھیں، کتابوں کی حلیات جس میں موجود کتاب
تاکہیں شاید ہاتھ لگے تھیں، کچھ کتابیں تریب
سے تھیں۔ حزمہ کچھ دیر ساکت کھڑا ان ٹائٹ
چیزوں کو دیکھتا ہوا پھر اس نے آگے بڑھ کر سنگھ ریز کی
دراز کھولی، ٹوٹی چیزوں کے کاغذ، پاپ اسٹکس کے
خالی رول، چتر رول، کمال کی پرانی بجا اور کمریم کی
خالی شیشی کے درمیان تین چیزیں اس کی پڑی تھیں
تھیں وہ حزمہ زبان باندھے نہ سکی تھی۔ وہ ان چیزوں کو
سے ساتھ کھڑی بننے لگی تھی کہ حزمہ کہہ ہوا۔

کتنے میٹرک پاس کر گئے سر جی پادے آپ کو؟
 اور اپنے طریقے سے کام کرنے میں کن رہتا۔ وہ ہے
 کا اسکول حجاج کا گیا شام کو وہ واپس گاؤں جاتا
 گاؤں جانے کے لیے اس لائن پار کرتا بدنی اور اس
 گاؤں کے آگے سے گزرتا تھا جہاں بارہ کی تھی۔
 اس گاؤں کو جانے والے راستے سے گزرتے ہوئے
 اس کا دل بھاری ہو جاتا اور وہ اپنی ویسپا وہاں سے
 بیگنے کی کوٹھن کرتا تھا۔

”میں سن لیتی رہتی ہوں۔“ ماسی باجرہ مٹی کھار اس کے کان میں سرکشی کرتی۔ ”وہ تو کب کی اپنے بندے سمیت وہاں سے چلی گئی، کوئی کہتا ہے کراچی کی کوئی کہتا ہے ولایت چلی گئی۔“

”اس کے سرائی اس کی کوئی قدر نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں سات پندھیں بدو جا میں دیتے ہیں چوہدروں کی لڑکی لانے پر۔“ وہ ہنسی۔

”ان سات بڑوں کی بھی عجیب تیوری ہے۔“

یہ دانتوں میں اٹھیاں دبائے بیٹھے رہتے ہیں۔
 ملائیں کرتے ہیں، دوسروں کے معاملوں پر سرگوشیاں
 کرتے ہیں اور دوسری کن لینے میں مصروف رہتے ہیں۔
 ان کو کوئی اور کام نہیں اپنا ذاتی۔ ”بھی بھئی وہ ماسی
 باجرہ کو جواب دیتا۔

”سات پنڈ مطلب ہے کہ اصرہ اور ہے لوگ۔“ وہ وضاحت کرتی تو وہیں دیتا یہاں آئے ایک دوایہ اصرہ نے لاشوری طور پر کوشش کر شروع کر دی تھی کہ وہ اس گھر میں دو سالانہ کرے گا جو چاہیے اس کی زندگی کی طرف واپس لائے۔ اس نے اپنی پہلی کوشش پر ہر گھر کی چند فریٹس کر دیاں اور اس کے بعد رنگ روشن کیا کر دیا۔ مرثیوں کے ڈوبے اور چندوں کے بجائے لاکر رکھے، جن کی کیا یوں میں موی پھولوں اور پھولوں کے سنے چن ڈالوائے۔ گھر میں رونق کی آمادہ ہو گئی۔ کھانوں کے کھانوں نے اس کی تیل لائیں ہوتی تو دروازے پر درجہ پنڈ ہونے لگی۔ گھر زائد اور

الگروہ نمبر تھا۔
 ”ٹھیک کیا ہے، بیچہ بڑھانے سے بڑا
 نیکی کا کام کوئی نہیں، تیری اہلیت ہی سنو رہا جائے
 گی۔“ اماں نے خود اس کی شکل نہیں دیکھی تھی
 مگر اتنی محنت کی بائیں نہ جانے کیسے کر رہی تھیں۔
 ☆☆☆

وہ اپنا مختصر سامان لیے اس ٹرین پر سفر کرتا تھا۔ وہاں پہنچا۔ اور یہاں پہنچ کر اس نے دیکھا تھا کہ چچی جان کے چہرے پر اس کی آمد کی نوعیت جان کر زندگی کی ایک ہلکی لہر دوڑ گئی تھی۔

”بیٹھک کے ساتھ والا کمرہ کے لیے تیار کرو۔“ انہوں نے اشارے سے مایا بزرگ کو کہا تھا۔

”آپ بول سکتی ہیں تو بولی کیوں نہیں، بیس بولا جاتا تو پھر میں آپ کو کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا۔“ مزہ نہ لے کر اس کی ایک اشاروں کی زبان میں گفتگو کرتے کرتے کہا تھا۔

”نہ“ انہوں نے انگلی کے اشارے سے جواب دیا تھا اور یہ اسی طرح کی نہ تھی جس کے آگے شاید کوئی دلیل نہیں چلتی تھی۔ اس نے فی الحال اس موضوع پر بات کرنے سے گریز کرنا بہتر خیال کیا۔

☆ ☆ ☆
گورنمنٹ ہائی اسکول کی ماسٹری کچھ زیادہ
مشکل کام ثابت نہ ہوا۔ وہ اپنے ہی استادوں کے
درمیان استاد بننا چاہتا تھا اور اپنے شاگردوں میں جلد
ہی ہر گزیر بن جاتا ہوں لگے تھا کیونکہ وہ پڑھانے
کے نئے طریقے متعارف کروا رہا تھا۔ ڈیڑے
کے زور پر ملنے والے کے جدید انجینئری کے ذریعے
پڑھ رہے تھے اور انہیں اس کی کلاس کا انتظار رہتا تھا۔
اس کے استادوں کو بچوں سے سختی برتنے کو کہے اور وہ
مسکراتا۔

”دیکھ لیتا یہ بچے مانتس میں رزلٹ نہیں دیں
مگر تم ان کو مست رکھتے ہو۔“ وہ کہتے۔

”سوئے اور عقلوں والے لوگوں کو اپنے جیسے ساتھ ہی رہتے ہیں، مگر مجھے تو یہ دونوں ہی تو بیاں نہیں ہیں۔“ مزہ نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔
”مجھے بھی کیا سی ہے باؤ، وہ تو ہم اللہ کے رشتہ ہیں۔“ ماسی نے بہت جرات سے کہا۔
”دوسروں کے لئے کے ساتھ چودہویں کی لڑکی بس سکتی ہے تو سب راضی خوش رہ سکتے ہیں۔“ ماسی نے اپنا فلسفہ پیش کیا۔

”بھئی ماسی، وہ بھی جی“ مزہ کا دل چاہا کہ۔ ”اپنے کا پلٹ کر دیکھنے کی فرصت نہیں۔“ اس کے دل میں عجیب سا بوجھ لگا رہا تھا۔

”ماسی تو چچی جان سے کہہ دینا، میں ہمیشہ کی طرح ان کی خوشی کے لئے ہر شکر بابت ہوں۔“ نعلی نے کس احساس سے غلوب ہو کر بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

”کیا کرتا ہوں؟“ ماسی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

”مطلب میں ان کی خوشی میں راضی ہوں۔“ اس نے وضاحت کی اور ماسی پر ہنسنے لگا۔ وہاں سے بگٹ ہوئی، ماسی کے دل کی خوشی کا عالم وہ اس کے چہرے پر دیکھ لیتا تھا۔ اس نے نظریں گلاب کی اس چادر پر لٹکائیں جو صبح کی بیرونی دیوار کے ساتھ ساتھ کھڑی تھی۔

”کیا تم بھی جان باؤ کی گئی کہ تمہارے چلے جانے کے احساس نے میری زندگی اور میرے دل میں کیا کیا وارداتیں کی ہیں، لکھا میرا جگر بدلا ہے میرے مزاج کا؟“ اس نے مزہ سے کہنے کی صحت میں گلے والی کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔

”میں نے ہمیشہ آپ کی کچھ ایسا کیا جو تمہارے جو کچھ ہے ہر شکر میں میرے مگر تمہارے چہرے پر پھر بھی شکر کا دیکھنا میرے نصیب میں نہ تھا، یہ کسی اور کا مقصود تھا کہ میرے جواب میں کر رہا ہوں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہے۔“ پھر اس نے

جواب میں اس نے کہا تھا۔

”اللہ کے فرمان کی نافرمانی ہے یہ تو۔“ انہوں نے ایک اور نکتہ سوچا تھا۔ ”اسکی ذات صرف اللہ پاک کی ہے، بندوں کے اس نے جوڑے پیدا کیے ہیں۔۔۔ کیا بندہ نہیں چتا؟“ وہ دہرایا۔

”نہیں ہے۔ مگر میرا ذہن ابھی اس طرف سوچنے کو مائل نہیں ہوتا۔“ اس نے لا جواب ہو کر کہا۔
”ذہن کو اس طرف لا، بھیجی آپا کے گھر میں رونق ہو جائے گی، وہ رونق تو کبھی ہے، اس کے دل لگانے کا سامان کر۔“ اماں دھکے کچھ میں اس پر بیانی وار کر رہی تھیں۔

”کس سے کروں شادی؟“ اس نے پوچھا۔
”بتائیں کوئی ہے آپ کی نظر میں۔“
”انسان نیت کر لے تو سب ہزارین جانتے ہیں تو نیت تو کر۔“ انہوں نے رمان سے جواب دیا، وہ خاموش ہو گیا۔

☆☆☆

”بھیجی آپا نے چودہویں ذوالفقار کی لڑکی کی طرف اشارہ کیا تھا آج۔“ اس کے چند ہی دن بعد ماسی باہر نے خوشی سے لڑکھائی آواز میں اسے تالیا۔

”وہ کون ہے چودہویں ذوالفقار؟“ مزہ نے طنزاً ماسی کی طرف دیکھا۔

”وہ تو یوں پٹو والا چودہویں کلثوم کا ماما۔“ ماسی نے جو تعارف کر دیا وہ مزہ کے لیے ابھی تھا۔
”اسی کی بیٹی ہے آمنہ، بڑی سوتیلی اور بڑی متلون والی۔“ ماسی نے کچھ دیر اس کے جواب کا انکار کرنے کے بعد کہا۔

”اچھا سمجھ؟“ اس نے پوچھا۔
”اوہی سمجھتی تھی آپا کو بہت پسند تھی ہے، ابھی اس کے ساتھ آئی تھی اور پلٹے۔“ ماسی باہر نے اس کو دوسرا بھی تبس ظاہر کرتے دیکھ کر ڈرامہ کے

ایا۔

گاؤں کے کچھ دوستوں کے اصرار پر میزگر کے لڑکوں کو یونٹن بھی بڑھا دیا کرتا تھا۔ دفتر رفتہ اس کے دل کی خلش مٹنے کی اور ذہن سکون پذیر ہونے لگا تھا۔

مگر وہ ایک مختلف دن تھا جب چچی جان کے نہ سبھ میں آنے والے اشاروں کی زبان کی ترجمہ ماسی باہر نے اس سے کہا تھا کہ چچی جان چاقو میں وہ شادی کر لے۔

”نہیں ماسی، شادی کا ابھی کوئی ارادہ نہیں ہے میرا۔“ اس نے دو ٹوک جواب دیا تھا۔

”یہ میری خواہش ہے۔“ جواب میں چچی جان نے اشارہ کیا تھا۔ ان کے اشارے میں ایسا اعتماد تھا جیسے انہیں یقین ہو جاتا تھا کہ ان کی بات ٹال نہیں سکتا۔
”تمہاری بات میں سے بات ہوئی کسی بھی شے آپا کی میرے ذریعے نہیں ہوئی پر۔“ ماسی باہر نے تالیا۔
”وہ تو ہے نہیں ہم اللہ کے چہاں دل چاہتا ہے بات ہی کر دو۔“

”مگر ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔“ وہ ہنسا تھا۔

”کیوں اس میں کون سی گلاب بات ہے؟“ ماسی باہر نے پوچھا۔

”میرا ذہن، میرا دل نہیں دانتا۔“ اسے اختیار پر لفظ اس کے منہ سے نکلے۔ اس نے گھبرا کر چچی جان کی طرف دیکھا جو اسے فور سے دیکھ رہی تھی۔ ”میرا مطلب ہے میں نے اس کے بارے میں ابھی سوچا بھی نہیں۔“ وہ بھلا گیا۔

”میں جانتی ہوں کیوں نہیں سوچا۔“ چچی جان کی آنکھیں اس سے ہوتی محسوس ہوئیں۔

”مگر اس طرح اندکی نہیں گزرتی۔“ ان کے اشارے کو ماسی باہر نے ترجمہ کیا۔ وہ گھبرا کر وہاں اسٹھ گیا۔

☆☆☆

”مجھے نہیں لگا کہ میں بھی شادی کر سکتا ہوں۔“ چند دن بعد ماں کے فون پر ان کی بھی اسی اصرار کے

اس نے دروازے میں سے ان بیٹیوں کو اٹھا لیا۔ شفاف پلاسٹک کے ڈبے میں رکھا سرخ مزاری کا چھوٹا سا مال، پارکر کے ڈبے میں بیک چین اور بال پائونٹ اور ایک چھوٹے سے نائز میں جڑا جھلکا کا کا جو ابھی تک اپنی اصلی پینٹنگ میں بند تھا۔ یہ بیٹیوں چیزیں اس نے اپنے مرحوم ماموں سے فرمائش کر کے کھائی میں اور اسے بے حد عزیز تھیں۔

”دھلے وہ انہیں یہاں کیوں چھوڑ گئی؟“ مزہ نے بلا ارادہ ان بیٹیوں کی پینٹنگ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچا۔ ”یہ پھر شاید وہ انہیں بھول گئی۔“ اسے خیال آیا۔

”وہ ان چیزوں سے کہیں زیادہ قیمتی انسانوں کو ادھر ہی بھول گئی تو یہ تو بے جان چیزیں ہیں۔“ اس کے دل میں آ گیا۔

”ان تین خیرول بیگڑ میں عزیز نہیں ضروری چیزیں ہوں گی۔“ اس نے سوچا اور مگر میز کی دروازہ بند کر کے اس کے تالے میں لٹکی چابی تھما کر اسے بند کرنے کے بعد وہ چابی اپنی جیب میں ڈال لی۔
وہ کراس نے بہت خیال سے ٹھیک کرنے کے بعد دوبارہ بند کر دیا تھا۔ چچی جان اس کی یہ ساری مصروفیت خاموشی سے دیکھ رہیں گھر انہوں نے اسے کیا نکتہ نہ خوشی کا اظہار۔

☆☆☆

اسے گاؤں آئے اور چچی جان کے ساتھ رہتے سات مہینے گزر گئے، دو گاؤں کے ماحول میں رہنے لگا گیا تھا۔ گاؤں کے لوگ استاد ہونے کی وجہ سے اس کی عزت کرتے تھے اور اس کے یہاں رہنے کی وجہ سے مزہ کے سلسلے میں ہونے والی پیموگیاں بھی بند ہو گئیں۔ اس نے اٹھین مزار سے چچی جان کی صف رہنے والی زمین کا ٹکڑا بھی خرید لیا تھا، گھر بھی چچی جان کے گزراؤں کے لیے آدھی کا بندوبست ہو گیا تھا۔ باقی اخراجات خود اس نے اٹھا رکھے تھے۔ شام کو

سوچا۔ ”دل بھلائے رکھنے کا بہانہ، چچی جان کی محبت یا پھر.....“ وہ سوچتے سوچتے رک گیا اور اپنا دھیان آسمان پر اڑائی چٹکوں کی طرف کر لیا۔

☆☆☆

پھر وہ آبائی مکان رنگ رنگ برتی ققنوں سے منور ہوا، ہر پھول خوشبوؤں سے بھی جاگاتی بیانی برات لے کر وہ چہرہ چہرہ ذوق الفکار کی بنی رخصت کروائے پچھلے آبائی مکان میں اس کے کمرے میں خوشبوؤں سے مٹی، رنگوں میں سی دھن کا اضافہ ہو گیا۔ ایک قطعی ایسی انسان سے ہر عمر کا تعلق بن گیا۔ اس رات اس نے کمرے میں جانے سے پہلے اسے لگا کچھ اس کے قدم کو رکھنے ہی نہ ہوں۔

”یہ کیسی خدائے والی بات ہے کہ دل میں کوئی اور بسا ہو اور جسم کی اور سے تعلق باغداد لے۔“ وہ اپنے کمرے سے باہر برآمدے کے ستون سے لگا کھٹی ہی درمیک سوچتا رہا۔ اس کے سامنے دروازہ پر اپنے برتی ققنوں روشتان بکھیر رہے تھے۔ برتی بورڈ پر تختہ چرخہ کی صورت پر بڑے ننھے ننھے ققنوں بچہ رہے تھے۔ چل میں وہ روشن ہوئی، چل میں غائب، وہ غائب وہاں کی کئی کیفیت میں اس روشنی کی بڑھ چکا تھا۔ رہا آسان پر بالوں کی اوت میں چھپا چاند پار، کزور اور اصل نظر اتر رہا تھا۔ فضا میں دھند کے پھوٹے اوجھ سے اوجھڑاتے پھرتے تھے۔

”یہ شام کی رات ہے کہ میرا دل کیوں اتنا ویران ہے، غالی اور بے احساس؟ اس نے سوچا اور پھر ستون کا سہارا چھوڑ کر اس سے دور ہٹا۔ گھر کے مینوں پر غلبہ کی مٹی بھی گروہ ایک ہی جوا کھٹوں میں خواب لہائے اس کا شکر تھا۔ اسے خیال آیا اور وہ یوہل دل اور ذہن بھر ہوئے قدموں کے ساتھ اس کمرے کی طرف چلا جو پھولوں اور انفریو شمر کی خوشبوؤں سے ہبک رہا تھا۔

☆☆☆

آمنہ، چچی جان اور اماں کی آئینہ میں بیجاہات ہوئی تھی۔ وہ کم کو، لیے دیے رہنے والی، نظریں چھکے اپنے کام سے کام رکھنے والی تھی۔ وہ اس کم کو کی گھر کی وہ کوئی طویل جملہ یوں تو مزہ کاس کی آواز اجسٹی گئی۔ اس نے اکثر امتحان دیا ہی تھا کہ اس کی شادی ہوگئی۔ مزہ کا اعزاز تھا کہ وہ اس کی ہنسی کو بھی نہیں پاسکے، وہ اس سے ہر ضرورت کے تحت ہی بات کرتا تھا کہ آمنہ بنا اس کے کہے اس کا ہر کام وقت پر انجام دیتی۔ وہ شاید کمرے میں ہی مزہ کی پسند کا پسند کو جان لیتی تھی۔ مزہ کو اپنا ہر کام وقت پر ہوا مل جاتا تھا۔ شادی کے بعد کچھ عرصہ اماں اوجھ رہیں اور جاتے ہوئے وہ آمنہ کے گلے پر ہڑھری تھیں۔ اس کے بعد چچی جان کو اس نے بھی غور سے دیکھا۔ اسے لگا کہ اس میں زندگی کی حرارت اور خوش رہنے کی صلاحیت بڑھنے لگی تھی۔

”میں خود اپنے لیے نہ کسی چلو کی کے لیے تو کچھ کرنے کے قابل رہا۔ زندگی یوں ہی ضائع نہ گئی۔“ وہ بھی بکھار سوچتا۔ چچی جان کے سارے کام آمنہ کرتی تھی۔

شادی کے بہت عرصے بعد مزہ کو پتا چلا کہ وہ حافظہ کو آسنے کی تھی۔ چچی جان انھیں بند کیے بیسی رہیں اور آمنہ چچی آواز میں ان کے قریب بیسی تلاوت کر رہی ہوئی۔ پھر اس نے دیکھا چچی جان کے علاوہ بھی گاؤں کی کچھ خواتین اوجھڑاتے کی تھیں۔ وہ سب آمنہ کی تلاوت سننے آتی تھیں۔ مزہ سب گھر میں ہوتا دیکھا اور بے نیاز نظر آنے کی کوشش کرتا۔

☆☆☆

دن گزرتے گئے، مزم، مزم، آسمان، بکھن دن۔ کئی جائے رخصت ہونے اور پھر ایس آئیں گھریاں کو گھریاں کو رخصت کرنی رہیں اور پھر خزانہ بڑا ڈال لیں۔ زندگی اپنے ڈھب پر گزرتی جا رہی تھی۔ وقت کے ساتھ مزہ پہلے کی نسبت کم اور مزہ بچہ ہو گیا۔ آمنہ کو بھی اندازہ تھا کہ اس

کے شوہر کے حراج میں کوئی تبدیلی آئی تھی۔ وہ پہلے کیا تھا، یہ اس نے نہیں دیکھا تھا۔ جو اس نے دیکھا تھا وہ ایسا ہی تھا، بچہ، بے غار، کم کو، سوچوں میں کم..... وہ بھی اس کو بہت غور سے دیکھنے کی کوشش نہیں کرتی تھی۔ بہت پہلے ایک بار اس نے اسے غور سے دیکھا تھا، وہ درمیانے قد اور مناسب جسم کا مالک تھا۔ گندی رنگت اور سیاہی مائل بھورے بال اس کی شخصیت کا چھانسا جاذب نظر بناتے تھے۔ وہ اسے غور سے دیکھنے پر بہت خوش ہوئی تھی پھر اس کی نظر اس کی گہری بھوری آنکھوں میں کوشش لیتی ادا ہی پڑ گئی، اس کا دل دھک سے دو گیا۔ وہ ادا ہی غیر معمولی تھی اور جیسے مستقل ڈراؤ لے ہوئے تھی۔ اس نے اس کی وجہ سے اوجھڑا اور غور سے دیکھنے کی ہمت نہیں کی تھی نہ ہی کسی وہ یہ ہمت کر سکی تھی۔ اسے ادا ہی کا سبب پوچھے، وہ انتہائی ڈانٹ رہا ہے اپنے دروازے اس مضبوطی سے بند کر لیتا تھا کہ دستک دینے والے ہاتھ تک جائیں دروازہ کھل کر نہیں دیتا تھا۔ آمنہ بہت جلد اس بات کو بھانپ گئی تھی اس نے بھی اس بند دروازے پر دستک نہیں دی تھی۔

شادی کے ایک سال کے بعد اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ اس کم کو بچہ، لیے دیے رہنے والے شوہر کی محبت میں مبتلا ہوئی تھی۔ اس کے شوہر کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ بڑا لائق فائق تھا۔ اس کے شاگرد قابل اور ذہین تھے اور اپنے استاد کو اپنا ردول بال قرار دیتے تھے۔ گاؤں کے لوگوں میں اس کی عیب نائی سی، وہ اپنی بیوہ بھی کی خاطر شری کا سیاب زندگی بھر کا اوجھڑا اور خود زندگی گزارنے کو لگا تھا۔

اس کی ذات سے متعلق سارے نکات مثبت تھے، اس سب پر قربان آمنہ اپنی زندگی پر صارہ شرا کر تھی خودی اندی کر تھی اور سی تھی۔ اس کو صرف ایک کا تعلق ہر مہرہ تھا۔ چار سال گزرنے کے بعد بھی وہ ادا ہی اس سے محروم تھی۔ اس کا بے غار شوہر اس محرومی سے بھی بے نیاز تھا۔ اس نے اس سلسلے میں اسے بھی

خوابش کرتے یا پھر وہی کا کھوکھ کر کے نہیں سنا تھا۔ ”میرا ایک بچہ ضرور ہوگا۔“ اس نے یہی بھی اسے لکھتے میں ڈال لی تھی اور اس کے درمیان پہلے سے زیادہ بند ہی اس کی اور چچی کی خدمت میں مشغول ہو جاتی۔ مایا ہر وہ بچہ بچہ لکھنے کے کام سے ٹوٹنے لگے آزمائے کی ترکیبیں بتاتی اور وہ بچہ بچہ ان پر عمل کرتی رہتی۔

”تیرے سینے میں تو قرآن محفوظ ہے بی بی، تجھے اللہ بھی نمارادیں رہنے دے گا۔“ مایا ہر وہ اسے یقین دلاتی۔ وہ رجمہا دیتی۔

☆☆☆

دن یوں ہی خاموشی سے گزر رہے تھے۔ وہ سب اپنی روشنی کے عادی ہو چکے تھے مگر وہ ایک مختلف نوعیت تھا۔ بچہ بچہ میں تین لکے سے بچنے سے محرومی تھی اور مایا ہر وہ پھونے سے پہلے کسی صورت کی ڈھیلیاں توڑ رہی تھی۔ چچی جان اپنے کمرے میں بیسی تھیں، جب گھر کا داخلی دروازہ بنا دھک زور سے اے لکھا کہ اس کے کواڑ دیار سے جاگے۔ دروازے کے قریب دھکے رنگ رنگ پرندوں کے بچنے میں بندہ بندے بری طرح پھڑ پھڑا کر بچنے کی جالیوں سے جاگے۔ تن میں پھرتی مرغیاں اپیل کر اوجھڑا کر جائیں۔ آمنہ نے گھر کا کچھ مڑ کر دیکھا۔ آنے والے بعد احما کے بچنے کے پتوں سے بچنے کوڑی تھی۔ آمنہ نے انتہاب بھری نظروں سے مایا ہر وہ کی طرف دیکھا جس کے سر میں توڑتے ہاتھ اپنی جگہ جیسے گھر گئے تھے۔

”کیسی ہوماسی؟“ آنے والی نے خودی مایا کو مخاطب کیا تھا۔

”تو.....؟“ آمنہ کی لفظ مایا کے منہ سے اٹک اٹک کر نکلے۔

”کیا تو؟“ دوسرے جواب میں سوال آیا۔ مایا کے پاس شاید اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے جھکا کر جلدی جلدی سر میں سینا ر، ر کر

ماہنامہ پاکیزہ — اپریل 2012ء (259)

سالگرہ نمبر

شہید اختلاف ہے۔ وہ مجھے خود فرما
کہتا ہے اور پھر دل بھی۔ "میرے
سامنے دیکھا، والا میں کسی پر قہر ہو کر کشمی پٹی
جان کوں جو دوں صرف تیرے ہیں۔
"اس نے مجھے کہا کہ اگر گھر میں وہ جی نہیں
رہے گی تو میں بھی نہیں رہوں گی۔ "ماہرہ تیار تھی۔
"اس نے مجھیں گھر پر کھڑ کر دیا۔" سزے نے یوں
کہا جیسے اس کہانی نے حقیقی انجام کا آخری حلسہ نہ رہا
ہو۔

”نہیں۔“ اس نے سخت لہجے میں تردید کی۔
 ”تمہیں شاید یہ نہیں کہ دیندار اپنی بات کے بہت
 کچے ہوتے ہیں، چوہدریوں کی طرح وقت کے ساتھ
 اپنی بات سے پھرے والے نہیں ہوتے۔“
 ”اوہ گریٹ۔“ حمزہ نے مسکرا کر کہا۔
 ”میں شاید زندگی کو بھیج کر رہیوں، اگر میری بیٹی والا
 معاملہ نہ ہوتا۔“ بازو نے حمزہ کے منہ کو نظر انداز کر
 دیا۔

”وہ پیدائشی معذور ہونے کے ساتھ ساتھ عجیب سی حرکتیں بھی کرتی ہے۔ وہ دیکھتی ہے تو اس کی آنکھوں سے عجیب سے شرارے نکلنے لگتا کی دیتے ہیں۔ اول تو وہ بھی سنتی نہیں، تھے تو اس کی عقل اتنی بھیا تک ہو جاتی ہے کہ دیکھنے والا برداشت نہیں کر پاتا۔ تین سال کی ہونے کو اتنی بے حرکت تھیں۔ وہ crawl بھی نہیں کرتی فرض پر پت لیٹ کر سینے، ٹانگوں اور بازوؤں کے مل کر آگے سرکتی ہے جیسے ساپ چل رہا ہو۔“

”استغفار..... تو پراسٹغفار!“ حمزہ کے منہ سے لے اعتبار نکلا۔

”کیا تمہیں ان کی خبر نہ آئی جنہوں نے تم سے پہلے سرکشی کی۔“ والدان سے آمنہ کی حلاوت و ترجمہ کی آواز ابھرنے لگی۔

”اس کے رنگ و عتک انسانوں والے نہیں ہیں، وہ ایک فوق الفطرت مخلوق ہے۔“

”اور اپنے کام کو دیاں پھلکا، اور ان کے لیے رونکا خذاب ہے۔“ آخر سنا رہی تھی۔

”اسے دیکھ کر مجھے اتنی اذیت ہوتی ہے کہ میرا دل چاہتا ہے جہاں وہ موجود ہو، وہاں سے کہیں دور چلی جاؤں۔“ مائزہ کی آنکھ سے آنسو کا پہلا قطرہ پھسلا۔

”مجھ نے مٹھا کا دل دکھانے کا جو گناہ کیا، اس کو گناہ سمجھا، مگر تم نے“ مائزہ کا دل چاہا ہے۔

”یہ اس لیے کہ ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لاتے ہوئے تھے کیا آدمی ہمیں راہ بتائیں گے۔“ مائزہ نے حد خویش لگائی، مائزہ نے اس روز پہلی بار صراحتاً اس کی آواز سنی تھی۔

”میں سمجھتی ہوں یہ سب نچرل ہوتا ہے۔ اس طرح کہ بچے بھی نچرل ہوتے ہیں، مگر وہ بچی جیسے بلاصورت ہے، میڈیکل سائنس اس کے سلسلے میں اپنی توجیہات پیش کرتی ہے، مگر میں سمجھتی ہوں کہ ایسا میرے سامنے ہی کیوں ہوا۔“

”تو کافر ہوئے اور پھر گئے اور اللہ نے بے نیازی کو کافر فرمایا، اور اللہ بے نیاز ہے، سب خبیثوں سے رہا۔“ آمیزی آواز آئی مگر وہ نے دیکھا چچی جان کی آنکھوں سے جھری کی صورت آسوراں تھیں۔

”جھے اللہ اور اس کے رسول کو واسطہ۔“ برسوں پہلے چچی جان کا جڑ سے پھٹنے کے ساتھ ماڑہ سے فریاد کرنے کا متنفس اس کے نظروں کے سامنے آ گیا۔

”اللہ اور اس کے رسول نے اپنی جائز خواہشوں کو پاؤں سے روندنے کا کوئی نہیں ٹھک دیا۔“

ماڑہ کی رعونت جھری آواز اس کے کانوں سے ٹکرانی تھی۔

”ماں باپ کے حقوق، ماں کا درجہ، اس کا احترام۔“ چچی جان اسے بتا رہی تھیں۔
 ”اوجھہ۔“ اس نے حقارت سے منہ پھیر لیا تھا۔
 ”کافروں نے کہا کہ وہ ہرگز نہ اٹھائے جا سکیں گے، تم فرماؤ کیوں نہیں میرے دل کی قسم تم ضرور

آئیں گے، اور یہ اللہ کو آسان ہے۔" آئینہ کی آواز آئی۔

”میں اس بچی کی موجودگی میں اس گھر میں نہیں
”آتی۔“ اب مانرو کے آنسو بھی قطار پاندھ گئے
تھے۔ حمزہ نے اپنا پورا دھیان دالان سے آئی آواز کی
طرف مبذول کر لیا۔
”کوئی مصیبت نہیں پہنچتی، مگر اللہ کے حکم
سے۔“

ہمارے دشمن ہیں تو ان سے احتیاط رکھو۔“ حمزہ نے نکلیں زور سے بند کر لیں۔

”اور اگر معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو“
 یہ جگہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ تمہارے مال اور
 تمہارے بچے جاچکے ہیں، اور اللہ کے پاس بڑا
 اب ہے۔
 قرآن نے آہستہ آہستہ انھیں کھولتے ہوئے چچی
 کی ان کی طرف دیکھا، وہ دونوں ہاتھ جوڑے اوپر دیکھ
 کر اور اللہ کی آنکھوں سے آنسو والے تھے۔

”بڑی اذیت ہے میرے لیے بڑی اذیت ہے۔“ مائزہ اپنے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بدقت بول رہی تھی۔ حمزہ نے برآمدے سے ہر دیکھا، صحن میں بارش کا پانی جمع ہو گیا تھا۔ نئی بندش کرنے پر کھڑے پانی میں صحنو بننے اور ختم ہو جاتے۔ یکفخت اس نے اٹھ کر مائزہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے اٹھا کر اپنے ساتھ لے کر دالان میں چلا آیا۔

”جس دل کو کوڑنے، اذیت دینے، بے پروا کرنے، لاتے رہنے، جن ہوتوں پر قتل ڈال دینے کے گناہ کی مرکب ہوئی ہو، اس دل سے جب تک معافی نہیں تک لوگی جب تک تہیاری اذیت ختم نہیں ہوگی۔“ اس نامزد کو چچی جان کے روپر کوڑے کرتے ہوئے کہا۔

خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ



آخری صفحات پر آپ کی مجبور قلم کار **فجہ مودی**
 ایک خوبصورت شاعر کا لیے حاضر ہیں۔ دل گرمی
 کے عالم میں ویران راہوں پر ایک تنہا سفر اور
 نامکمل خواہشوں کا قرض..... دل فریب منظر اور
 تالطمہ دار کہ تہ جذبات کی بحر آئینہ دار۔

مسافر
سلسلے وار صفحات پر ناصر ملک کا چوتھا نیا سیرے والا طویل
سلسلہ گل فکڑاؤس اور چرخہ تک ایک سیرے نوایں ہوا حیات
گھر کے چراغ سے

موجودہ دور سے قتل کرتا ہے وہ لوگوں سے ہی قتل ہوتا ہے۔
جلال الدین خلجی کے بارے میں ایک درویش کی بی بی
کوئی جو اس اعجاز سے پوری ہوئی کہ وہم و گمان میں
نہ تھا۔ ڈاکٹر ساجد امجد کا حق قرآن پر ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام
پندوں کی زبان سمجھنے والے اور حقوں کی پکار سننے والے
نبی کی سوانح... انجیل نبوت اور باشارات ہیک وقت آپ
مکمل، مخفی شعر و سخن آپ کے خط
مزید: کشافِ ضمیر مختار آزاد،
مرورہ کے خان، تصویر دہاش
اور سلیم انور کی ہجرت، ماہنامہ انار

اپنے ریحان میں خلاوت و مہر جگر کرتی
آمنی کی نوبت ٹوٹی اور وہ چونک گئی۔

ماڑھ سا کرت کڑی تھی۔

”وہ گناہ نہیں تھا، ایک جائز خواہش۔“

”کبواس بند کرو۔“ مزہ کے ہاتھ نے ماڑھ

کے گال پر نشان چھوڑ دیا۔

ماڑھ ہاتھ کال پر کر کے ششدر اسے دیکھتی رہ

گئی۔

”کاش یہ تھپڑ میں نے نہیں تھا اس وقت مارا

ہوتا۔“ مزہ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ”ایک نہیں گئی

تھپڑ۔“ اس نے جتنی سے کیا۔ ”کاش میں نے چچی

جان کے کہنے پر تمہاری ٹانگیں کاٹ کر پھینک دی

ہوتیں یا تمہارے اس سابق نادار کے فہرت والا نے

پروا کی بندھتی اٹھائی ہوتی۔“ اس کی آواز اشتعال کی

وجہ سے کانپنے لگی تھی۔

”مگر اس وقت میرا نادان دل تمہاری محبت کا

مغلوب تھا۔ تمہاری ہر خواہش کا احترام کرتے ہوئے

تمہارے چہرے پر پھر ہی مسکراہٹ دیکھنے کا جتنی

میرا خیال تھا تم باز اٹھو، بات منوانے اور اس کے

لے لیے ہر حد سے گزر جانے کا حق رکھتی ہو، میں ہر اس

زنجیل سے دست بردار ہو گیا جو تمہاری اس خواہش

کے جواب میں ہونا چاہیے تھا یا جس کی وجہ سے مجھے غم

گئی۔ میں تمہاری اس خواہش اور ہند کے راستے میں

آنے والی ہر رکاوٹ کے سامنے سیدنا نہ کھڑا ہو گیا

اور اہو تہی کو بونی میں بدلنے کا وسیلہ بن گیا صرف اس

لے لیے کہ میں نادان یہ سمجھتا تھا تمہارے دل کو دکھ دینا

گناہ ہے۔“ ماڑھ نے ٹھٹھک کر اس کی طرف دیکھا۔

”ہاں میں اتنا ہی احمق تھا۔“ مزہ نے اس کے

اس طرح دیکھنے پر کہا۔ ”اتفاق کیا تمہارے جانے

کے بعد بھی تمہیں پوچھا رہا تھا تمہاری محبت سے مغلوب

میں نے ایک ناک تھکادار کھینچ کر لایا تھا، مارا اور پھر

آبیروں کیا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں بہت خوش

گمان ہوں۔ یہاں آکر رہنا جی میری خوش گمانی کا

تجلی تھا، چچی جان کی خدمت کر کے، ان کے لیے اپنی

زیرنگی کے اچھے دن قربان کر کے میں یہ گمان کرتا رہا

کہ کبھی جب تم کو اپنی ماں کا خیال آنے کا اور تم ان

کے پاس لوگوں کی تو کتنی خوش ہوگی کہ میں نے تمہاری

عدم موجودگی میں تمہاری ماں کا کس قدر خیال رکھا۔

میرے جیسا بھی کوئی افق الذی ہوگا۔“ سانس لینے کو

تھمرنے کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوا۔

”میں نے نہیں سوچا کہ جو اپنی ماں کی پرسوں

کی ریاضت کا ناقدری کرتے ہوئے ایک ایسی ہی

خطرے سے ٹھکرا سکتی ہے، وہ میری محبت یا میرے دل

کے جذبوں کی کیا قدر کرے گی۔ جس کی آنکھ، دل اور

ذہان پر شر کا پردہ پر دیا، جس نے اپنی غرض میں اس

کو پاؤں تلے روند ڈالا اس میں رب بستا ہے، جو

بائشکری کی انتہا پر پہنچ کر کبھی رہی، میری ماں اب ان

بائ کا دھول جتنی رہے گی عمر بھر۔“ وہ میری ٹھنڈا کر گیا

ہوئی۔ مگر میں نے بتایا نہ کہ میں نے ایک عمر خوش

گمانی میں گزار دی۔“ وہ ایسے ہنسا چھپا پٹا مسخراؤ مارا

ہو۔

”میں ابھی بھی خوش گمان تھا۔“ پھر اس نے

انکشاف کیا۔ ”تمہاری واپسی پر کوئی تو دل ظاہر نہیں

کیا، تمہارا مان بوجھنا تو تمہاری خاطر لو خندہوں

میں مصروف ہوا، کچھ تو اپنی محبت سے مغلوب ہو کر

استے پر گر کر جانے کے بعد بھی تمہارا خیال میرے

دل میں سینٹرل پوزیشن سنبھالے بیٹھا تھا۔“ کہتے کہتے

اس کی نظر آٹھ پر پڑی جس کا سر یہ بات سن کر مزید

جنگ کیا گیا۔

”اب بھی میں تمہارے چہرے پر مسکراہٹ

بکھیرنے کا جتنی تھا، اسی لیے میں نے تم سے کوئی

سوال جواب کیا نہ تمہارے کسی سوال کا جواب دیا مگر

افسوس ہے کہ ماڑھ اتنے آج کی تھکاوے کے دوران

میرے ٹھنڈے سے اتنا سا ہلکا بھر میں ملیں کر دئیے۔

میں نے تم سے سوال کیا کہ تمہارے لیے کتنی بھی تو

گے، اس سوال کے پیچھے یہ تو کتنی ہی کہ جب تم خود ماں

بنی ہوگی تو تمہیں اپنی ماں کی بھی قدر آتی ہوگی۔ ماما

کی فطرت کو صرف ایک ماں ہی سمجھ سکتی ہے۔ مگر تم

.....“ اس نے ماڑھ کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔

”تم گراہی کی اس شاہراہ پر جا چکی ہو جہاں

تمہیں اپنے بچپن سے جتنی بچی کے لیے بھی ماما کا

احسان نہیں ہوتا تم اس سے بھی بچھا چھپانے کی فکر

میں ہو..... نہیں۔“ مزہ نے نفی میں سر ہلایا۔ ”کوئی

خاندانی روایات، لا شعور میں بے نقض بات نہیں جن

سے ایک قدم غلط اٹھا کر بچھا چھپایا جا سکے.....

خود غرضی کی جتنی بھی دیر چنی آکھوں پر پانہ کر تم اس

ما فوق الفطرت بچی کے نظارے سے بچتا جا ہوگی اتنا

تھی تمہارے دل کی اذیت بڑھتی جائے گی۔ سرگئی اور

بجاعت کا یہ وہ پڑاؤ ہے جہاں سے کچھ نہ گھومے

والی اذیت کا سرخرو ہو جاتا ہے۔ تم غور کرو تو ہونے

اعزاز وہ کہ تمہاری بچی کی شکل میں اللہ کی بے نیازی

کے رنگ تمہارے سامنے آنے لگے ہیں، یہ تمہارے

کو تک ہیں جو تمہیں اس شکل میں جتانے جا رہے ہیں۔

تمہاری ماں جس نے تمہاری خاطر طبری جوانی ہوئی میں

کاٹ دی اور سزا کی جاؤں پر تانے رکھنے کی خاطر

جو آبلہ جا ہوئی، اس کی کمی صحت پر تم نے کان دھرے

نہ اس کی منت ساجت تمہارے سامنے کوئی حیثیت

پاکی۔“ وہ ایک بار پھر سانس لینے لگے۔

”ہے اور تاد کے درمیان جس خلا کا تم نے

ذکر کیا جس میں ایک محبوب سنا اور گھپ ادا جبراً چھپایا

ہوا ہے، جہاں تم دونوں ناک ٹوٹیاں مارتے ایک

دوسرے سے دور ہوتے جاتے ہو، یاد کرو یہ وہی

خاندانی فرق ہے، تربیت و ماحول کا فرق جس کو بچی

جان تمہارے گوشت گزار کر کے تمہیں کسی بڑی مصیبت

سے بچاتا چاہتی ہیں، وہ تجر بہ کار نہیں، باقی ہیں

ذات، مہنت خاندان سے، جو کھڑی کھڑی جانتا ہے، مہنت

ماحول و مہنت کا فرق ضرور آتا ہے، اس لیے تم نے

کہا تمہاری پسند، ناپسند، ترجیحات، طرز زندگی سب

اس خلا میں لکھ دیا جاتا ہے، یہ وہ تجر بہ تھا جس

وہ دسمبر کی شام

یاوے تم کو

وہ سرد، بھگن، دسمبر کی شام

میرے سب بخت ہاتھوں میں اپنی زندگی

سے بھر پور کس مور ہے تھے

ہم ہم بدھ ہوئیں

کسین دور پہنوں میں مگور ہے تھے

دھند میں بڑی سرد، کمر آؤ دو ہونے جب

یکارا نہیں

کھلی آنکھ تو پہنے سرب، سرب، سرب تھے

دسمبر کے دھند آئیز لمبے عذاب ہی

عذاب تھے

چاروں جانب سوالیہ نظریں تھیں

خالی، خالی، جواب تھے

کر چھاں تھیں

ٹوٹے بکھرے خواب تھے

ملنے کے سارے مومسوں کے لیے

سرب ہی سرب تھے

فصیحہ آصف خان، ملتان

سے سے تمہیں بچاتا جاتی تھی، مگر تم کو اس تجربے سے

گزرنے کی بے خبری ہی تھی..... شاید یہ تجر بہ نہ ہوتا

جو تم ان کی دعا لے کر اس میں سے گزرتے کو

چاہیں..... مگر تمہاری بدقسمتی تمہارا شعور، عقل و فہم اور

چینا کی سرگشتی اور زندگی آگ میں جھم ہوئی.....

اور اس سے بھی بڑی بدقسمتی تمہاری اذیت میں چلا کیوں

بھی نکھیں تھیں آری کہ تمہارا دل اذیت میں چلا کیوں

ہے۔“ اس نے ہم کو ہر کونام کی طرف دیکھا جو ستا چہرہ

لے چکی جان کو دیکھنے جاری تھی۔

ملتان، لاہور، 2012ء

اپریل 2012ء

اپریل 2012ء

”میں سمجھتا رہا کہ یہ تمہارے ضمیر کی غلطی ہے جو تمہیں اب تک ان کا سامنا کرنے نہیں دے رہی۔“ وہ جہاں تک اب مجھ میں آیا کہ میری کئی یہ وہ اسکا ہے جہاں اب بھی تم کو غافل میں لائے کو تھامیں۔“ ماثر نے آنکھیں زور سے بند کر لیں۔

”اور میں.....“ وہ طفریہ انداز میں جہاں۔ مجھے دیکھو ایک خود غرض کی محبت میں اتنا غرض مند ہوا کہ سب رشتوں کا احترام بھول گیا۔ تمہیں یاد ہے تم مجھے ایک نظم لکھا کرتی تھیں فیض احمد فیض کی جس میں ہمیشہ فیض بھر کر لکھتا تھا۔“ اس نے ماثر کی طرف دیکھا۔

”مجھے آج اپنا اور تمہارا تجزیہ کرتے ہوئے ہے۔ اعتبار اس کے کچھ الفاظ یاد آگئے۔ شاید تمہیں بھی یاد آجائے۔“

چلاؤ آج کچھ حساب زبانی جاں کر لیں
الم شمار کریں درد آشکار کریں
حساب زبانی جاں“

اس نے دہرایا۔ ”تمہاری محبت میں مغلوب میں سوچتا رہا کہ تمہارے علاوہ کسی اور کو سوچنا ہے وفا ہے اور اس اعتقاد سوچ کے زہرا میں اس فرشتوں جیسی لڑکی سے یوں غافل رہا جیسے اس کا وجود میرے ارد گرد ہے ہی نہیں۔“ اس نے آتمہ کی طرف اشارہ کیا۔

”میں نے کبھی اسے ڈھنگ سے مخاطب ہی نہیں کیا۔ میں نے کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ اس میں کون کون کی خوبیاں ہیں۔ لیکن آج تمہاری خود غرضانہ اسٹیٹ منٹس نے مجھ پر یہ آشکارا کیا کہ بے غرضی جیسی بولی ہے، اس لڑکی جیسی جو میری بیوی ہے۔“ وہ کہہ رہا تھا اور کرسی جیسے آتمہ کے وجود کے نیچے ڈوگ لگتی تھی۔

”مجھے تو آج تک نہیں“ اس کی مگر میں نے اس کی زبان پر بھی کوئی گلا آئے نہیں دیکھا میرے دن اپنے کام میں اور دامن تمہارے سے کرے میں،

”اسی مجھے معاف کر دیں۔“ وہ چلا رہی تھی۔
”اور اگر معاف کرو، اور زور نہ کر اور بخش دو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“ مجھ نے دیکھ کر پہلے سے ہوئے الفاظ دہرائے تھے۔ چنگی جان نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے ماثر کو دیکھا تھا اور پھر اسے سینے سے لگا لیا۔

”ممتا خود غرض نہیں ہوتی، مجھ سے نہیں اس سوچ کے شر سے پناہ مانگ جو تجھے اپنی جی سے دور جانے پر اکساتی ہے۔“ برسوں بعد چنگی جان کی آواز مگر کی فضا میں ابھری تھی۔ ان سب نے چوک کر انہیں دیکھا تھا۔

”تیرے جانے کے بعد میں نے خاموشی کی چادر اس لیے اوڑھی کہ کہیں غم و غصے میں میری زبان سے کوئی بدعاتیرے لیے نہ نکل جائے، میں اپنے دل میں تیرے لیے کھرے پناہ کی درخواست کرتی رہی۔“ وہ کہہ رہی تھیں۔ ”اللہ نے تجھے شر سے توبہ کا موقع دیا۔ بندے سے بغاوت اللہ سے بغاوت کی طرف لے جاتی ہے۔“ برسوں پہلے تو نے نہ جانا کہ کمال اولاد کی دشمن نہیں ہو سکتی۔ میں نے تجھے کہا تھا اگر تیرے لیے وہ فیصلہ بدتر ہوتا تو میں کی چیز کو آؤں نہ آئے دیتی۔ تو نے میری بات نہیں سنی اور تو نے دیکھا میں غلام نہیں بن سکتی تھی، خاندانوں کا رہنما نہیں برسوں کے عمل سے گزر کر رہتا ہے۔ ایک ماحول سے دوسرے ماحول میں جا کر گزر رہا نہ کرنا آسان نہیں ہوتا، وہ جی کیوں کہ جیسے دعا میں اور اپنی کا سامنے نہ ہو کر تو بھی اپنے من کی سر اوپانے کے لیے سب کے دلوں کو کھلی کی۔“

دو روئے بنی جا رہی تھیں۔

”ماں کا دل جس میں رہتا ہے۔“ ”پر اب تجھے اللہ نے شر سے موقع دیا ہے۔ اللہ بے نیاز ہے، وہ دنیا میں بھی انسان کو اس کے کونک جہلا دیتا ہے، اسے حقانی مانتا اور تو یہ کہنے کا پھر دلی سے نرم دلی کی طرف لوٹنے کا موقع دیتا ہے، وہ مہربان بھی ہے اور غور مگر بھی۔“ انہوں نے ماثر کے ہاتھ پکڑ کر

اسے مجبوراً۔
”وہ اللہ کی بھی مخلوق ہے، تیرے پیٹ کی جی ہے، ماں سے فرار حاصل کرنے کی کوشش کر دیکھی تو نے، اس سے فرار حاصل نہ کر، اسے اپنے سینے سے لگا، اللہ تیری باقی سختیاں بھی معاف کر دے گا۔“ اس کے اور اس کے باپ کی طرف لوٹ جا، جا میں نے تجھے دل سے معاف کیا، جا اس بار تجھے میں اپنی رضا سے رخصت کر دیں گی۔“ اللہ بھی تجھے آسانیاں عطا فرمائے۔“ وہ کہہ رہی تھیں اور ماثر روئے ہوئے زور زور سے اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔ چنگی جان نے ایک بار پھر اسے سینے سے لگا لیا تھا۔

مجھ نے ان آنکھوں سے آتمہ کی طرف دیکھا، جو دوگ ٹھکری یہ سختی دیکھ رہی تھی۔ مجھ نے اپنے ہاتھ آتمہ کے سامنے جوڑ دیے۔ ایمان کی دولت سے کالا مال اور شر گزاری کے وصف سے شرار آتمہ تم آکھیں پس پچھتے ہوئے سگرا دی تھی۔ اس کا خاموش طبع، سرد مزاج اور لیے دیے رہنے والا شوہر اس روز خوب بولا تھا اور اس نے اس کے اوصاف کا صاف الفاظ میں اعتراف بھی کیا تھا۔ لا حاصل، حاصل ہو گیا تھا۔

تمہارا میرا تعلق اس ایک لفظ کا ہے
لغت کے مات میں سنا ہوا
لفظ ایک لفظ.....

اس ایک لفظ میں سچائی ہے زمانوں کی
چلو کہ جس کی لفظ اختیار کریں
اس ایک لفظ کا دامن نہ داغدار کریں

برسوں بعد مجھ کا دل ماثر کی محبت کے گمان سے نکل کر ایک ناقابل تردید حقیقت کی آنکھوں میں آکھیں فال کر اعتراف کر رہا تھا اور آتمہ کے دل کا نیا جیسے باہر چھابوں برقی بارش کے ساتھ بہہ کر چھٹ رہا تھا۔

ڈاکٹر مری نے انتخاب

جسمانی صحت اور اس کی مناسب دیکھ بھال کے لیے پاکیزہ ہمیشہ کھانے پر توجہ دینی چاہیے۔ ان میں سے بیشتر بازاری میٹوں اور ایک آپ کے ساز و سامان کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں تاکہ شخصیت کی کاشی دیکھ کر برقرار رہے لیکن عام طور پر ایسے تجربات کا نتیجہ دیتے اور پیسے کے زیاں کے ساتھ افراد کی صحت میں سامنے آتا ہے۔ جسمانی فائدے کے بجائے بگاڑ دیتی ہو جاتا ہے۔

پچھلے دنوں کچھ کا غذات کی تلاش میں ایک پرانی ڈاکٹر مری میرے ساتھ تھی جس میں، میں نے 1985ء سے بہت سے کھانے اور کھانے کوٹ کے لیے میری سہیلیاں اور لڑنے چلنے والیاں اکٹریں تھیں۔ پوچھتی رہتی ہیں کہ کس طرح کوکوکو Maintain کرنے کے لیے کیا کرتی ہوں۔ میرے لیے فرد افراد بتانا مشکل رہا ہے۔ اب میں نے سوچا کہ ساگرہ نمبر کے ان صفحات کے ذریعے اپنے تجربات پاکیزہ بہنوں تک پہنچا دوں۔ یہ سب میرے بڑے آزمودہ ہیں۔ ایک بھانہ اور کھو دینے کی ماں ہونے کے باوجود میں میک اپ طبعی نہیں کرتی۔ ان ہی آزمودہ ترکیبوں پر گامیے گا۔ بھل کر رہتی ہوں۔ جیسی اور جو کچھ ہوں، سب پاکیزہ بہنوں کے سامنے ہوں۔ ان سب کے فائدے کے لیے میں اپنی ڈاکٹر مری کے کچھ پیچیدہ و مفید پیش کردہ ہیں۔ کربول افق۔

عذر اور اسول

میں نے اگر سر میں خشکی ہو تو ہفتے میں دو بار لیوں کا عرق پانی میں ملا کر سر میں خشکی صاف ہو جائے گی۔

میں نے تھل میں لیوں کا رس ڈال کر بالوں میں لگانے سے بال چمک اٹھیں گے۔

میں نے لیوں کا عرق کھال کراس کا چھلکا دھیرے دھیرے دھوئیں پوئیں، کالا پین دور ہو جائے گا ہمیشہ کے بھی نہیں۔

میں نے بالوں میں گاجر کا رس تھل کی طرح لگاؤں میں بال جھڑا بند ہو جائیں گے۔ گاجر کا رس پیسے سے خوب صورتی میں بھی اضافہ ہوگا۔

میں نے ایک کچھ ٹماٹر کا رس اور چند قطرے لیوں کا عرق اچھی طرح ملا لیں۔ اس کو دھیرے دھیرے ملیں، چہرہ ملائیں اور پچھتا ہو جائے گا۔ تازہ پانی سے منہ دھو لیں۔

میں نے پودینے کی پتیوں کو باریک کر کر س نکال لیں، رات کو سونے سے پہلے عرق کو چہرے پر لگاؤں

پھر تازہ پانی سے منہ دھو لیں، چہرہ دھو لیں اور پریش ہو جائے گا۔

میں نے چہرے کی جھانکیاں دور کرنے کے لیے سب کی تازہ پتیوں کو پچھیں کر س لگاؤں۔ مالے کے رس کو مسلسل لگانے سے بھی چہرے کی جھانکیاں دور ہو جاتی ہیں۔

میں نے لوبی کے پھلے میں کدیر سے دھیرے دھیرے ملیں، چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھے گا۔

میں نے ہر اذان میں کدیر کے جلد کے دانوں پر ملیں دانے کاغذ ہو جائیں گے۔

میں نے کھیرے کے کاس دو دھ میں ملا کر چہرے پر لگانے سے کدیر صاف ہو جاتا ہے۔

میں نے پھل انسان کے چہرے پر دو قدرتی ٹھکانہ پیدا کرتے ہیں جو کوئی میک اپ پیدا نہیں کر سکتا۔ روز مرہ خوراک میں گوشت، پھل اور سبز پانی ضرور لیں۔

میں نے شہد عرق گلاب اور oatmeal کو ملا کر ماسک تیار کریں اور 15 منٹ کے لیے چہرے پر پھیلا لیں

پھر خوب صفائی سے منہ دھو لیں۔ ہفتے میں ایک بار لگائیے۔

میں نے کھیرے کو کدو کے سر چہرے پر پھیلا لیں اور 10 منٹ بعد منہ دھو لیں، جھکن دور ہو جائے گی۔

میں نے بادام کا تیل کدو کے سر طرح کر لیں کہ کدو کی پانی میں دھو کر گرم کر لیں، پھلے پھلے چہرے پر مساج کر لیں جب ہو جائے گا۔ ہفتے میں ایک بار بھی لگائیے۔

میں نے خشک بالوں کے لیے اگر گھنڈی لگائیں تو اس میں تیل اور اٹھنے کی زردی ضرور ڈالیں۔ 20 منٹ بعد دھو لیں کدو خشک ہو جائے گی۔

میں نے خشک جلد کے لیے لیوں کا ماسک اچھا ہے۔ لیوں کو پیش کر کے 15 منٹ لگاؤں کہ اس کا تیل جلد میں اچھی طرح جذب ہو جائے۔ ماسک اتار کر سوچا کر لگائیں۔ اس کے علاوہ کپے ہوئے ٹماٹر کے کاس کے ٹکڑے چہرے پر لگاؤں۔ 15 منٹ بعد پھلے پھلے کر لگائیں۔ ایک کھانے کا پیچ گرم شہد ایک پیچ لیوں پاناسا کا رس چہرے پر پھیلا لیں اور 10 منٹ بعد صاف کر لیں۔ خشک جلد کو ماسک پیسے میں ایک بار پچھتا جلد کو ہفتے میں ایک بار۔ ملی جلی جلد کو ہفتے میں لگانا چاہیے۔

میں نے ہونٹ پھلے اور خوب صورت بنانے کے لیے گلاب کا عرق، پھٹری، لیوں کا عرق ملا کر رات کو سوتے وقت لگاؤں۔

میں نے خشک اور سوڈا پانی کا کاربونیٹ برابر مقدار میں لے کر دانتوں کو برش کریں تو دانت سفید اور چمکدار ہو جائیں گے۔

میں نے اگر دانت پیسے ہو جائیں اور دانتوں کی چمک ختم ہو جائے تو لیوں کے پھلے پر کھانے کا سوڈا معمولی سا لگا کر دانتوں پر ملیں۔ دانت سفید اور چمکدار ہو جائیں گے۔

میں نے آنکھوں کے پھلے دور کرنے کے لیے آؤ باریک پتوں میں لیں اور اس کے پانی کو آنکھوں کے پھلوں پر دن میں پانچ چھ دفعہ لگائیں۔

میں نے چہرے کے دانوں کو ختم کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ پھٹری باریک کر پانی میں ملا کر فریج میں رکھ دیں۔ دن میں سات دفعہ لگائیں۔ دانے ایک ہفتے میں ختم ہو جائیں گے۔

میں نے دھبی میں تھوڑا سا تھل ڈال کر بال دھوئے سے آٹھا کھنے پہلے چمک لیں اور نیم گرم پانی سے سر دھو لیں، خشکی ختم ہو جائے گی۔

میں نے جلد کی تھن کی تھن کو برقرار رکھنے کے لیے تو بہت سے طریقے ہیں مگر ماہرین کہتی ہیں کہ ہم لٹو آٹھے اور شہد کا ماسک ہے۔ ایک انڈے کی زردی میں ایک پیچ شہد ملو اسادو دھو اور عرق گلاب ملا کر لیجان کر لیں اور شیشی میں بند کر کے رکھ دیں۔ روزانہ ایک بار اس کو جلد پر لگاؤں۔ 15 منٹ بعد نیم گرم پانی سے دھو لیں۔ ماسک کو کدو کر نہ اتاریں۔ یہ ماسک جلد کو تازہ دھو لیں۔ یہ ماسک جلد کو تھن کی تھن سے بڑھ کر اضافہ کرتا ہے۔ ماسک لگاتے ہوئے آنکھوں کے پھلے اور پونے بچائیں۔

میں نے لیوں کا رس 5 گرام گرم پانی میں ڈال کر سر دھونے سے بال گرنا بند ہو جاتا ہے اور ملائم بھی ہو جاتا ہے۔

ماہنامہ سیکرٹریز — اپریل 2012ء (27)

ہے دُشیرہ طاہر، بہاول عمر ہے۔ "انجمن اتنی بھری دوتی غزال، کلبل، غریبہ جاوید فری سے بہت ہے۔ پاکیزہ پڑھ کر میرا بھی دل چاہا ہے کہ میں بھی اس شریک ہوں۔ میں نے سوچا کہ پہلے پڑھوں۔" (گزشتہ ماہ ۱۵)

نہرت اختر گرائی ہے۔ "نہرت رانڈز، قارئین اور سب سے بڑھ کر میرا پاکیزہ انجم باپ کی پاکیزہ کی سالگرہ بہت مبارک ہو۔" (۱۵)

پاکیزہ کی بدترین بات کاوشوں سے ترقی کا مسکن بن کر اس کا بہت بڑا سہارا بن گیا ہے۔ وہ تو کچھ نہیں کہیں ہوتی۔ پاکیزہ کی بہنوں کی عقل کی بدولت سب سے دوتی کے کہتے استوار رہتے ہیں اور سالے کے مطالب پر بھی کافی عقیدہ قریب پڑنے کوٹھی ہے جو اس کے حق میں بہتر ہے۔ بہر حال مایہ ناز رانڈز کی تحریر تو سالے کا سن بھلائی ہی میں گردیدہ کیلے اور قارئین کی ہر اہمیت پر غور کیا ہے۔ اس سلسلے میں مدد کی توت، جانشانی کی تحریف نہ کرنا زیادتی ہوئی۔ ماہِ جنوری کے شمارے سے بات کرو تو تیس سال کا آغاز ہوا تھا۔ دیشان رسول کے جے کے دینے کی تقریب کا احوال بہت خوب صورت تھا، وہ موقع ہی اہم تھا کہ ان کا یہ تھا۔ جو پیش کیا کہ یہ خاص قادی ہی وہ وقت کا تھا جو دینے سے تیسرے اور تہماز دیکھنا کی رہی ہیں۔ یہ جاری ہی کہتا ہی ہے کہ ہر ماہ بھر جاری ہے۔ وہ جاہوں بہر حال آج کے دور میں بھی سالے کے قارئین بہت ہیں جو اس میں مثبت تبدیلیاں اور خوشگوار سلسلے دیکھنا چاہتے ہیں اور اپنی آرا کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ بے شک کیونکہ اور یہ مگر سالے کی اہمیت نہیں ہوئی۔ قبول بھلائی کی کوشش کے آپ نے پیچیدہ قارئین کی دلی آرزو پوری کی ہے۔ میری گزارش ہے کہ ضرور دیکھیں کہ بڑا دل ہی طویل نہیں ہو وہ خود طویل تو دم اقساط کے میں ایک کی غیاں کا انجام تب تک ہے۔ شریک حیدر کو اپنے کاموں کے ڈوبنے کا دلچسپی رکھوں کوٹھل رہی ہیں۔ مجھے ان کے افسانے نے زیادہ پسند ہیں ناول میں خواہات بہت ہو جاتی ہے۔ جو میرا سب سے کوئی پرانی تحریر ہے ایک لکھنا کر رہی ہے۔ (نقصت نہایت ہی ہے۔ پیچیدہ سے سیدے وکٹ ۱۱۱ ناول مکمل کر دیں۔ ڈائری کے صفحات میں کی تحریریں کر لیں۔ سیدے ۱۱۱ سلسلہ بالکل پسند نہیں آیا۔ جلد کی مختصر تحریریں زیادہ مگر ان کی ورنہ پورا مضمون لکھنے سے انہوں نے لیے عرصے کے کوئی نامور شخصیات خصوصاً خاتون اپنے اپنے شعبے میں نمایاں ہیں ان سے بات چیت کا جائے۔ بچوں اور لڑکیوں کی تربیت کے حوالے سے بھی کچھ مثال رکھیں۔ امید ہے جملہ مشائخ ہوگا۔ تمام قارئین کو سلام اور دعا میں۔" (تجربے کا گھر)

ہے شائستہ حاضر کرنا چاہی ہے۔ "میرا میری ساس پاکیزہ جاوید کا ہے پڑتے ہیں۔ اور اریے سے لے کر چرچر پڑتے ہیں۔ جلد تک بہت پسند ہے۔ کبھی تقریب کی روداد پڑھنا اچھا لگتا ہے۔ خصوصی طور پر اس وقت جب آپ لکھیں خوشبو میری قریب کی کار بار پڑھا ہے۔ میں اور کاچ کی لڑکی اور تاپیلہ مایہ اختر کا ناول بہت پسند آیا ہے۔" (اس محفل میں خوش آمدید ہے امید ہے آئندہ بھی اپنی آرا سے باخبر رہیں گی)

ہے ذکیہ ارباب، گرائی ہے۔ "مارچ کا مکمل جنوری میں لکھا ہے قاضی میں چڑیا کا بیج بچا ہے۔ کبھی اپنی تجسس برقرار ہے کیونکہ اس احوال سے احوال سے آگاہ ہیں۔ سبیا بھینن کا کیو جوا دھنی دل کا کیو بڑھا گیا ہے۔ پیچیدہ مایہ اختر کی زندگی میں کردار میں گہرائی ہے۔ سب سے اظہار کے اور لڑکیوں کو کھینچنے میں ہے۔ بھولوں کے سوداگر بھی کبھی اپنی شریک میں حیدر کی قسط میں کچھ باہمی تجسس ہیں۔ انجمن پڑھوں کی محفل میں بھی کوئی کھیر حوشن کے لیے میں نے سب سے زیادہ اظہار ضرور پڑھیں اسی سے تہماز ہو کر زیادہ ہو جانے افسانے کو لکھا اور پینڈا آ کاچ کی لڑکی کی کہانی بہت اچھی جا رہی ہے۔ سرفراز صاحب پانچوں کی کچھ کر گئے۔ اللہ بھائی کو بھی باکائی آفت سے بچا ہے۔ ایک کی غیاں کا اظہار ہو جوا دھنی جو دھنی کی ڈائری پاکیزہ کی ہے۔ بہت خوب کرکھن اچھے اچھا لگتا۔ جانشان خان اور نہرت میں شام کے افسانے سو لگے۔ محفل قادی کی ڈائری زبردست ہیں۔ میرے کوبے میں بھی وہی افسانے سے میں نے وہ بہت بڑے سب لکھیں۔" (ماہِ جنوری)

ہے ایفہ عیندہ کلب، سلامتی ہے۔ "میری بیاری بیو! میں آپ سب؟ اللہ تعالیٰ آپ سب کو خدا خوش سلامت رکھے۔ آئین۔ بہنوں کی محفل سے میرا حاضری ہو رہی جا رہی ہے۔ باپ سے آپ سب کی تحیر سے فون پر پہنچتی ہوں۔ اپنی نذر اور سال بھائی جان سراج رسول صاحب، دیشان رسول بہت دعا میں کرتی ہوں۔ میری محترم بیوہ جگم جگم کی سبب ہو کہ میری بات میری جگم جگم بیوہ بیوہ بیوہ سے مجھے معاف کرو اور دعا کرنا کہ میں زندگی اور خوشیوں کی طرف لوٹ آؤں جلد آپ کے

ماہ اس محفل میں شامل رہوں۔" (گزشتہ ماہ جلد تک ہو جوا کی رانا شانی)

ہے اریہ شاہ، یہ کہے۔ "میں بہت زیادہ اور لکھنا نہیں جانتی مگر میری کوری ہوں پانچوں آپ پڑھ جائیں گی یا نہیں۔ مجھے پاکیزہ بہت اچھا لگتا ہے۔ یہاں پر ۵ یا ۶ پڑھنا کہتا ہے میں نہیں بدلاؤں کے لکھتی ہیں۔ مجھے اپنے ایک کتبے کا مکمل پڑھنا تھا۔ ایک کتبے میں میں نے پڑھا تھا کہ پڑھنے میں کرو ہو تو قرآن پاک کی سورہ کی آیت پڑھنے سے کچھ کام چاہتا ہوتا ہے۔ پانچ پانچ ضرورتاً پڑھنا چاہیے کہ میں نے کرو ہے۔ میں آپ کو بہت دعا کرتا ہوں کہ میں نے اپنے پاکیزہ کے سلسلے روحانی مشورے میں پڑھا تھا۔ اگر یہ شائع ہوا تو میں آپ سے رابطہ رکھوں گی۔ پانچ پانچ میں میرا ضرور شائع کرنا خدا کرے لکھتا ہے میں تو بھی باپ اللہ آپ کو کھت دعائی دے، آئین۔" (ذکر الشریک کی صدیوں کے دیر کی امیری وہ ظلِ عقدہ کی لسانی وہ عقیدہ قادی ہے۔ بہت اچھی دے۔ سورہ طہ ۲۸، ۲۶، ۲۵، میں آیت اپنے بچوں کو یاد دلاؤں اور بھی بہت کی دعا میں۔ جو آپ دیکھ کر کچھ نہیں دیکھ سکتے ہیں، میری روحانی مشورے اور اصولوں غرائے والی کتاب میں بھی دیکھ سکتے ہیں)

ہے حمید اشرف، گلگت ہے۔ "میں پہلی ماہ جب آپ کو کھت لکھے کی جرات کر رہی ہوں۔ بہت بھڑن اہم انصار صاحب، نرہ احمد اور میرہ احمد سب پاکیزہ محفل کی رونق میں آ رہے ہیں تو محفل اداس۔ جلد تک ہمیشہ کی طرح نشاط انگیزی روحانی مشورے میں اکثر لکھنا ہی ہوں۔ سیدے بھی اچھے لگے۔ میں آپ کو بھی کھت کا حصہ بننا چاہتی ہوں اس لیے ایک کہانی ارسال کر دی ہے۔ بے پیچہ افسانے اور نامور رانڈز کے ہوتے ہوئے میری یہ بھی جرات کہاں۔ ویدے امید ہو جاتا خوش ہے امید کا دھکا کا پکڑا دیکھتے ہیں۔ سب سے سب کو ہم کو ہم بھائی کی ضرورت خوشیاں آئیں۔" (اس محفل میں خوش آمدید ہے۔ ہر ماہ محفل میں شریک ہوں، مجھے دل خوشی ہوگی۔ اسی آپ کا افسانہ پڑھ چکے ہیں آپ کی ہوں۔ نرہ احمد اور میرہ احمد شکر ہے)

ہے سدرہ محرو، وہاڑی ہے۔ "آئی آپ کا نہیں۔ کچھ نیک دعا میرا پاکیزہ بہت ہی اچھا ہے اور مجھے تو پاکیزہ بہت ہی اچھا لگتا ہے اور شاعری میں پاکیزہ کو کمر قادی ہوں اور ادب آتی ہوں پاکیزہ کی طرف سب سے پہلے تو ضرور قادی دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئی۔ سلسلے داروں میں، زندگی اور ایک کی غیاں بہت ہی اچھے جبار ہے ہیں۔ ڈائری بھی اچھی لگتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قوت ہی قوت ہی ہے، بے پناہ افسانے نے زبردستی فرما دیا ہے، جہیں خوشگوار مبارک اور خاص کر بھائی اور سوگ قوت ہی اچھے اچھے اور ان آئی آپ کے جلد تک کو فاشا اٹھا لیا ہے۔ مجھے تو ہر ماہی سالے کا کشت سے انتظار ہوتا ہے کہ مجھ کو بھی کھیں رسالہ جلد تک میں مگر پینڈا آ کاچ کو کھت ہے۔ آپ کی دلی محفل میں تو آپ سے رشتہ جوڑی ہوئی ہوں اب دیکھیں آپ کی طرف سے کیا سانس ملتا ہے۔ امید تو چاہیں، پیچیدہ میں کچھ قصیدے سے کہ آپ نہیں بھی انہوں میں شامل کر لیں گی۔" (گزشتہ خوش آمدید آپ کی حوصلہ افزائی ضرور ہوئی اور آپ نے کیا کھدیا کی کمر پاکیزہ کی سب سے کمر کھلا کر دی ہوں اس بات سے بہت ہی پسند اچھا لگتا کر سکتی ہیں کہ کمر کا فرما دیا اور قادی میں کیا خوشیوں کی ضرورت ہے)

ہے شریک حیدر، قاضی ہے۔ "میں شریک حیدر، پانچ پانچ پڑھا ہے۔ بہت اچھی بات بالکل ہے۔ میرہ احمد بہت خوب صورت لکھی ہیں۔ میں اپنی تحریریں ضرور ارسال کرو۔ وہاں میں اقبال کا کوکھ داری ہوں کہ وہاں سے کھڑا آئی میں اس وقت قہر ختم لکھتی غالب ہیں۔ ہائی خوش رہو بیٹائی کی ہر بات دھن سے جھک کر دودھ پاک پڑھ کر لکھو۔ ہمیشہ خوش رہو گی، اللہ والہ۔"

ہے طلعت رانا، قاضی ہے۔ "نند ایشانی نے بہت بڑے مضمون کاموں کے لیے جن رکنے ہوئے ہیں میں جنجی انہی انہی اوپر چلا ہے کہ جوا باپ کی طرف جاتی ہے اور بہت دھرو لوگوں کو قیصہ ہو گئی ہے۔ آپ بھی ان لوگوں میں شامل ہیں۔ کابایاں، شاعری اور کبھی بہت سے رسالوں میں پڑھتی جانتی ہیں مگر پاکیزہ کی قبولیت کی وجہ آپ کی حدود جوا قوتوں، ساوکی، ہدیو کی، راجت، دھنی اور شفقت سے بھی نہیں آپ پر اچھا کر رہی ہیں۔ ہر ماہ کو خوشیاں اپنی پانچوں کی ہاتھ کے لیے مجھ سے۔ اپنی خوب صورت، وہ رشتوں میں باور لکھنے کا نوکر مگر ہر شکر ہے معاف، انکم، میرا بیٹی۔ شادی سے پہلے میں ان کی پاکیزہ میں شادی کے بعد اپنی ہی آؤت ہو کر رہی ہوں، لکھنے شادی میں کی کچھ میں پاؤں کھب کے ہیں کہ کچھ نہیں لکھنا لکھنا لکھنا۔"

بہرہ و حکیم و گور انوالہ سے "خدا دعا کریم سے" مجھے ایک آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ دعا کریں کہ میں اس پروری اتروں اور خدا دعا کریم مجھے ضرور حوصلہ دے، میں میری صحت مند دھونا میں حرم غلط بھائی دوڑتی، ہنسی کھیل اچانک اپنی ہانگوں کی طاقت کھینکی۔ پہلے تو لوگ بولے کہ اثرات مجھے گردانوں کی شخصیت کے بعد چلا کرے، GBS کا اثر ہے۔ جس نے ہڈوں پر ایک ہی ہے اور ہڈیے بالکل کمزور ہو چکے ہیں اور ہڈوں کی شخصیت میں اس کے اثرات نظر آ رہے۔ جس میں اسی جانب سے ہڈیوں کی باطنی جھجک ہو کر رہی ہے۔ لاہور میں دو پورے ڈاکٹر خاص علاج معالجہ کر رہے ہیں اور اب وہ فزکوتھراپی سے کہہ بہتر نظر آ رہے ہیں مگر چلتا پھر بھی شروع نہیں کیا۔ میں دن رات رونے لگا ہوں اس کے جسم کی بات کرتی ہوں اور خود کو سراسر کرنا دیتی ہوں۔ بہر حال اتنا ہو گیا ہے وہ گردانے کرنے لگی ہے اور ہمارے سے کمزور ہو جاتی ہے۔ آپ سے اور تمام بہنوں سے دعا کی کہ انہیں ہے۔ نہ جانے خدا کا ارادہ کس کی کن ہے۔ "مغرب کو اکل پریشان نہ ہو۔ ہمارے ہاں حرم غلط کی حق سے کہیں ضرور دیکھا کرے گی" (یہ میں ہوں میں فرخانہ زنگ، میڈیٹر سے ملنے کا بہنیں تھا کرے۔ یوٹی ویڈیو دیکھا، دوسری بھی، خود چل رہی تھی انکا ہی بدھا ہوا ہے۔ یقیناً بڑے لوگ ملے آپ کو مگر فرخانہ ایک ہی رہی ہے۔ پوری امید ہے مجھے میری صحت ضرور ملے گی۔ وہی انگریز ایک بچے پہلے افسانے کی صورت میں کر رہی ہوں۔ پھر میرے اعلیٰ سے اعلیٰ میڈیکل کے ڈاکٹر کی۔ لیج میں بہت بار دل نے اسکا کیا کرب شرت آئی چاہے مجھے آپ کے بچے کی شادی اور بیاری بیاری بھائی کی مصروفیت کی تحریروں سے کہیں زندگی میں پہنچی نہیں رہی گی اور سوچا اصل میں بھی کر ڈالا۔ کر دیش میں سے میری خوشی ہی تھی وہ بے گناہ ہے کبھی بھی کھینکی گی۔ چھت گناہ صاف میری اور میری شخصیت کا شہادت ہے۔ تجربہ کیم کے حالات میں اور دوا دینا سنا کر دیکھتا ہے کہ ہوش میں پڑے آگے۔ مجھے ہاتھ اچھا کھیرہ اور دوا کو یا کیزو کو کھانے سے دیکھ کر میرے پاس کیزو کی بہت بڑی کامیابی ہے اور کھیرہ کو توں خود براہ بناتا ہوں ان کے قول کی قطعہ کے متعلق کسی قطعہ رہی لیکن انشا، انشا، اب کیزو ہمیں ضرور دکھائی دے گی۔" (میرے سے بعد آتی ہو۔ خوشی ہوئی۔ ہاں، افسانہ جلد شائع ہوگا)

بہرہ سندس جنمیں، گور انوالہ سے۔ "کیزو ہمارے ہاں کافی عرصے سے آ رہا ہے۔ سو جب میں نے آپ کا دستخط سے اتنا پیار شدت دیکھا تو دل چل اٹھا کہ کیزو کے صفحات پر میرا دل بھی چلتے۔ یہ میرے لیے سے الازا ہو گئے۔ بارے میں مجھے نہیں چلے۔ میں انگریز کی ادب میں باخبر نہ رہی ہوں۔ چوٹا اسی میرے فائل انگریز ہیں۔ اب تک میری ایک کتاب اس بارے میں منظر عام پر آ چکی ہے اور دوسرے کتابیں چند دنوں تک آئیں والی ہیں۔ آئی میں کیزو کے لیے بہت سارا اور بہت اچھا سا لکھتا ہوں۔ آپ کی رہنمائی چاہیے۔" (بیاری سندس، خوش آمدید یا کیزو کو اپنا پناہ لے لیتا اور اپنے اچھے اچھے افسانے میں باقاعدگی سے لکھتا۔ مجھے خوشی ہوئی)

بہرہ فردوس کھر، حیدرآباد سے۔ "میں نے کیزو پر چند شاعریاں لکھ دی ہیں تو صرف کھیرہ احمدی کرے۔ اتنا پیارا اور اچھے لکھ کر میری کتاب میں بہت بہت مبارکباد۔ مسئلہ ہوا کہ کیزو کا دل بھی میری اور میں مبارکباد کے انجمن میں شائع ہو چکے ہیں تو افسوس کہ کھانے دہ کی کاں اس سے پہلے ہی میں پڑتی ہوئی۔ آپ کا دل کا کچھ بھی کسی بہت پیارا اور سادہ سا ہے۔ اس کے علاوہ ناٹال بھی دلچسپ کہ رہا ہے۔" (اس مختل میں خوش آمدید۔ آپ کی رائے چھپائی جا رہی ہے)

بہرہ فرخ، فرخسیر، ملتان، پاکستان سے۔ "سب سے پہلے مجھے کھانا پڑھ کر بہت اچھا لگا پھر بہنوں کی مختل میں بہنوں سے طاقت کر فخر میں ہو گئے۔ مگر کھانا کھانام کی کا جانے دو کہ کر دل بھرا آیا۔ اس واقعہ کو زیادہ برا بھلا افسانے بہت دیکھ کر گئے۔ جیسے خوشیاں مبارک ہوں، سوگ، شہر و فانا، فرخزادہ و خاص کربت کا پھیلاؤ اور کافچی لڑائی قطعہ بہت دل درد سے بھر گیا۔ خیر تو اچھا ہوا جو بھان کی جان بھولی بیٹھیں لڑی ہے۔ احساس اچھا افسانہ تھا۔ آئی تمام ڈیفنر جو تحائف کے نام پر شرت لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی خوشی دے۔ جو تمام میرے اچھے لکھ کر کسی کا جڑ جو ہیں زیادہ دیکھی نہیں سن سکتیں۔ وہ بشری جیسا سوچ میں کسی کو نہیں لگتی بھلائی ہو۔ مسئلے اور تاؤز پر دست چار ہے ہیں۔ یا کیزو وادی میرا انشا، دھونا میں شور ہے۔ ہو یہ لکھتا اور خوشی وادے بے دردمست رہے۔" (خاتون۔ ہاں غزل میں ہی می

لیے بالوں والیاں اپنی چوٹیاں کاٹ بیٹھیں گی۔ تب بہت ساری خواتین سکون کی سانس لیں گی۔

سرفیدہ ابدالی رگراچھی ہے۔ ”سب سے پہلے ادارے میں آپ کی پڑ بھارتیں پڑھیں واقعی زندگی زندہ دلی کا نام ہے۔ دین کی باتیں پڑھ کر دینی علم میں اضافہ ہوا۔ سلسلے وار ناول سب ہی اچھے ہیں لیکن زندگی سب پر بازی لے گیا۔ راحت وفا کے ناول کی آخری قسط پسند آئی۔ ناولٹ میں کاچھی لڑکی پڑھ کر دل دھک دھک کرنے لگا، یہ قسط بہت ہی خوفناک تھی اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہے گا۔ سیکونڈ فرخ کا ناولٹ دوام زندگی پڑھ کر مزہ آگیا ان کی فصیح آموذ تحریر بہت خوب صورت تھی۔ سیما یمنین پنجابی کی وجہ میں زندگی کی عجیب حقیقتوں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ بچوں کے سوا اگر بہت زبردست تحریر تھی۔ اس ماہ کی یہ سب سے بہترین تحریر ہے۔ سراپا زندگی میں زندگی کے سراپے آگاہ ہوئے۔ زاہدہ پروین کا تھقہ ہمارے لیے ایک حسین تھقہ ہے۔ بشری گوندل نے اپنے افسانے بے وطن مسافر میں افغانی مہاجروں کا درست نقشہ کھینچا ہے، اسے پڑھ کر آنکھیں نم ہو گئیں۔ کرن احمد نے بھی اچھا لکھا۔ حاکم خان کے افسانے ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں تاخیر کی وجہ سے اچھی لڑکی باہر کی قسمت سے نکل گئی۔ کفارہ میں شہلا حیات نے اپنی فطرتی کا کفارہ ادا کر دیا۔ بہت ہی اچھی اور سچی آموذ تحریر تھی۔ بھرم میں زہرتہ جیسے نیا نے نور جہاں کا بھرم خوب رکھا۔ زبردست تحریر تھی۔ بہنوں کی مٹھل بہت شاندار تھی۔ جس میں بہنیں اپنے دکھ سکھ بیان کر رہی تھیں۔ جلتنگ پڑھ کر بے حد محظوظ ہوئے، خوش ڈانٹے میں مزے مزے کی ڈنڈھیں آپلی میں نے گوشت کے حلوے کی ترکیب ارسال کی تھی مگر وہ اب تک شائع نہیں ہوئی کیا آپ کو پسند نہیں آئی ویسے یہ حلوہ بہت لذیذ بنتا ہے۔“ (گڑیا گوشت کے حلوے کی ترکیب شائع کر دیتی تو شاید کچھ لوگ حلوہ بنانا تو کیا کھانا بھی چھوڑ دیتے۔ آج مجھے کر لے کی برنی کی ترکیب بھی موصول ہوئی۔ ابھی تو ہماری بہت سی بہنوں کو سوچی کا حلوہ بھیج طرح سے بنانا نہیں آتا ایسا کچا سامنا تھی جن کو سوچی بھونتی تک نہیں ہیں۔ سوچی کا کھریوں کا جوا حلوہ بنانے کی ترکیب آپ بھیج دیں کہ یہ مجھ سے بھی ہر دفعہ بھیج نہیں بننا۔ بعض دفعہ زبردستی رکھ کر بتایا کرتی ہوں)

سیدہ ہما شاہ، ہارون آباد سے۔ ”پاکیزہ کی سالگرہ بہت مبارک ہو۔ اس ماہنامے نے خواتین کی جس طرح نمائندگی کی ہے یہ بات قابلِ داد ہے مجھوں سے کئی ماہ اوپر ہر نقض کس الفت ہے۔ آپلی جی میرا پہلا شعری مجموعہ مارچ میں آ رہا ہے آپ کی قیمتی رائے کے لیے آپ کو شکریہ کی“ (بہت بہت مبارک ہو)

سیما ممتاز عباسی، لاہور کاڈنہ سے۔ ”پاکیزہ، پاکیزہ، پاکیزہ بہنوں کے لیے ایک مکمل تقریبی کتاب ہے جس میں تمام بہنوں کی پسند کا تمام مواد شامل ہوتا ہے لیکن پھر میری صبری شکایت ان پر واجب رہتی ہے کہ میں ہر ماہ پابندی سے متفرق صفحوں کے لیے کوئی نہ کوئی فریشی تحریریں بھیجتی ہوں مگر آپ اتنی پابندی سے شامل نہیں کرتیں۔ عمیرہ احمد محسن میں پھر سے محبت کو کشید کر رہی ہیں اور ان کی ہر تحریر میں محبت کا ایک نیازا وہ ہوتا ہے محبت پھر محبت بھی دل سے نہیں جاتی محبت کے ہزاروں رنگ ہیں اس کے جب سے ڈھنگ ہیں محبت کبھی صحرانہ کبھی دریا، کبھی جٹنہ کبھی آنسو اور محبت کبھی دعا بنتی ہے یہی عمیرہ احمد کا اپنی لاڈ والی تحریروں میں پیغام ہوتا ہے۔ سلسلے وار ناول اپنی روایت کے مطابق سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔ خاص کر۔ ناہید سلطانہ آخر کا زندگی تنگ راتوں میں پڑھنے میں مزہ دیتا ہے۔ ایک نئی دنیا سا ٹیکو اسٹوری نہیں تھی بلکہ نئی جگہ کی روایتی انداز میں لکھی تھی۔ ششوں کا سہا کوئی نہیں بھی قابل ذکر ہے۔ ناولٹ میں کاچھی لڑکی ناولٹ کے فارمیٹ پر لکھی گئی ہے۔ افسانے مجھے بہت پسند آئے جو کم صفحوں پر اپنا خوشامرواوی ایڈز دے جاتے ہیں۔ ان افسانوں میں کفارہ، سراپا زندگی، بوجہ اور بے وطن مسافر بہت پسند آئے۔ ادارے کے ساتھ ساتھ مستقل صفحات پڑھنے کے قابل ہیں جن میں زندگی ہوتی ہے۔“ (پسندیدگی کا شکر ہے۔ بعض اچھے مراسلات بھی تاخیر سے ملنے کے سبب شائع ہو جانے سے رہ جاتے ہیں۔ بہار نمبر کے لیے ہمیں بہترین تحریریں بہار نمبر شائع ہونے کے بعد ملیں۔ ڈاک کا نظام خاصا خراب ہے اور اس نظام کی وجہ سے بہنوں کے دل میں ہمارے لیے بدگمانیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں)

غیر اہلِ نظم یا ناولی، حیدر آباد سے۔ ”میں آپ کی ایک خاموش قاری ہوں لیکن قلم اٹھانے کی جرأت پہلی دفعہ کر رہی ہوں۔ لکھنے لکھنے کا شوق بھی تھا اور لکھنا بھی لیکن اس بات کو بھی بہت عرصہ گزر گیا۔ کچھ مجبوریوں اور مصروفیتوں کی بدولت یہ سلسلہ منقطع رہا۔ اب پھر قلم اٹھایا ہے۔ رہی بات پاکیزہ کی تو یقیناً کریں پاکیزہ اپنے نام کی طرح پاکیزہ ہی ہے کہ

اس کا جو معیار پہلے سے چلا آ رہا ہے آپ نے اس میں اضافہ تو کیا ہے لیکن کہیں سے کسی جگہ کمی کچھ اور تھوڑی سا جو صاف کھرا دپ نہیں لیاں پڑے تو دل رہا ہے اس کے لیے آپ کی سکن ہیں اور خدا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھیروں دعا میں اور یاد کر اللہ ان کے چین ساقی کو کھٹ کا مل عطا فرمائے اور بیٹے کی خوشیاں دکھائے، آمین۔“ (شہر یہ)

یہ فقیر آصف خان، ملتان سے۔ ”مارچ کا یکڑہ اچھا لگا۔ زندگی کے دکھوں پر مسکرا کر مقابلہ کر رہی زندگی دہلی سے۔ آپ کی نچڑاں بائیں گھوڑی لیے ہوئے تھیں۔ پھر گلی کی دھڑکیوں میں اچھے گئے۔ شہر دل کا کروا بھر پور محسوس لیے ہوئے ہے۔ چڑیا اور تان کی جھونکڑا قلعہ سا تھیں۔ یو جھنے آتھیں قبول دلائیں۔ کاش کوئی کچھ جائے۔ زندگی میں شہم کے عمل سے دکھ اور صدمہ ہوا احباب کا لگتا ہے آزمائشوں سے واسطہ پڑے گا۔ بچوں کے سوداگر سبق آموز تحریر لگی۔ تقدیر داری کا درس دے لگی کا کچھ لڑکی و بچہ سے بھر پور کردار لگا کی کامرانی تھی ہے۔ آپ کا جتنا انداز اور بعض جتنے جتنور کو دیتے ہیں۔ بشری زندگی کی ہے وہن مسافر جیسا دامن دل میں بس کے صدفان دیں۔ ایک مٹی ٹیٹاں تحریف و تنقید برداشت کرتی اختتام پڑ کر ہوئی۔ محبت وطن سے ہو تو مارا مان ہو تم کیا ٹیٹاں نکلتی پاتی ہیں۔ یکیندہ فرخ کی دوام زندگی اپنی ہمت و برداشت سے بڑھ کر رہا ہے خود کو سمیٹا۔ شادی تو ہے ہی برداشت و محبت کا نام۔ ایک دوسرے کی عادات کو برداشت کرنا چاہتے ہوئے بھی۔ یکیندہ فرخ کے سمجھانے کا انداز و گفتار ہوا آج کل کی نازک اعمام ٹیڑھوں کے لیے کسی اہم سببی سے کم نہیں جو راز و رمای بات پر منہ بھلائی ہیں۔ عائشہ خان نے افسردہ کر دیا۔ کٹارہ بندہ ہی نے خوب کٹارہ دیکھی کوئی کوئی محسوس کرتا ہے۔ سیدھا رستہ دکھا کر فریال سرور ہو گئی۔ محرم زبہ نہیں بنے زبردست لکھا۔ پچھلی ہوا انیم اچڑنے سے بچا گئی۔ بہت مبارک ہو آپ کا اور دیکھا اہم کار ہوا جگہ گیا۔ بہنوں کی محفل میں مختصر مدھی خورشید کی آمد بہت بھلی لگی جلیز اب نافہ نہ کیجئے گا رندہ جرماندہ گویں گے ہم۔ اللہ پاک آپ کو بہت سارا سونامی دے، آمین۔ سبھی بہنوں نے اچھے تبصرے کیے۔“ (شہر یہ)

یہ جلیں ہاشمی، بمبیرہ سے۔ ”رسالے میں روز افزوں ترقی اور خداوند رسول اور انتم انصاری دہے ہے۔ اس میں ہر فرد کی طبیعت، حرا ج اور دلچسپی برقی ناول، افسانے اور تحریر ہوتی ہے۔ میں نے اس ڈائجسٹ کے ذریعے بہت کچھ سیکھا ہے کہے ہیں ان پر کوئی کسی نرکی سے بھگتہ بھگتہ سیکھتا ہے اور یہ بالکل سچ ہے میں نے آپ کی انٹرنیٹ سے بہت اسی کی سبکیا ہیں جس میں نہیں جانتی تھی۔ خاص کر جلیز تک اداس دل کو خوش اور سودا میں بدل دیتا ہے۔ ویل ڈن ایک فرمائش ہے میری دل سے جتنی سبکیاں اس محفل میں شامل ہوتی ہیں تبصرے کے ساتھ ان کی تصویر بھی لگی چاہے اور میں پہلے ابتدا کر رہی ہوں۔ چلو آزاد تکی عمل تو کچھ نہ کہتے ہیں ناں۔ یہ کیا بات ہوئی کہ محفل میں جتنے ہیں اور تحریر کی ندا تھیں۔ ایک اور بات ہے کہ صرف جو راز و گفتار اسی پر تبصرہ نہ کریں بلکہ اس محفل میں ہر دوست جو خیالات کا اظہار کرتی ہیں ان کے پوائنٹ کوٹ کر کے ان پر بھی تنقید یا تبصرہ کریں، کیا خیال ہے؟“ (مہر تو افسانوں کی جگہ نہیں رہے)

یہ حمیرا ہاشمی، بھکر سے۔ ”آپ نے ہمیں کا یکڑہ ڈانری اور اپنے دل میں جگہ دی۔ ماہر و جلیز ہاشمی کو پورے پاکستان سے حصار کر دیا۔ ہمارے دل میں آپ کی عزت اور ہماری رگوں میں اتنی عزت افزائی سے ملنے دو دکھو خون ہو کر گیا۔ آپ کی اس حوصلہ افزائی پر بہت زیادہ محبت کے ساتھ خواتین کی محفل میں شامل ہو رہی ہوں۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔“ (بالکل نہیں) ”انجمن آئی کا یکڑہ کی جتنی تحریف کریں کم ہیں کیونکہ اس جیسا کوئی ڈائجسٹ نہیں ہے ایک ایسا چراغ ہے جو ہر طرف اپنی روشنی پھیلا رہا ہے اور بچوں کا ایک ایسا گلدستہ ہے جس کی خوشبودنیا کے پر کوئے تک جھل جھل ہے۔ اے رب عطا فرما دے گا یکڑہ سے دلایتہ رہنے کے کلمات دکھنا، آمین۔“ (آپ کی دعاؤں کے لیے احسان مند ہوں)

بہنوں کی محفل کا گناہ تو ہوا اس لیے اب اجازت اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کی سلامتی کے ساتھ ہمیشہ خوش و خرم، بہت مند، کامیاب و کامران رکھے اور دھنوں اور حاسدوں کے شر سے محفوظ رکھے، آمین تم آمین۔

دعا گ
آپ کی بانی
انجم انصار



انجم انصار، روز قاف، جامعہ ہند، رسول، شائستہ لالہ



شادی پر شہزادے کی

عقلمند آفاق سعید

چھوٹا قاتو کوئی اسے انگریز کہتا تو کوئی پھان۔

سرخ و سفید رنگت، گہری براؤں آنکھوں والا عمیر
عادتوں کا بھی بہت پیارا ہے۔ جو بھی اس سے مل لے
اس کا کردیدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لکچر کا دھیمہ اپن
عاجزی، تمیز اور خوش طبعی اس کی شخصیت کا خاصہ۔

پیادہ پہنڈا آج میں آپ کو ابی تقریب کا سال
سنائے جا رہی ہوں جو میرے شہزادے، جسے بھائی عمیر
کے ویسے کی تقریب تھی۔ میرا سب سے چھوٹا بھائی
میرے لیے کی شہزادہ سے گے نہیں ہے۔ جب وہ

سازگار ہونے کے لیے ایک بہن ہونے کے لیے تو مجھے
اس پر فخر ہے اور یہ میری تربیت ہزاری
امی اور آپ کی باہمی اہم اصرار کی مرہون منت ہے۔
یہ ان کی تربیت کا ہی اثر ہے کہ آج ہم چاروں بہن
بھائی زندگی میں نہ صرف کامیاب ہیں بلکہ مخلص
مطمئن بھی ہیں (ماشاء اللہ)

جیسا کہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ میری شادی
آسٹریلیا میں ہوئی تھی جس کی روداد ہزاری سعدیہ باہی
نے اپنے گھر میں لگائی تھی۔ شادی میں چونکہ ہم کمر والے
شریک نہیں ہو پائے تھے اس لیے سب کے دلوں میں
ایک شکلی تھی کہ اپنے لاڈلے بھائی کی شادی کے
ارمان ہم نکال نہیں سکتے تھے مگر ان کا شر اور احسان
کہ وہ وقت بھی آگیا۔ میرے لیے میری شادی کے فوراً
بعد پاکستان آنے کے لیے اپنی اور شہینہ کی بیٹ بیک
کردی تھی میں نے اور امی نے دیکھے کی تیاریاں شروع
کر دیں۔ بڑے پیار کر دیئے۔ سب کے ایک دن پہلے
ڈھونگی ہوئی اور دوسرے دن ویسٹ کینکڈ ہمارے ابو
مہندی یوں کی تقریبات کے تحت خلاف ہیں کیونکہ
یہ سب خرافات ہیں تو ہم نے ڈھونگی ہی نہایت جانی۔
جن کے بیٹے بیرون ملک سے گھر آتے ہیں ان
گھروں میں یقیناً جشن کا سماں ہوتا ہوگا۔ ایسا ہی
ہمارے گھر میں ہو رہا تھا۔ گھر میں رنگ و روغن
کراکری، چادریں، پردے تھی کہ میرا اور شہینہ کے
آنے کی خوشی میں امی نے پورے گھر کا فخریہ کھینچ
کر دیا تھا۔ میرا اپنی بیٹی شہینہ، ساس (مشرایند
مشرج) کے ساتھ دس فروری کو کراچی پہنچا تو
ہمارے گھر میں حید کا سال تھا۔ میرے بڑا بھائی ضیا
الرب جو چھ ماہ قبل سنڈلی گیا تھا اس کو بھی بطور خاص
یادو کیا گیا تھا۔ وہ میرے آنے سے چار دن پہلے آگیا
تھا اور انتہائی سرگرمیوں کا مرکز رہا تھا۔ انر پورٹ پر
میرے دوستوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی، شہینہ

میر، ہمارا باہمی، شہینہ بھائی کو سب نے اسے ہوسے
دیکھے جو ان سے سنبھالے نہیں جا رہے تھے اور جب
گھر آئے تو امی نے پھولوں کی پتیوں سے روش بونائی
تھی جس پر وہ دن بھر گھومتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی۔
اس کا کمر پھولوں سے سجایا ہوا تھا۔ اپنے اس استقبال
پر سب میں بہت خوش نظر آ رہے تھے۔

14 فروری کو ڈھونگی کی تقریب ڈرتے ڈرتے
گھر کی چھت پر اندر کی گلی تھی کہ کہیں الوداعی
نہ ہو جائیں۔ میرا اور شہینہ بار بار پوچھ رہے تھے کہ کوئی
کام ہو تو ہمیں بتائیں۔

میں نے کہا "میرا کوئی کام بھی نہیں ہے۔ سارا
کام ایونٹ آرگنائزر کر رہی ہوں۔"

اس پر میری بولا "آئی ہم نے اپنی شادی میں
سارے کام خود کیے تھے کہ ہوسے کے جس ہال
میں شادی ہوئی تھی وہ دھیر کو جا کر میں اور شہینہ اس کو
ڈیکوریت کر کے آئے تھے۔ خوب صورت لاشن کی
جھالیں تک ہم نے خود لگائی تھیں۔"

اس پر میں نے فخر سے کہہ "دیکھا ہمارا
پاکستان کتنا اچھا ہے۔ جو چاہے وہ حاضر ہو جاتا
ہے۔" تب میرے ساتھ ساتھ شہینہ نے بھی تائید کی۔
رات کو بچے کے بعد سے مہمان آنے شروع
ہو گئے جو... صرف میرے دوست تھے۔ محلے کی
بچیاں یا گھر میں ٹھہرے ہوئے مہمان۔ محلے سے کوئی
الفاظ نہیں تھا اس کے باوجود 75 کے قریب مہمان
موجود تھے۔ دیکھ ماموں اور بھیل ماموں اسلام آباد
سے آئے تھے۔ وہ دن شہینہ کی غیر ملکی "پچی" کیڈا
آئی تھی۔ آئی شہینہ، ان کی بیٹی نازیہ حسین
کیڈا سے آئی تھیں۔ میری بیوی دوست شازبہ
بھال جو اب کی بیٹی بھی بنی ہوئی ہے اپنی پوری محنتی کے
ساتھ موجود تھی۔ پوری چھت پہلے اور گرین شامیہ
سے ڈھونگی ہوئی تھی۔ آج پر خوب صورت لکڑی کا ہوا

تھا جو گیتنے اور گلاب سے سجایا گیا تھا۔ وہ دن
گرین شرارہ اور چلی شرٹ اور تائی اینڈ ڈائی کا ہزار
چٹا پھلون کے گونے کے کام والا دوپٹا اوڑھا تھا۔
آج وہ دن کا پورا زور پھولوں کا تھا۔ میری بھی گرین
کرتے، سفید شلوار میں بہت چچ رہا تھا۔ پہلے میں
اور بیٹی بھائی ڈانکر آرزو شہینہ ڈھونگی بجا کر خوب
گاتے گاتے رہے۔ بھائی کی آواز بہت اچھی ہے مگر
ان کے ساتھ ہزاری آواز میں بھی بہت اچھی طرح سس
اپ ہو گئی تھیں۔ دلہا، دلہن دونوں کو ایک ساتھ لایا گیا۔
کرنا، دہرائیں، کسوٹی، اجیہ اور دیگر بچیاں انھوں میں
مہندی کے قتال اور شہینہ جلا کر ان کے آگے آگے
تھیں۔ آج ہم سب نے شرارے پہنے تھے اور
ماشاء اللہ بہت خوب صورت لگ رہے تھے (آہم)
ہمارے بیٹے ایمان نے ماموں کی شادی کی خوشی میں
بڑا اچھا ڈانس کیا اس کا ساتھ ہزاری شہینہ کی بیٹی
کسوٹی نے بھی دیا۔ آج وہ سرخ رنگ کے شرارے،
کرتی کے ساتھ بڑا اندہ ڈال کر چوٹی میں بھی تھیں اور
برآمدہ ہاتھ میں بیکر خوب چھما بھی رہی تھیں۔ کسوٹی
کے ساتھ میری بیوی کی بیٹیجیاں کرنا اور راہیں بھی
برابری شریک تھیں اور بار بار شہینہ چچی پر پھولوں کی
چٹیاں پھینک رہی تھیں۔ کسوٹی کی ہانپے کے ڈانس کو
بھی سب نے پسند کیا۔ میرے ڈھیر سارے دوست
ڈھونگی اس تقریب میں نمایاں تھے۔ بچوں کے
ڈانس کے بعد جب ان کی باہری آواز تو انھوں نے
اپنے بھگتے ڈالے کہ سب کا ہنسنے برا حال ہو گیا
آخر میں انھوں نے میری بھائی کو بھی اٹھایا اور جب
میرے ڈانس شروع کیا تو ہمارے میاں بی بی شازبہ
بھی اس میں شامل ہو گئے اور بڑے بھائی عظیم کے
ساتھ بھی شامل ہو گئے۔ یہ خبر دوسری بات ہے کہ
ہمارے ابو کی کام کا بھانڈا کے ٹوٹی دیو کے لیے
دوسرے فلور پر چلے گئے۔ میرا اور شہینہ کو کچھ لے کر

بھانڈا کرب سے صدمہ اور ہمیں کی گئیں۔ اس
میں ہماری پیچیدہ تبت آئی، یعنی باہمی، ٹیفر، باہمی،
بھائی، شازبہ، شعی آئی، نازیہ، بیبا، ہزاری، آرزو
بھائی، امی اور دیگر مہمانوں نے حصہ لیا۔ رات گہری
ہو گئی اور بھوک چبک رہی تھی۔ بیروں نے کھانا
لگ جانے کی اطلاع دی اور سب نے کمر کرنا
کہا۔ براٹھا، پوری، آٹا کی ترکاری، میٹھ، برما سوت،
ملائی تھک، غیر خوب مزے لے کر کھانا اور یوں یہ
ایک چھوٹی سی تقریب خیر و عافیت اور اللہ کے کرم کے
ساتھ اہتمام کو پہنچی۔ اس تقریب میں وہ دن کی کھلی
"چچی" سازی بہن کر شریک ہوئی۔ آج کی یہ ساڑی
ہزاری امی نے اسے گفٹ کی تھی۔ سارا وقت وہ اپنے
کیمرے سے تصویریں بناتی رہی۔ نئے لوگ، نیا چہر
اسے بہت بھرا تھا۔

دوسرے دن ویسے کی تقریب تھی۔ صبح سے ہی
تیاریاں شروع رہیں۔ میں تقریب سے دن میں پہلے
ہی امی کے گھر آئی تھی۔ صبح میں نے ساڑی نکالی
تو معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ کا پھنی کوٹ گھر پر ہی رہ
گیا ہے اور گھر پر کہاں سنبھال کر رکھا ہے۔ وہ دماغ
میں نہیں آ رہا تھا۔ جلدی سے فون کر کے اپنے میاں
بی بی شعی آفاق کو پہنچی کوٹ کی گمشدگی کی اطلاع دی تھی
اور ان سے کہا کہ ڈھونڈ کر لائے پڑا پ کو انعام الگ
دیاجانے گا اور انعام میں سفیرا میں رکھا جائے گا۔
خیر جناب گھبراہٹ اور شیش میں ایک کے بعد ایک
پیرچہ پیرچہ جاری تھی۔ تین بجے وہ دن ہمارا باہمی اور دلہن
کی پہلی بلی پار میں تو اب کوئی بڑی دوستی ساتھ لے
گئیں۔ ہزاری امی کو اب اسنک لگنے کا شوق ہے اور
وہ اس کو لگا کر کھتی ہیں کہ پورا میک اپ کر لیا ہے مگر
ہمارا باہمی نے کہا دو لکھ کی اماں مہمان خصوصی ہوا کرتی
ہے اس لیے آپ کو ہمارے ساتھ ضرور جانا ہے۔
وہ دن کا میک اپ امی کی دوست اور روز بیوی پارلری

روح رواں فرحت احسان کی خصوصی فوجی وجہ سے ان کی بہترین میک اپ آرٹسٹ بنے کیا تھا۔ جو کہن کو دیکھ رہا تھا اس کے میک اپ کی تعریف کرتا تھا (فرحت آئی بے حد شکر ہے) گھر کے تمام رسومات میں تھے آج میرے دووں بیٹے ایمان اور علی نے بھی سوٹ پہنے تھے۔ بڑی بیٹی اجیہ نے فیروز شرت اور ثار کو پہنا تھا جبکہ چھٹی شہزادی کو سٹی آف فریوزی لنگے میں تھی۔ امی، مدرت بھائی، عذرا، پیچو، بیج، آئی، میں، نہار باجی اور جی سب ساڑیوں میں تھے۔ جی کی آج کی بے حد کاہد سراڑی نہار باجی آٹھریلی... سے لے کر آئی تھیں۔ ”دکن ٹمپنلے بہت پیارا فیروز کی، تو اگر ان کو ملکر کے اس کا فرشتی شراہہ پہنا تھا جو کہ خاص طور پر ذراؤں کر دیا گیا تھا۔ ٹمپنلے چونکہ نازک سی ہے تو کوئی اسے پارٹی ڈول کبہ رہا تھا تو کوئی گڑیا۔ غیر بھائی بھی سیاہ سوٹ میں مردانہ وجاہت کا نمونہ دکھائی دے رہے تھے۔ ہمارے میاں آفاق ساری تقریب میں چٹن چٹن تھے کیونکہ امی کے اکلوتے داماد ہیں اس لیے بھی امی اور والد کے ہر دل عزیز ہیں اور آفاق بھی اپنی طرف سے کوشش کرتے ہیں کہ سب ان سے خوش رہیں۔ ابھی سب تصویروں کے سیشن میں ہی مصروف تھے۔ امی، ابو اور دونوں ماموں میرن گاؤں چلے گئے جو علاقے کا سب سے خوب صورت گاؤں تھا۔ امی کو معلوم تھا کہ میر اور شمین پولیس بیٹے کے ساتھ جائیں گے مگر انہیں اپنے مہمانوں کا خیال تھا اور وہ ان سے پہلے ہال میں موجود تھیں اور یہاں انہوں نے خود سے سیو کیا تھا۔ بیٹا باجے برات کی رونق بڑھاتے ہیں تو میرن تو اپنے بھائی کی برات کے لیے کرتے ہیں جنہیں تو آج دیکھنے کی تقریب میں پولیس بیٹے کو بلوایا گیا تھا جو دروازے پر کھڑا ایسی دھنیں کبیر رہا تھا جس سے

ہماری خوشی کی تائیں بھی بلند ہو رہی تھیں۔ ٹمپنلے چونکہ آٹھریلی میں ہی پیدا ہوئی ہے اور سٹی مرتبہ پاکستان آئی ہے اس کے لیے سب نیا، دلچسپ اور بے حد مزہمست تھا۔ آفاق، عظیم بھائی اور فیانے سب مہمانوں کو جلدی جلدی گاڑیوں میں بٹھایا۔ آگے آگے بیٹا باجے والوں کی گاڑی اور پیچھے پیچھے ہم روانہ ہوئے۔ میں ودھلا، وہن کی گاڑی میں سی۔ ایک بہن کے لیے اس سے براؤن ہوتا ہی نہیں ہے جب وہ بھائی کی برات لے کر جاتی ہے۔ آج ہمیں اس کے سارے ارمان کھلے تھے۔ شاوی ہال سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ساری گاڑیاں کھلیں۔ ابھی گئیں۔ سب ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے اور یہ بات غیر اور ٹھیک کوئی نہیں بتاتی تھی امی اور سارے راز کو پھولوں سے سجی چار کوٹھے والی بھی میں سوار کرایا گیا۔ بڑی بھائی مدرت، میں، وہن کی امی نہار باجی، بسوٹی، رائین اور کزن اس میں سوار ہو گئے۔ ہمارے آگے اب بیٹا دھنیں کبیر رہا تھا۔ کبھی خراماں خراماں چل رہی تھی۔ باقی گاڑیاں اس کے پیچھے تھیں۔ اس سڑک پر میرن ہائر قطار سے بنے ہوئے ہیں۔

اس شان سے ہماری سواری جاری تھی کہ شمین نے مجھ سے کہا۔ ”بھئی باجی، میں تو اپنے آپ کو پرس محسوس کر رہی ہوں۔“ ہم نے اس میں سوچا۔ ”تم کیا ہم خود اپنے آپ کو مہارانی سمجھ رہے ہیں۔“ اب تمام راہ گیر، رکشا، ٹیکسی والے، ہائیگ والے جو جاتے آتے کی جانب رہے تھے گرسب کے چہرے ہماری جانب تھے۔ چھوٹی بچیاں سب دیکھنے والوں کو ہاتھ بلارہی تھیں۔ کچھ لوگ یہ کیجے کہ شاید یہ

کسی ڈرامے کی شوٹنگ ہو رہی ہے۔ کسی ہال میں آتش بازی ہو رہی ہے مگر دیکھنے والے تو کیا ہم لوگ بھی کبھی سمجھ رہے تھے آتش بازی بھی ہماری جانب سے ہی ہو رہی ہے۔ امی شبنم کبیر کے فرحی دوست عدیل کو لہجہ بھی اسی قطار کے ایک ہال میں تھا۔ اس نے جب بھی میر کو جانا دیکھا تو وہ اپنے مہمانوں کے استقبال کو چھوڑ کر ہاتھ بلاتا ہوا پیر اچھپکا۔ نہار باجی اپنی ٹھنڈی جینس کو کھینچ کر بے حد خوش ہو رہی تھیں۔ مدرت بھائی اور میں بھی خوب الجوائے کر رہے تھے۔ ہال کے دروازے پر امی، ابو، بیہ، ہندیم، ماموں، سکیل ماموں، شازبہ سب انتظار میں کھڑے تھے۔ پورا ہال مہمانوں سے مچاچھ بھر ہوا تھا۔ آٹھ سو مہمان مدعو کیے تھے اور ہزار کے قریب مہمان موجود تھے۔ فوٹو گرافز اور موسیقی میر بھی کے مزید شاش لپٹا جا رہے تھے۔

امی نے کہا ”بہت دیر ہو چکی ہے میر بیٹا اب کو کر اتر آؤ سب لوگ انتظار کر رہے ہیں۔“ میر جب ہم سب اندر آئے تو لوگوں کا غم خیز چہرہ جو بڑی محبت سے شرکت کرنے آیا تھا اور ودھلا، وہن کو دعا میں اور نیک خواہشات کا پیغام ساتھ لایا تھا۔ اس تقریب کی سب سے خاص بات یہ تھی کہ آٹھ سالانہ آپ کے بے شمار ستارے اس میں جھلک جھلک رہے تھے۔

اس تقریب کی خاص بات یہ تھی کہ آئی فوٹو ڈراما اسٹار شازبہ میرن کی بہت پیاری لگ رہی تھیں اور بڑی محبت سے شریک جا رہے تھیں۔ شازبہ ان کا سوپ ناں اور نگہاؤن ان شریک جا رہے تھیں عبد اللہ کی کمرش چمک آئی کوئی تھر کو دینی بہا اور بیٹے کے ساتھ تقریب میں شریک ہوئیں۔ آف وائن سوٹ میں بے حد سوہرگ رہی تھیں۔ اختر شجاعت امی کی بے حد پرانی پہلی پہلی۔ ایسی کھلی جواہی بٹیا ہوں تو اچھاں میں موجودہ امی کی سالگرہ کا دن انہیں یاد، شادی کی سالگرہ کا دن انہیں یاد رہا۔ اب وہ افسانے لکھنے کے بجائے دینی مضامین لکھتی ہیں۔ سیاہ برقع میں بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ بیج زیدی حروف صحافی اور لکھاری ہیں ان کے آنے پر امی کو دلی مسرت ہو رہی تھی۔ نزہت اصغر تو میری نورث ہیں ان کو کچھ

کچھ دے رہی تھیں۔ شاعر، افسانہ نگار خالدہ کیم اپنی بھانجی کے ساتھ آئی تھیں اور عذرا آئی سے کل بہت خوش ہوئی تھیں۔ عقیدتی سے عداوت کی گلیں عذرا آئی سے امی سے کہا۔ ”اہم، عقیدتی تو خاصی موٹی تھیں تو بہت سلم ہو گئیں۔“ تب امی نے مکر کر کہا۔ ”آپ نے انہیں پرکھنے میں دیکھا ہوگا۔“

سیما مناف کا کچھ عرصے پہلے ہی وی کا سوپ ”ٹوٹے ہوئے“ فتم ہوا ہے۔ ان کو دیکھنے کے لیے لڑکیاں بڑی بے چین تھیں۔ خاص طور پر ہماری بیٹی اجیر کا اس کے نام پر ہی انہوں نے اپنی بیرون کا نام اجیر رکھا تھا۔ رفت سہراں بھی تقریب میں بے حد ان تھیں۔ مہمان خاتمن ان کے پاس جا کر ہاتھ ملا رہی تھیں۔

عذرا آئی کے پاس جا کر کوئی لڑکی یہ کہتی کہ میں آپ کی فین ہوں تو وہ مسکرا کر کہیں۔ ”کون سی فین ہو، ملت فین یا پاک فین؟“ اور وی بھی عذرا آئی کے چلتے چلے مڑا کر کہتے ہیں۔

ڈراما اسٹار شازبہ میرن کی بہت پیاری لگ رہی تھیں اور بڑی محبت سے شریک جا رہے تھیں۔ شازبہ ان کا سوپ ناں اور نگہاؤن ان شریک جا رہے تھیں عبد اللہ کی کمرش چمک آئی کوئی تھر کو دینی بہا اور بیٹے کے ساتھ تقریب میں شریک ہوئیں۔ آف وائن سوٹ میں بے حد سوہرگ رہی تھیں۔ اختر شجاعت امی کی بے حد پرانی پہلی پہلی۔ ایسی کھلی جواہی بٹیا ہوں تو اچھاں میں موجودہ امی کی سالگرہ کا دن انہیں یاد، شادی کی سالگرہ کا دن انہیں یاد رہا۔ اب وہ افسانے لکھنے کے بجائے دینی مضامین لکھتی ہیں۔ سیاہ برقع میں بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ بیج زیدی حروف صحافی اور لکھاری ہیں ان کے آنے پر امی کو دلی مسرت ہو رہی تھی۔ نزہت اصغر تو میری نورث ہیں ان کو کچھ

کردی خوش ہوئی۔ رضوان مظفر، اینڈ
عباس اور سرشار کو کچھ کرائی کے ساتھ
ساتھ میری خوشی بھی بڑھ گئی۔ شاعرہ شاکرہ کیل جاوید
قوامی کی تصویر بھی کی رشتے دار نکلی آئیں۔ وہ اس
بات پر ناراض ہوئیں کہ آپ نے میرے ویسے کے
بارے میں تو مجھے بتایا ہی نہیں، میں تو سمجھ رہی تھی شاید
رائز کی کوئی تقریب ہے۔

جب امی نے فیس کر کہا۔ ”ہاں رائز کی تو
تقریب ہے، ادب کے ڈیڑھ سارے چاند آج اس
محفل میں اتر آئے ہیں۔“

میں عمر سے بعد بہت ساری رائز ایک ساتھ
جمع نہیں ہوئی کیونکہ فرخ اپنے کونسل شوہر کے ساتھ
موجود ہیں۔ ڈاکٹر ممتاز ضیاء اپنی بھانجی کے ساتھ آئی
تھیں۔ رنج چوہدری اپنی بیویوں کے ساتھ آئیں تو
مجھے بہت اچھا لگا۔ یہ امی سے بہت محبت کرتی ہیں اور
ایک کبھی رنج چوہدری کی عادات بے حد اچھی لگتی
ہیں۔ امی تو انہیں اپنی بیٹی کی طرح سمجھتی ہیں۔ تبصرہ
نگار اور شاعرہ رقتہ تبیین رانی اپنی طبیعت خرابی کے
باوجود آئیں۔ تبصرہ نگار اور میری پردون سرست
پردون کی کانگ کا پلاسٹر چند دن پہلے ہی لگا تھا اور وہ
اسٹک کے سہارے موجود تھیں۔ سرست بی، آپ کی
بہت ساری اسٹوڈنٹ آپ کو کچھ کر بہت خوش ہوئی
تھیں۔ شاعرہ پردون عذرا شہد اپنی بے حد پیاری
بہن بھیجی ہیں بھواشتین اور میری جیسے بیٹے علی کے ساتھ
آئی تھیں۔ ان کا بیٹا اور بھوجو جیٹل پر جاب کرتے
ہیں۔ افسانہ نگار صدف آصف، ساجو جیٹل پر جاب
کرتی ہیں اور امی کے کھر کے قریب ہی رہتی ہیں۔
ان کی خوب صورت آنکھوں کی عذرا آئی ہے بہت
تعریف کی جس سے وہ بہت خوش ہوئیں۔ تبصرہ نگار
نسرین زہیر کوٹھاری اپنے بیٹے کے ساتھ آئی تھیں اور
تقریب کی سب سے پہلے قہور انہوں نے امی کی

فیس یک وال پر ڈالی۔ (ہنگری) سلی غزل اور شاکرہ
انعم سے پہلی بار ملاقات ہوئی اور بہت اچھی لگیں۔
شاعرہ اور افسانہ نگار طلعت جمیں مہناز قوامی کے
اسلام آباد کے اسکول کی چن افسانہ نگار حدیثہ بیس
اپنی بہن اور شہزاد کی تقریب چھوڑ کر ہمارے ہاں
آئیں۔ تبصرہ نگار، افسانہ نگارہ حنا رضوان کے فرست
کنز کی اس شب شادی کی تقریب تھی، وہ پہلے
ہمارے ہاں آئیں مگر کھانے سے پہلے ہی چلی گئیں۔
شاعرہ فرحت جمال کو ہم نے چکی مرچ دیکھا جو بڑی
اچھی لگیں۔ معروف شاعرہ حنفہ شفیق آئیں تو ہر رائز
سے گئیں۔ ان کے نام کا اڑان کی پوری شخصیت
پر ہے۔ شنفہ بھی میں شفیق کی بھی۔ تبصرہ نگار وائیں
خزاور بہت دور سے آئی تھیں اس لیے زیادہ دوڑیں
رک جائیں۔ امی کے کھر کی میڈ ایبہ باجی نہ صرف
اپنی پوری فیملی کے ساتھ آئی تھیں بلکہ امی باجی نہ صرف
بھی لے کر آئی تھیں۔ ایبہ باجی، آپ نے سب
مہمانوں کا بے حد خیال رکھا۔ شادی میں بھی اور بعد
میں بھی، بے حد شکر یہ عرض ہم سے شکلیہ سہارضا
آئیں تو فخر پر چھائی گئیں۔ وہ مجھے سلم ہونے کے
ساتھ ساتھ حنفہ شنفہ گنتی لگیں۔ بے حد پیاری باتوں
والی سہارضا سے ہماری فیملی کے دیرینہ تعلقات
ہیں۔ آئی شنفہ تبیین مسودا گل، ناز پاپی، بھوینا اور
ان کے والدین کے ساتھ بھیجی ہوئی تھیں۔ رائز سے
جا کر وہ خود ہیں۔ شوگر ہونے کے سبب آئی خاص
کمزوری ہو گئی ہیں مگر ان کا حافظہ شاکرہ شاعرہ کے جو
تحریر، انٹرویو پر پھل لیں وہ انہیں سطر سطر یاد دہاتی ہے
اور محض دھڑکیاں کرتی ہیں کہ کتنے دن پہلے لکھا تھا
ان کا ہندوستان پر جاتا ہے کہ یہ میں نے کھر لکھا تھا۔
آئی ان دنوں اپنی فیملی کے ساتھ لاہور بھی آئی ہوئی ہے بہت
پائین رشیدی ہیں۔ بہت چھوٹی ہیں مگر امی کی بہت
اچھی دوست ہیں۔ یہ کراچی کی معروف ٹیوشن ڈیڑھ

ہیں۔ اس تقریب میں اپنے بھائی مجھ کے ساتھ آئی
تھیں۔ شاکرہ اعجاز بے عذرا آئی کی سچین کی کھلی
ہیں (یابھین شریک طرح) شاکرہ آئی ان دنوں اپنی
پیاری بیٹی کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہیں
مگر دھلا، دکن کو دعا دینے کے لیے موجود ہیں۔ آئی
رضوان پرنس تو ہمارے کھر اس وقت سے آ رہی ہیں
جب میری شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ بے حد بننے
بھانے والی بلکہ جہاں چلی جائیں قہقہوں کے پھول
بھیرنے والی شخصیت ہیں۔ امی کو اپنا کر کہا کرتی
ہیں۔ آئی ان کی تقریب میں وہ بے حد خوب صورت
دکھائی دے رہی تھیں۔

بریسامانی تھیں۔ یہ کھر رہی تھیں۔ ”انعم،
بہنوں کی محفل میں تمہارے طویل جوابات پر کھر بے
حد لطف آتا ہے۔ تم بڑے جواب دیں گا۔“
امی نے کہا۔ ”میرا خد کہ شائع ہو گے۔“

اس پر بریسامانی نے کہا۔ ”کوئی بات نہیں مگر
بہنیں تمہارے طویل جوابات میں مزہ آتا ہے۔“
ڈاکٹر شہلا عامر، گورنر کراچی عشرت العباد کی
بھانجی ہیں۔ وہ اپنی نند کے ساتھ اس تقریب میں
شریک ہوئیں۔ شہلا عامر یا کیزہ کی تبصرہ نگار بعد میں
میں پہلے امی کی فین تھیں اور انہوں نے ہی بہنوں کی
محفل کو یا کیزہ کی فیس یک کا نام دیا جسے تمام بہنوں
نے پسند کیا۔ پردون سرست جمال بہت دور سے آئی
تھیں۔ امی نے ان کی دھجی ہوئی تھی جب میرا
کان میں ایڈیشن ہوا تھا اور وہ دھجی آج تک برقرار
ہے۔ ان کے پوتے، میرے بچوں کے کلاس ٹیوٹر ہیں
اور ایک دوسرے کے کھر آتے جاتے ہیں۔ پردون سرست
قمر جہاں گل یا کیزہ کی اچھی تبصرہ نگار ہونے کے
ساتھ ساتھ اچھی کالم نگار بھی ہیں۔ شریا ابھی انیم
افسانہ نگار ہیں۔ امی نے ان کی ملاقات اس تقریب
میں پہلی مرتبہ ہوئی۔ اس تقریب کو سعادت بخشے کے

لیے جہاں بہت آئی آئیں، وہ امی سے اتنی محبت
کرتی ہیں کراچی کو ہر وقت دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں
وہاں ساجزادہ ایلا اور سرحد سرحد بھی اپنی فیملی
کے ساتھ موجود تھے۔ ان کو میری ملک سے لوگ
اپنے ہاں بلانا سعادت سمجھا کرتے ہیں مگر یہ ہمارے
ابو کے قریبی دوست سید مظفر علی کے داماد ہیں۔ اس
لیے وہ ہمارے ہاں آئے تھے۔ معروف شاعرہ اور
معلقہ کشور سلطان نے بھی شرکت کرنی تھی مگر وہ آتہ
سکیں۔ ارشد گل بھی یا کیزہ کی نئی افسانہ نگار ہیں مگر
بہت اچھی ہیں۔ انہیں دیکھ کر اور ان کی باتیں سن کر
بہت اچھا لگا۔ میری بڑی بھائی بھینیں ہم کھر میں
میں تبصرہ کے نام سے پکارتے ہیں سب مہمانوں سے مل
رہی تھیں کھر نے دیکھ لیا تھا امی اپنی رائز کے سطفے
سے باہر نہیں نکلتی رہی تھیں اس لیے میں اور بہن ہر
مہمان سے جا کر مل رہے تھے۔ آج کی اس تقریب
میں میری پوری سرال کا بچہ بچہ لانا یونا شریک
تھا (ماشا اللہ) دینی والی نند امبر کو چھوڑ کر میری ساری
نندیں دیورہ جیسا اپنی اپنی کھلیز کے ساتھ موجود تھے۔
یا کیزہ کی تبصرہ نگار اور اس سے چھلکے امی کی دوست
اور سنہ بی بی، امی اور میری فیلا ساس سمنز نہت
اشفاق رانی طبیعت خرابی کے باوجود بھی باجی اور
اشفاق انکل کے ساتھ موجود تھیں۔ نہتہ خالد، عذرا
آئی کی زبردست فین ہیں۔ ان کے ہاں میلا میں
بھی امی کے ساتھ جا چکی ہیں اور آج بھی انہوں نے
عذرا آئی سے خوب باتیں کیں۔ امی کی چچی سمنز تو
استقبال جو چچی سے زیادہ امی کی کھلی ہیں وہ بھی تمام
رائز سے ملیں۔ عذرا آئی، رقتہ سراج،
بریسامانی، رنج چوہدری اور نگہت عبداللہ سے مل
کر سب دھڑک رہی تھیں۔ ان کے بیٹے سید فرحان
بخاری جو ساجو یونڈرٹی میں پردون سرست ہیں۔ امی کی
اسٹوڈنٹ انہیں گھیرے میں لے رکھا تھا۔

شادی اور ایک دن پہلے ہونے والی ڈھکوں کی تصویریں چل رہی تھیں۔ سڑکیاں سے جوہان میں آئے تھے وہ بھی اس تقریب کا حصہ بنے ہوئے تھے۔ خصوصاً جتنے ماموں، سعدیہ مائی اور پیاری مائی راہبر۔ میری فرسٹ کرن ڈائری ان دنوں زنگی میں بھی اس کے ایک پیاری سی جی ہوئی ہے وہ نہیں آسکی تھی اور ناہید ممانی بھی نہیں آئی تھیں۔ نادرو ممانی ان دنوں امریکا میں ہیں ان کی بی بی بھی سب سے محسوس کی تھی۔ چھ ماموں، زبیا ممانی، آمنہ چھوکی کی بھی سب سے اچھی یادداشتیں ہیں۔ ہمارا ایک سے آنا کوئی اتنا آسان کہاں ہوا کرتا ہے۔ ہماری امی، ابو کی نشاط مامی ان دنوں پیار ہیں اور اپنٹل میں ایڈمیت ہیں۔ اس لیے وہ نہیں آسکی تھیں۔

میری کان فریڈ ناز جب اپنے بچوں اور شوہر کے ساتھ میں ہل داخل ہوئی تو میری خوشیاں جیسے بڑھ گئیں اور اس وقت میں اپنے آپ کو کانج کرل محسوس کرنے لگی۔ میں شکر یہ ادا کرتا جاؤں گی اپنی پیاری دوست شازبہ بیگم کو جو اب کی کی بھی ہیں، امی کی پڑپون بھی اور ہم ان کو کھر میں ڈاکٹر شازبہ کے نام سے پکارتے ہیں کہ دواؤں کے نام انہیں ازبر ہوتے ہیں۔ یہ پاکستان کے بے حد مصروف سرجن ڈاکٹر جمال الدین کی بیگم ہیں۔ شازبہ پوری تقریب میں ایسے ہی شامل تھیں جیسے میں اور عدت۔ ان کی پیاری سی بی بی اور سارے محیر ماموں کی شادی میں بھی خوش تھی جیسے کہ ایچ کی سہیلیاں اس تقریب میں اوائس تھیں، اسی طرح ماموں نے بھی اپنی خاص تین سہیلیوں کو بلا لیا تھا کہ شازبہ کے بچے ہمارے بھائیوں کو ماموں میں کہتے ہیں۔ بخود ہی بعد از شرعوں ہو گیا جس میں چکن بریانی، مٹن بادامی، قومہ، چکن برست، سبزی سوے، سج کباب، کاجر کا طوطہ، شمشیری چائے اور کولڈ ڈرنک وغیرہ شامل تھیں۔ امی اور ابو

ہمارے رشتے داروں کی ایک بڑی تعداد غمینہ کے پاس جا کر رات بھر چل رہی تھی۔ اکثر اس سے انگریزی میں باتیں کر رہے تھے مگر وہ سب کی باتوں کا جواب اردو میں دے رہی تھی۔ ہاں انگریزی صرف غمینہ کی کھلی چٹا سے بولتی پڑی۔ وہ تقریب کے بعد 15 دنوں کے ہاں ہر گئی، مگر میں کام کرنے والیاں بھی اس سے انگریزی میں بات کرتے لگی تھیں۔ غمینہ کے ابو اکثر شجاع چونکہ کارچی اور اسلام آباد میں رہ چکے ہیں تو ان کی اردو تو بہت صاف ہے۔ تنہا باپنی (مسٹر شجاع) انگریزی تو فوراً ہی سے بولتی ہیں مگر اردو بھی اچھی خاصی بولتی ہیں مگر غمینہ کی اردو ان سے زیادہ اچھی ہے۔ اس تقریب میں امی کو ڈاکٹر ڈیکلرا کا انتظار آخری وقت تک رہا مگر وہ اپنی طبیعت خرابی کے باعث نہیں آئیں۔ تیرہ ڈاکٹر ایوب بے حد محبت کرنے والی خاتون ہیں۔ ان کی حال ہی میں عدت ختم ہوئی تھی اور انہیں اپنے دوسرے بیٹے کے پاس لاہور بھی جانا تھا مگر میرے ویسے کی وجہ سے لاہور بعد میں گئیں۔ ڈیکر آئی ہے بعد شکر یہ اس محبت کا.....! رمضان انکل سب سے آخر میں آئے اور آخر میں مگر والدوں کے ساتھ کھانا کھایا۔ بہت ساری بہنوں کو امی بلائیں یا نہیں جس کا امی کے ساتھ مجھے بھی افسوس رہا۔ جن میں بی بی وی کی پروڈیوٹر نسیم اسلم، شاعرہ زہرہ جینہ، افسانہ نگار مہناز عرفان۔ افسانہ نگار ناہیدہ فاطمہ حسین کا تو موبائل ہی بند تھا۔ چٹل ہم سے وابستہ ساثرہ غلام نبی اپنی ذاتی مصروفیات کے باعث انہیں سکیں۔ اسی طرح امی کی بے حد پیاری دوست افسانہ نگار غزالہ رشید اپنی طبیعت خرابی کے باعث شرکت نہیں کر سکیں۔ شادی ہال بہت خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ دوپڑی اسکرین لگا دی تھی جن میں عمیر اور غمینہ کی تصوی

دونوں کا بھی حلقہ کافی وسیع ہے اس لیے جس کو بھی یاد گیا وہ سب ہی آئے۔ سب کو کھ رہے تھے کہ یہ تو شادی پلس ویسہ ہو رہا ہے۔ ایسا لگ رہی نہیں رہا کہ صرف ویسے ہی آئے ہیں۔ یہ تو برات بھی لگ رہی ہے۔

غذرا آئی، آپ کی میزبانی نے میرے دل میں آپ کی محبت کی ایک قدسی یاد روشن کر دی ہے اور انشاء اللہ یہ بھی ذیشان کی شادی میں میزبان کی حیثیت سے شریک ہوں گی۔ ذیشان ہمارے عیسے دو ڈھائی سال ہی تو چھوٹا ہے۔ اس لیے آپ بھی اس کی برات کے بارے میں سوچنا شروع کریں (اللہ) وہ وقت جلد لائے) اس تقریب کی اداس بات یہ تھی کہ اس میں ہماری امی اپنی طبیعت کی خرابی کے باعث شریک نہیں ہو سکی تھیں اور سب کو ان کی کی محسوس ہو رہی تھی۔ اللہ ان کو صحت اور زندگی عطا فرمائے، آمین۔ عمیر اور غمینہ پر اللہ اپنا کرم رکھے اور انہیں شاد و بابر رکھے۔ بفضل خدا بہت پیاری جوڑی ہے اور بہت محبت کرنے والی بھی۔ میرے بھائی شیا کے لیے بھی ایک پیاری دین جلد ہی مل جائے تو میں ان محلات پر آپ کے لیے اس کی شادی کا احوال قلم بند کروں۔ خیر اتنا بھر پور پر محبت اور پرمروق ویسہ لوگوں کو اتنی جلدی نہیں بھولے گا۔ جس کا ہر مہمان ہم سب کے لیے مہمان خصوصی کا درجہ رکھتا تھا۔ اس تقریب کی تصاویر جس میں سرور کی تصویر بھی شامل ہے۔ خانہ فون اسٹوڈیو کی جانب سے بھی گئیں۔ میل نمبر ارشد جمال 0300.2248374

ایک ستاروں بھری تقریب

شامالہ سہیل جاوید

ہال اگرچہ کچھ بھرا ہوا تھا۔ ہر طرف خوشبوؤں کا سیلاب اور رنگ برنگ لباسات کی بہار تھی اور سب سے زیادہ مرکز نگاہ وہ ٹیبل تھی جس پر

آسان اپ کے درخشاں ستارے جگمگا رہے تھے۔ سب سے چمکا جانے والا ستارہ انہیں تھا۔ وہ تو ہیں ہی سدا بہار، لمبو اور چہرہ۔ ان سے مل کر میرا صاحب کی طبیعت کے بارے میں جان کر دی گئی ہوئی۔ اللہ انہیں سدا سہاگن رکھے۔

سعدیہ رکش بھی بے حد پیاری لگ رہی تھیں۔ سیراماف، شائستہ اور رفعت سراج سب بے حد گرم جوشی سے ملیں۔ میری بیٹی بھی میرے سرواٹھی جب رفعت سراج سے ملایا تو اسے تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ سادی ہی خوش اخلاق خاتون رفعت سراج ہیں اور دل و دیا دلیر کے باری کی خالق۔ کافی دیر تک تو حیران رہی رہی۔ بگت عبد اللہ، رضوانہ پرنس، رخ چوہدری صاحبہ، عقیقت شفیق، ناہید چوہدری، نزہت اعجاز اور بھی دیگر نامور ہستیاں جن میں ڈراما براہ بھی غرو تکبر کا شائبہ تک نہیں تھا۔ سب سہیلیوں کی طرح گفتگو، تہنیت اور مزیدار چٹکے چھوڑ رہی تھیں۔

اور بھی بہت سی رانگڑ تھیں جنہیں دور دور سے دیکھا مگر علاقائی نہ ہو سکی۔ کھانا بے حد شاندار تھا۔ اپنے لوگوں کا انتظام اور پھر سب کو فراداد پہنچانا بہت بڑی ذمہ داری ہے لیکن سب کام احسن طریقے سے ہو گئے۔ حیران کن بات یہ بھی تھی کہ اس تقریب کے کووی میکرا فونو فو اسٹوڈیو کی ٹیلی بھی پاکیزہ کی فین تھی۔

مہمانوں کی گرجوٹی جہاں ان کی محبت کا اظہار تھا وہاں دوسرا بھی تمام حاضرین سے بڑے اچھے طریقے سے مل رہے تھے۔ سب کا انہوں نے شہر یہ ادا کیا۔ عمیر کی یہ پوری کوشش تھی کہ وہ ہر مہمان کے پاس خود جائے۔ (ماشاء اللہ)

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جوڑے کو ساری خوشیاں عطا فرمائے اور انہیں اپنے والدین کے لیے صدقہ چارہ بنادے۔ (آمین)

میں اور شفیق یہ خوب صورت تقریب اینڈ کرنے کے لیے وقت مقررہ ہو موجود ہے۔ سامنے ہی انجم انصار بائیں کھڑی تھیں۔ کالی خوب صورت کا مدار سازی میں ہمیشہ کی طرح بے حد گریس نل اور ہر وقار لگ رہی تھیں۔ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ انجم بائیں بے حد منسلک ہیں جو ایک بار بات کرتے وہ کر دیوہ ہوجاتا ہے اور جوان سے ایک بائبل لے کر پھر وہ ان کو بھول نہیں سکتا۔ عمیر کے ویسے میں لکھاریوں کا ماثا اللہ پر خیر موجد تھا۔ جن سے بے بیشہ کے سیریل، ٹیلی فون اور ڈرائے کی تاکہ کی وی جھیل پر چل رہے ہیں یا پینے والے ہیں۔ بدقول کے بعد اتنی اچھی شادی اینڈ کر کے بے حد حلف آیا۔

رضوانہ پرنس، عذرا رسول اور ان کی بھابیوں کے ساتھ آئی تھیں۔ عذرا رسول نے جد جرج ہی تھیں۔ رضوانہ ایک قامت ڈھاری تھیں۔ عقلی آفاق، اجیہ آفاق، آرزو منظم ہر ایک بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ ہمارے برابر میں شائستہ عزیز اور سیما مناف تھیں جن سے تمام وقت دلچسپ گفتگو رہی۔ رخ چوہدری اور نادیہ پوہدری کچھ فاصلے پر بیٹھی ہوئی تھیں لیکن دل سے نزدیک تھیں۔ رقت سراج ایک زبردست رائٹر ہیں ہی اس کے ساتھ پوٹو بھی بہت آجاتی ہیں۔ شمس حسین سے چلنے والے ملاقات ہوئی تب وہ کہنے لگیں کہ ارے، آپ ہیں شگفتہ شفیق۔ آپ کینیڈا آئی تھیں تو ہماری سلاز بہر کیوں نہیں لے کر گئی تھیں۔ بہر اچھا لگتا کہ ہماری وہاں بھی ملاقات ہوئی۔ عقیلہ حق اور فرحت جمال سے بھی ملاقات رہی۔

انچ پر ایک بڑی ای سی ڈی پر عمیر کی شادی کی مودی چل رہی تھی۔ ہال کی سیاہی قابل دیدنی تھی۔

کھانے کا منیجر زبردست اور ذائقہ بہترین تھا۔ وہ سال بہت ہی پیارا کہ جب دو لاکھ روپے اور لوگوں کی سیلیاں بیٹھا رہے کے ساتھ پنڈال میں آئے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے اور انجم بائیں کو ان کی خوشیاں دکھائے۔ (آمین) دو لاکھ روپے دونوں بہت بیک اور پیارے لگ رہے تھے۔

مزہ آیا

رفاقت جاوید

میرا ضروری کراچی آتا تھا کئی ماہ سے مل رہا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ انجم انصار کے بیٹے کے ویسے میں شرکت کرنے جانا ہے۔ اگر پہلے ہو آتی تو اتنی جلدی دوبارہ کراچی شاید نہ جاؤں۔ انجم سے میری ملاقات اسلام آباد میں کئی بار ہو چکی تھی۔ اور اب مجھے اس شادی میں جانا تھا جہاں بہت ساری مصنفات نے آتا تھا اور مجھے سب سے ملنے کی خواہش تھی۔

15 فروری کی شب میں ایک جگہ آتے ہوئے میرج کارڈن میں موجود تھی۔ میرے ساتھ میرے شوہر بھی تھے۔ یہ ایک پرہیزگار تقریب تھی۔ انجم انصار کو پہلی مرتبہ میک اپ میں دیکھا کالی صوفیوں کی کا مدانی ... سازی اور لائٹ میک اپ میں وہ مجھے بہت اچھی لگیں۔ پھر میں نے مصنفات کو دیکھا، سب سے جا کر خولی کمر مجھ سے آکر خود ملنے والی شخصیت عذرا رسول کی تھی۔ وہ مجھے اس مختل کی بیڑ بان نظر آئی تھیں۔ وہ رائٹر کو کھانے کے لیے کہہ رہی تھیں۔ ایک ایسی ڈسٹے دار مہمان جسے مہمانوں کا خصوصی خیال ہو۔ میرے شوہر نے اسے راؤ ملدانی کے کہا جس کا ہم کو انجم انصار کے مہمان ہیں تو انہوں نے کہا یہ یہ میری اپنی تقریب ہے اور میں اپنی میزبان ہوں۔ وہ دیکھ کر مجھے بے حد اچھا لگا کہ پاکیزہ واقعی ایک ایسا ادارہ

ہے جہاں کا ہر فرد ایک دوسرے کا خیال رکھتا ہے۔ ایک دوسرے سے محبتیں جتنی جہاں دکھائے اور بناوٹ کا نا اوشان تک نہیں ہے۔

مجھے وہاں سکینر فرخ، سعدیہ، شمس، شگفتہ شفیق، عفت عبد اللہ اور سیما مناف سے مل کر بہت اچھا لگا۔ بعض مصنفات مجھے کم سن ہی بھی لگیں۔ سکر میں نے ہر ایک سے خود بات چیت کی۔ دو لاکھ عمیر اور وہاں عقیدہ بھی بہت اچھے تھے۔ زیادہ تر شادیوں میں اور آج دو لاکھ نظر آ کر تے ہیں کہ اپنے مسائل سے نسبت کر شادی کیا کرتے ہیں۔ ایسے میں جوان لڑکے کی شادی دیکھ کر بھی بھی کئی اور خوشی بھی ہوتی۔ شبنم کے والد اور اسارت سی شبنم کی اسی سے بھی ملی۔ ماثا اللہ تعلیم یافتہ خلی ہے۔ جوانی بننے کی شائد اور پیرے بے حد خوش نظر آ رہے تھے۔ کراچی قیام کے دوران میری دیگر مصروفیات بھی تھیں۔ مگر انجم تمہارے بیٹے کی شادی میں جا کر مجھے واقعی بہت مزہ آیا اور سکینر فرخ اور عذرا رسول سے مل کر اچھا لگا۔

رائٹر کے دیدار کے لیے

ستارہ شیع

پہلے ہمارے بچے میں شادیوں کا سلسلہ چلا اور پھر سسرال میں شادیوں کا سیزن گزرا۔ اور میں مجھے دو لاکھ کو دیکھ کر دل برداشت ہو گئی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ کئی عرواںے دو لاکھ دیکھ کر کچھ کھٹکتی تھی۔ مگر جو دو لاکھ تھا وہ بھی 32 سال کے کم نہ تھا اور لکھ 36 کا تھا۔ ایک دن تو میں نے اپنے مایوں سے فری دیا تھا کہ اگر کم عمر لڑکی کی شادی ہوگئی ہے تو ہم عمر لڑکوں کی شادیاں کیوں نہیں ہوا کرتیں۔ جس کا جواب ان کے پاس یہ تھا کہ ایسا غلوں میں ہوتا ہے۔ ان کو بے فائدہ وار بات بہت ہوتی ہیں۔ اگر وہ شادی جلدی کر کے بیٹھ جائیں تو کھر کے

کام کیسے ہوں گے۔ اور جب ہم انجم با کے بیٹے عمیر کے ویسے میں گئے تو ایسا خوب صورت اور کم عمر دو لاکھ دیکھا کہ دل خوش ہو گیا۔ میں پاکیزہ کی مستقل قاری ہوں، کئی بکھار پاکیزہ میں تبصرہ بھی شائع ہوجاتا ہے۔ مجھے جب معلوم ہوا کہ عمیر کا ولیمہ ہونے والا ہے تو پھر رائٹر کے دیدار کے لیے میں نے باقی سے ریکولسٹ کی کہ آپ مجھے بھی اپنے پاس مدعو کر لیں۔ انجم بائی نے ہائی ٹھہری۔ میں جب ہال میں داخل ہونے والی تھی اس وقت دو لاکھ انجم کی صوفیوں سے کئی کچھی سے اتر رہے تھے اور ہیرو دو لاکھ لگ رہے تھے۔ عقلی آفاق نے بڑی خوب صورت سازی پینٹی تھی اور واقعی دلہا کی بہن لگ رہی تھیں۔ میں رقت سراج، عفت عبد اللہ سیما مناف سے ملی۔ عذرا رسول کو قوسے قریب سے دیکھا۔ ان کے پاس جانے کی ہمت نہیں ہوئی کہ انہوں نے پوچھا کیا کم کون ہو تو میں کیا جواب دوں گی اور کھر آکر اس کو بھی ہوا کہ میں نے ان سے بات کیوں نہیں کی۔ انجم بائی آپ کے مہمان اتنے پیارے پیارے سے تھے کہ مجھے تو ایسا ہی لگا کہ ہر مصنف اس تقریب میں موجود ہے۔ میں نے شمس حسین کو پہچان لیا تھا۔ میں نے ان کو جاکر سلام کیا مگر وہ اپنی باتوں میں شاید اتنی مصروف تھیں کہ انہوں نے میری جانب نہیں دیکھا۔ انجم بائی ایک سیاہ کا مدار سازی میں بے حد سوہری لگ رہی تھیں۔ ایسی شائد ان تقریب میں نے تو شاید پہلی مرتبہ ہی دیکھی تھی جس میں بے شمار لوگ تھے۔ سیما مناف میں اس لیے پہچان گئی کہ روٹی دی پر نظامت کیا کرتی تھیں۔ افسوس صرف یہی رہا کہ میں آٹو گرافیک لے جانا بھول گئی تھی۔ سیما رضا، رقت سراج، سیما مناف عذرا رسول اور دیگر رائٹر سے دیکھو کہ ملاقات ہو پاتی ہے۔





حجہ باری تعالیٰ

خالق کائنات ہے مالک دو جہاں ہے تو میری زمیں بھی ہے تو ہی اور میرا آسمان ہے تو جلوہ نما ہے تیری ذات وہ ہومکاں کو لامکاں تیرا کرم محیط ہے ہر سو جہاں، جہاں ہے تو مانگے بغیر دے دیا دوسرے کو کیا بنا دیا شکر تیرا ادا کروں دل میں سرے نہاں ہے تو بھید ترا نہ پائے عقل و خرد کسی طرح آٹھ کپے کہاں ہے تو دل یہ کہے یہاں ہے تو کن ہی سے کائنات کو کیا کیا ثمر عطا کیے مدح کریں شجر حجر، خالق این و آن ہے تو شاعر ہو ذکیہ غزل

مرسلہ: عزیزین خان، تارنہ کرارچی

نعت رسول ﷺ

خدا نے میری دیوگی کا کچھ ایسا سبب رکھا نبی کی یاد میں دل کو ہمیشہ مضطرب رکھا انہی کی یاد میں قلب و نظر فکر و زبان ڈوبے انہی کا تذکرہ ہونٹوں نے اکبر روز و شب دیکھا خدا کا عشق اور اس کے نبی کا عشق مل جائے فقط اس کے سوا ہم نے کوئی احساس کب رکھا خدا اپنی جگہ پر ہے نبی اپنی جگہ پر ہیں ادب سے جب جسے لکھا لا پھر پاؤں ادب رکھا وہ نام کا جب آیتیں ہونٹوں پہ ہو یا رب

تو ان ہونٹوں نے خود ہی پڑے کولب پہ اب رکھا انہی کے دوسرے پا کر ان کے آگے پیش کرتا ہوں مری نعتوں کا گلہ ستہ بھی ہے حسب طلب رکھا خدا اور محسن انسانیت سے مجھ کو نسبت ہے جتنی تو نام محسن باقی میرا نسب رکھا شاعر: ججن نقوی

مرسلہ: نور افشاں، شکارپور

مسلمانوں کی آبرو کا حق

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص کسی مسلمان کو ایسے موقع پر ذلیل و بے آبرو کرے گا جہاں اس کی چٹک ہو یا اس کی عزت میں کچھ کی آئے تو اللہ تعالیٰ اسے ایسے مقام میں ذلیل و بے آبرو کرے گا جہاں وہ اللہ کی مدد کا طلب گار ہوگا اور جو شخص کسی ایسی جگہ کسی مسلمان کی مدد کرے گا جہاں اس کی بے عزتی اور چٹک ہوئی ہو تو اللہ ایسے مقام پر اس کی مدد کرے گا جہاں اسے اللہ کی مدد درکار ہوگی۔"

(مسند ابوداؤد)

مرسلہ: سعید بن سلیم، مہدئی

مسکین کا حق

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میری مخلوق میں سے کسی ایسے کم زور کے ساتھ بھلائی کی جس کا کوئی نفاقت (کفالت) کرنے والا

نہیں تھا تو اپنے بندے کی کفالت و کفالت کا میں ذمے دار ہوں۔"

مرسلہ: ناہید بخت، نور واہ سینٹ ورکس

اللہ کا خوف

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں دو خوف یا دو حفظ کسی ایک بندے میں جمع نہ کروں گا سبھی اگر کوئی بندہ دنیا میں مجھ سے ڈرتا رہے گا تو میں قیامت کے دن اسے محفوظ رکھوں گا اور اگر کسی نے دنیا میں خوف نہ کیا تو قیامت کے دن اسے جھٹائے خوف رکھا جائے گا۔ نیز ارشاد فرمایا جو تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس سے ساری دنیا ڈرتی ہے اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ ہر شے سے خائف رہتا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا تم میں سے جو خائف ترین ہے وہی عاقل ترین ہے اور فرمایا جو خوف خدا سے روتا ہے دوزخ کی آگ اس کے قریب نہیں جاسکتی۔"

مرسلہ: انیلا ناہید، ایہ

غلاف یعنی پردہ

کعبہ پر غلاف اس لیے ہے کہ پتا چلے یہ کوئی عام گھر نہیں اللہ کا گھر ہے۔ قرآن پر غلاف اس لیے ہے کہ پتا چلے یہ کوئی عام کتاب نہیں بلکہ اللہ کی کتاب ہے۔ اس طرح مسلمان عورت کو پردے کا حکم ہے تاکہ پتا چلے یہ کوئی عام عورت نہیں ایک مسلمان عورت ہے۔ اپنی نظروں کو چھ کر چلا کر دے مسوحتو کا پتا چلے یہ کوئی عام شخص نہیں بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی جا رہا ہے، سبحان اللہ!

مرسلہ: قمر شمس الحق، جنگ صدر

پیاری باتیں

حضرت بی بی فاطمہؓ زہراؓ کا قول ہے۔ "جب ایک عورت گھر میں کام اور بچوں کی تربیت کر رہی ہوئی

ہے تو اس وقت وہ اللہ سے سب سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔"

حضرت علیؓ کا قول ہے۔ "دوستی کی زینت ایک دوسرے کو برداشت کرنے میں ہے۔ بے صیغ دوست تلاش مت کرو ورنہ اکیلے رہ جاؤ گے۔"

مرسلہ: سیدہ نور جہاں نقوی، کراچی

ساگرہ

ساگرہ کی شام ہمارک شام کے کب پر میری یاد.....! بچپن رہنے دینا اے جسے کسی سبب نہیں گل کر دینا..... کین میرے نام کی آدمی نہیں بچتی رہنے دینا

شاعر: ججن نقوی

مرسلہ: امینہ غریب، ملتانوالی

شادی

☆ شادی ایک ایسا بندھن ہے جس میں دو شریف شہریوں کو خواہوا ایک دوسرے سے لڑنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔

☆ شادی کرنے کا ایک فائدہ فری کی ملازمد مل جاتی ہے مگر جس کی فرمائش پوری کرنے میں پانچ اچھے ملازموں کی تنخواہ سے زیادہ رقم خرچ ہوتی ہے۔

مرسلہ: کشفۃ ناصر، فیصل آباد

آزمائش

آگ آپ کے گھر چھینوں میں آپ کی کوئی کنز چھ دنوں رہنے کے لیے آئے اور آپ اسے چاہتے بھی ہوں لیکن انہماک عبت نہ کر سکیں تو ایک منٹ میں پتا چل جائے

ماہنامہ سہ ماہیہ 2012ء - اپریل 2012ء

سکتا ہے کہ وہ بھی آپ کو چاہتی ہے یا نہیں۔ یاد رہی خانے میں اگر وہ کھانا بنارہی ہو تو آپ چپکے سے اس کے قریب جائیں اور اس کے شانے پر ہلکی سی چٹ لگادیں۔ اگر وہ آپ کو دیکھ کر مسکرا دے تو مجھ میں کدوہ آپ کی ہے اور وہ بھی آپ کو چاہتی ہے لیکن اگر لڑکی ہنسنے سے گھور کر دیکھے تو آپ تانی بجا کر کہیں۔ ”آہا۔۔۔ باقی ڈر گئیں۔۔۔“

مرسلہ: سوسیعہ ممتاز شیخ، لاہیاں

بیٹیاں

بیٹیاں تو رحمت ہیں

بیٹیاں محبت ہیں

اس پر آشوب دور میں گو

یہ خدا کی بڑی عنایت ہیں

یہ تو بچوں کی طرح چاری ہیں

بڑی بے بسی ہیں یہ بے چاری ہیں

انہی ہستی مانگے کمر ہر دم

سب کے کیسے کی لانگ رتی ہیں

ان کو دیکھو تو پیار سے دیکھو

ان سے بولو تو یہ نہایت بولو

کبھی اور کھوں کو ان کی تم نہ کرو

کبھی ان کو ہر اس میں تم نہ کرو

آئینہ دل جو تو دیشے تم

ان کا ہر مان ٹوٹ جائے گا

پھر کھینچیں تم سے چھوٹے گا

اور الفت کا ناتانوٹے گا

شاعرہ: کھلشت شفیق، کراچی

لڑکیاں

لڑکیاں رزق کی طرح ہوتی ہیں۔ اپنی ہوں تو

میش خوشی اور شکر کی نگاہ ڈالو لفظوں میں مت تو لو،

نگاہوں اور دل سے ان کی سلاستی چاہو۔ دوسروں کی

ہوں تو نگاہیں بھگتا لو بات کر تو کوئی گدلا خیال نگاہ اور

دل کو آلودہ نہ کرے۔ تمہارا ہونا محض کا احساس دلانے

نہ کہ سامنے والے کوئی عزت کی فکر پڑ جائے۔

مرسلہ: شیر عظیم خان، کراچی

نمکین باتیں

بہلی بار جب میں سہرا لگی تو میں کچھ گھبراہی تھی۔ یوں تو سب کچھ ٹھیک ہی تھا مگر جب اچانک میری نظر اپنی درجن بھر تھوڑی پر پڑی تو مجھے بڑی پریشانی ہوئی پھر میری ایک دوست نے مجھے پیٹھ پر ہاتھ مارنے کا مشورہ دیا۔ ”ٹھیکہ گھر لیٹے۔ نہ صرف تھوڑی سی نجات بلکہ سانس کی بے جا سختیوں سے بھی بچنا کرنا ہوگا۔ آج جب میں پیٹھ پر گھر میں رہ رہی ہوں تو مجھے



میرا انتخاب

محبت شاعری کی اساس ہے اور شاعر محبت کے پیامبر ہیں۔۔۔۔۔ شاعر ان پیغامات کو خوب صورت لفظوں میں پرو کر غزل کے سانچے میں ڈھالتے ہیں مگر محبت اندھیروں اور بربادیوں کی ناہمیاں دہلی ہے جس کی زد میں آنے والے زندہ تو رہتے ہیں مگر نامور دل و جان کا نشان نہیں پاتے۔۔۔۔۔ فیض احمد فیض کے کلام میں بھی یہ تاثر ملتا ہے جسے فائزہ رحمن نے سیالکوٹ سے منتخب کیا ہے۔

آرزو

مجھے مجھروں پہ یقین نہیں

مگر آرزو ہے کہ جب تمہارا

مجھے بزم دہر سے لے چلے

تو پھر ایک باریہ اذان دے

کہ کدھر سے لوٹ کے آسکوں

ترے در سے آکے صد اکروں

تجھے تمگمار کی بوطالب

تو ترے حضور میں آ رہوں

یہ نہ بولو تو سونے روئے عدم

میں پھر ایک بار دار و نہ ہوں

ۛۛۛۛ

کچھ ہیں۔۔۔۔۔ کچھ کلمے زندگی میں امر ہو جاتے ہیں۔ اس ایک ہلے کے خیال سے لکھا بھی جائیں تو آزاد نہیں ہو سکتے۔۔۔۔۔ کیونکہ اس ایک کلمے کی امیری میں ہی زندگی کی خوشیاں پنہاں ہوتی ہیں۔۔۔۔۔ پروین

شاہ کی سالگرہ بھی اس ایک کلمے کی یاد میں لکھی گئی اک خوب صورت نظم ہے۔ ادھر انتخاب ”کراچی“ سے۔ سالگرہ

میں وہ دن تھا

جب آج سے چار سال پہلے

ای رشتہ پر

بنفشی بیلوں کے نرم سائے میں ہم ملے تھے

وہ لمحہ جب کہ ہمارے جسموں کو اپنے ہونے کا

حیرت آمیز، راحت افزا

نشاطہ امتثال رکھتا

ہماری رگوں نے اپنا، اپنا نیا سنہری جسم اپنا تھا

دہ ایک لمحہ

ہماری رگوں کو

اپنے دست بجال سے چھو رہا ہے اب تک

نظر کو شاداب کر رہا ہے

اور ہم کو گمنا گمنا کر رہا ہے

ہم اس کے مقروض ہو چکے ہیں

سوا ڈاک اس عظیم لمحے کے تام

کوئی دعا کریں ہم

افغان نہیں باقی

اور کھجوں کی تمام تر شدتوں سے چاہیں

کہ جب بھی نیا آفتاب نکلے

تو ہم اسے ایک ساتھ دیکھیں

بہت سے لوگ زندگی میں ملتے ہیں

مادی زندگی کی ضرورتوں سے قطع نظر دل انسان کو اپنی ضرورتوں کو عجیب طریقے سے احساس کراتا ہے۔ اس کے اپنے ہی تقاضے ہیں آوازوں کے شور میں ایک آواز ہمیں اپنے ہونے کا احساس دلاتی ہے۔ زندگی کی غیتوں اور مصائب پر ہماری ٹھگساری کرتی ہے وہ صداقت و سچائی کو ہمارے سامنے بے نقاب کرتی ہے۔ حیران کا انتخاب لاہور سے۔

غزل

میں نے کہا کہ میرے لیے کچھ دعا کرو اس نے کہا دعا یہ نہ تھی کیا کرو میں نے کہا کہ کام و دین بے مزہ سے ہیں اس نے کہا کہ حافظ و غالب پڑھا کرو میں نے کہا کہ دوست نبھائیں گے میرا ساتھ اس نے کہا کہ وقت پہ یہ تجربہ کرو میں نے کہا کہ ڈوبتی جالی ہے بغض وقت اس نے کہا کہ کوئی غزل ابتدا کرو میں نے کہا کہ اصل کی مجھ کو تلاش ہے اس نے کہا کہ اپنا عقاب کیا کرو میں نے کہا کہ شہر میں تشہیر ہوگی اس نے کہا کہ اپنی حدوں میں رہا کرو میں نے کہا کہ بہشت حقیقت ہے یا مجاز اس نے کہا کہ غور نہ اتنا کیا کرو میں نے کہا کہ مشورہ رہا بہ و کشمی اس نے کہا کہ ذات کشیدہ پیا کرو میں نے کہا کہ خدمت احباب کا صلہ

اس نے کہا کہ جو کام کرو بے ریا کرو میں نے کہا شعار زمانہ ہے سخت گیر اس نے کہا کہ شعور سے رو بلا کرو میں نے کہا کہ بڑھنے لگی تیرگی بہت اس نے کہا کہ سم تھوں میں رہا کرو میں نے کہا حصول شوکاری جہاں اس نے کہا کہ صحبت بد سے بچا کرو

بھ

فیصلے کا سفر لفظوں کی نرم چھاؤں میں نہیں کھتا..... محبت کے دشت بے برگ میں واپسی کا کوئی رستہ نہیں ہوتا۔ اعتبار ساجد بھی اپنی اس نظم میں فیصلے اور محبت کی کشمکش میں جتنا نظر آ رہا ہے۔ میں۔ تانیہ کا انتخاب کوئٹہ سے۔

موسم گل کا آخری پیغام

جب یہ سوچو کہ بھر چکا ہے دل میری چاہت میری رفاقت سے خو کو وقت عذاب مت کرنا لمبا چڑا خطاب مت کرنا کا دھمکی انتخاب مت کرنا ایک کھوکھا ہوا گلاب کا پھول بس لٹافے میں بھیج دینا تم میری تھیں مجھوں کے نام موسم گل کا آخری پیغام



چلترنگ

اشیم انصار

شادی کی سالگرہ

”پیارے میاں جاننی سلام محبت!“

آپ مجھے اسٹنے یاد آتے ہیں اسٹنے یاد آتے ہیں کہ آپ کی تصویر گوشت رکھ کر خوب بائیں کرتی ہوں درست کہتے ہیں بزرگ اصل محبت دور رہ کر ہوتی ہے۔ جب ہم پاس تھے تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ ایک دوسرے سے محبت بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ کتنا اچھا ہوا کہ آپ باہر چلے گئے آپ کے جاننے کے بعد ہی مجھے پتا چلا ہے کہ آپ کتنے اچھے ہیں مگر آپ نے خط میں لکھا ہے کہ پردیس میں دل ٹھہراتا ہے اور وطن آنے کا پروگرام بنارہے ہیں۔ یہ مگر آنے کی بجائے کس وطن نے بڑھادی۔ یہاں کے لوگ باہر جانا چاہ رہے ہیں اور آپ اچھے خاصے باہر ہیں۔ لوگ عقیدت اور شک مجھے دیکھتے ہیں اور آپ یہاں آنے کا پروگرام بنارہے ہیں۔ ہاں غرض میں تو آپ کو یہاں ملازمت ملنے سے پہلے یہاں بولوں ملازم ہیں وہ اپنی ملازمتوں سے طرح طرح کے بہانوں سے نکالے جا رہے ہیں۔ میرے دوستوں بہنوئی رضا کارانہ اسکیم کے تحت اپنی اپنی نوکریوں سے بے دخل کر دیے گئے۔ اچھے خاصے صبح سویرے بغیر ناشتے کے اپنے آپس جاتے جاتے آپ باہر کی قسمت میں نہیں ہی جھین تھا۔ آپ اور باہر کی سارا دن خوب گھومتی پھرتی ہیں۔ چٹو کا بھڑ اور پو بھائی کی بڑی ہماری بہنوں کے ساتھ جا کر خرید واپی بھی حالانکہ



مکمل کا معاملہ تھا اور ہمارے محلے والے کرائے داروں سے مکمل ملاپ بڑھانے میں چپکاتے تھے مگر ہماری بہن تو سب کے کام آتا جاتی ہیں غرض ہماری بہنوں کی قسمت میں جھین ہی جھین تھا۔ دونوں بہنوں رات گئے گھر آتے تھے مگر اب تو ہر وقت گھر میں پڑے پڑے، اینڈلے رہتے ہیں۔ اب میں کیسے کہوں کہ بدلیٹر شوہروں کو چھینٹنے اور ڈر کرنا کوئی انسان بات ہے بھلا۔ دونوں بہنوں کو ایک ایک طلاق تو ہو گئی ہے کہ بہنویوں کی زبائیں ان کے کندھوں پر لگی ہوئی ہیں۔ ہر بات میں مادی قادی کرنے کے عادی ہیں۔ سبکی وجہ ہے کہ گزشتہ ماہ بڑی آپا کا پندرہ پونڈ وزن کم ہوا اور باہر کی کاشیں پونڈ اور سب سے بڑی بات کہ بہنوں کے مزاج میں ایسی تبدیلی آ گئی ہے کہ خدا کی پناہ..... میں جب بھی انہیں فون کرتی ہوں تو میری آواز سن کر خوب روئی ہیں اور پھر کہتی ہیں کہ کتنی تو بہت قسمت والی ہے۔ تیرا میاں ملک سے باہر ہے ہماری بھی کوئی زندگی ہے میاں نہ صرف ملک میں ہو بلکہ ہر وقت اپنے گھر میں ہو اور زندگی شوق کر کے رکھ دے۔ باہر کے میاں تو کسی مری قسم کی ساس سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ ہر وقت ہماری آبا رہتے ہیں، یہ باہر چلے جانے میں بڑوں کی برات کیوں کی ہوتی ہے، لیکن فون پر ہر وقت اپنے سینے بائیں کیوں کرتی ہو روزانہ بازاری روٹیاں کیوں کھگاتی ہو کھر میں روٹیاں کیوں نہیں کھاتی ہو، نوکریاں پھر چھوڑ کر محلے میں کیوں چلی گئیں، اسٹنے مجھے تھا کہ اپنے سینے والوں کو کیوں دیتی ہو..... ظاہر ہے کہ باہر کی کھوکھو تو آتا ہی تھا ہوں نے بھی کہہ دیا کہ

تخالف محبت کرنے والوں کو ہی دیے جاتے ہیں جو لوگ منہ دیکھ کر محبت کرتے ہیں ان کو اپنی جوتی بھی ترودن۔ ہائی کے سارے کے سارے سسرالی ایک گھر کے عمار ہیں ہماری باجی کیوں انہیں منہ دکھائی گی۔ ان کو کتنا ہی دوسے دو ان کی نیت ہی نہیں بھرتی۔ باجی کی ساری تنہیں نوچنے کھونٹے والی ہیں اب پرسوں ان کے کمر آئیں تو واپسی پر چھوٹوں کے گھنے ہی اٹھا کر انہیں گھر کے باہر سے باہر میرا بھارے میرے ہاں اس میں پھول آئیں گے اس پر ہماری باجی نے ان کی طبیعت صاف کی تو ان کے سیمائیں جی تھمتے سے اٹھ کر گئے۔ میاں ملک سے باہر ہوتا ہے مسال کے چاروی بیوی خود پھنل کرتی ہے اور میاں خوشہ اور پریشان کی نہیں ہوتا۔ آج بھی کمر زشت ماہ آپ کی بہنوں نے میری چوڑیاں دیکھ کر کہا تھا کہ بھائی سے ہو کہ میں چاندنی کی چوڑیاں ہی بنا کر دے دیں تو میں نے انہیں اس مٹائی نہیں کہ آپ کی دو بہنیں تو مکاری سے بے ہوش ہونے کی اداکاری کرنے کی نہیں مگر میں انہیں چھوڑ کر اپنے کمرے میں گئی تھی وہ خود جوتی میں چلا کر پرانے پردوں ان کو باجی کی گاڑی میں انہیں گھر چھوڑنے گئے تھے جو صرف یہ بھی کہ لی پردوں کو دوسروں کے معاملات میں ہمیشہ گونے کا شوق رہا ہے (اور انہوں نے اپنی تسکین کر لی ہوگی) ہاں لوگ کتنا لطافت کتبے ہیں کہ پردیں میں جتن ہوں تو ہمیشہ نہیں ہوتی۔ اس پر پردوں پر اپنے قلم خوشہ اور دیسے ہیں۔ حالانکہ جن کے جن ملک سے باہر ہوں اور سال سال بھرا باجی شغل نہ دکھائیں۔ اصل تہوار کچھ اور طمانیت تو ان ہی لوگوں کی ہوتی ہے۔ ہاں میں آپ کو آپ کی ماں کی قسم دے رہی ہوں کہ باہر کی ملازمت چھوڑ کر ہرگز نہیں آئیں گے گا۔ یوں بھی مجھے ایلینر نے کی عادت ہوئی ہے اور آپ جب بھی آتے ہیں دے نہیں رہے جیسے فون پر ہوتے ہیں۔ گنجی کہہ رہی ہوں کہ آپ کے آنے سے مجھے عجب وحشت ہے ہونے لگتی ہے اور کچھ نہیں تو

الٹیاں کر کر کے سنی ماندہ سا ہو جاتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ لوگ ہماری خوشگوار ازدواجی زندگی پر نظر کار ہے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ ہم آپس میں محبت اور الفت سے رہیں کہ یہ یقیناً ہمارے دشمنوں کی ہی چال ہے کسی طرح ہماری آپس میں وصالوں ہم کی لڑائیاں ہوں اور ظاہر ہے کہ وہ ایسی صورت میں ہو سکتی ہیں کہ آپ اپنی گلی لگائی ملازمت چھوڑ کر وطن آجائیں اور صبح شام بچہ میں اور میرے کاموں میں بیڑے لگائیں۔ ٹھیک کہہ رہی ہوں ہاں..... میری بات کا یقین نہیں ہے تو اپنی کزن محبت کی حالت زار پر غور کریں کہ جب تک اس کا میاں ملک سے باہر رہا ہوں گی وقتی ہم اپنی اے اور رقی اور جیسے ہی وہ وطن واپس آئے پھر وہ دن کے بعد میں وہ لڑکھینے کا بھیجی۔ میاں جانی آپ سے یہ بات ہے خوشی جانتے ہیں کہ گھر میں تو مسال کے دو کمرے کو کمرے بھرے رکھے ہیں جو ایسی صورت میں مل گئے ہوں کہ جب آپ باہر سے اندر آئے گا سوچیں۔ ہاں اپنا ڈرافٹ ہر مہینے میرے نام بھیجتے رہیں اگر بوریت زیادہ ہو رہی ہے تو کہیں اور نام کریں اس سے دنا نہیں پرانہ وہ خلافت نہیں آئیں گے اور آپ کی طبیعت بھی جفاکش بٹاش رہے گی۔ ہاں چاؤ اس ماہ ہماری شادی کی سالگرہ ہے مگر آپ ہرگز وطن نہیں آئیں گے۔ سالگرہ اگر قطعہ رہ کر مرنائی جاتے تو زیادہ لطف آئے گا کہ محبت چدارہ کر ہی جیتی ہے یہ وہ انشاء۔ قول سونے کی صدی رہا ہے۔ ہاں شادی کی سالگرہ چھوٹی تھی کیا کہیں گے؟؟

ایک خط

پیارے میاں جانی!

سلامیائیں.....

میری بھجھ میں نہیں آتا کہ آپ پر اتنے دورے

کیوں پرستے لگے ہیں۔ پورا سال ہو گیا ہے پاکستان صرف چند ہفتوں کے لیے آئے ہیں اور اب کبھی آپ کا سوٹ کیس بھی سنی طرح نہیں مل پاتا کہ آپ پر پھر دورہ پر جانا ہے اور آپ دوبارہ سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں۔ آپ اپنا بطوطہ تو نہیں ہیں تو پھر اسے کھوتی کیوں نہیں گئے ہیں خیر..... یہ آنا جانا آپ کی وقتی مصروفیات کا ایک حصہ ہیں مگر میں کیا کروں، کہاں تک فی وی دیکھوں، کہاں تک شہر کے رسائل چائوں ہمارے ملک میں تو سلیمرنی کے اسکیڈل بھی اتنے سامنے نہیں آتے کہ بندہ اپنی پریشانیوں کو بھول کر ان کی کہانیاں میں کھوجا ہے۔ جانی مرزا اور شعیب کی شادی کے گانے بھی تمام پھولے سے آئے بندہ ہو گئے ہیں۔ ورنہ انہیں دیکھ کر اور سن کر طبیعت میں کچھ خلش ہی تو آ جاتی تھی۔ یقین کیجیے میں سو کر تھک گئی ہوں مگر میرا وقت کا نہیں کتنا آپ کی اماں، بہنیں جو بکا دیتی ہیں، میں اپنے کمرے میں ہی اکھٹی ہوں۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں نہیں چاہتی کہ ان کے بدعمرہ کھانوں میں کوئی برائی نکالوں وہ کچھ ہی کچھ کھائیں کھانے کا ذائقہ اتنا جیسا ہی ہوتا ہے جیسے لفظی سرود کے کھانوں کا۔ ایک عجیب قسم کی بھانہ آتی ہے۔ ایسا ہی کچھ ان لوگوں کے ساتھ ہے۔ ایسی صابر بیوی کس کی ہو سکتی ہے جو بچہ بناتے بازار سے کھانے منگو کر خاموشی سے کھا کر شکر آپ کی بہنوں کا ادا کرتی ہوں کہ کیسے کیسے بدعمرہ کھائیں کہ وہ ماہر ہیں۔ یقیناً کہیں سے جا کر ضرور دیکھے ہوں گے۔ میرے ہی ڈیڈی کچھ مکمل ہیں اس لیے میں ان کو اپنے کھر لے آئی ہوں۔ آپ کی بیوی آپ کا سر ان کو دے دیا ہے۔ بیوی آپ کا کیا ہے وہ تو آپ کے کمرے میں بھی سو سکتی ہیں مگر مہمانوں کو تو خیال رکھنا چاہیے۔ آپ تو جانتے ہیں ڈیڈی اپنے گاڑی کے نہیں روکتے اور ان کی گاڑی آج کل سرور پر چلی ہوئی ہے۔ میں نے آپ کے بہنوں کی

گاڑی لے لی ہے کہ ایسا کرنے کو آپ نے کہا ہے۔ گاڑی کو گناہ سے پرانے ڈاؤل کی ہے اور ڈیڈی اس کو چلا کر بھی خاصی شرمندگی محسوس کر رہے ہیں گھر کیا کریں وہ جب تک روزانہ اندھا دھند گاڑی نہ چلائیں انہیں جین ہی نہیں پڑتا۔ آج بھی وہ وہ دفعہ باہر سے گاڑی مار کر لائے ہیں اور کھر رہے تھے کہ تمہارے ننہو کی ڈیڈی کی گاڑی مہاڈیکل ہو گئی ہے۔ میں نے کہا آپ پروا مت کیجیے۔ ان کی ریکٹر راتو راتو ہزاروں پیش کھائی ہوئی ہے۔ ننہو کی بے چارے کا کھٹل ہی جیسی ہے کہ آئے دن اپنی گاڑی کے ڈیڈی صبح کرواتے رہیں۔ چھوٹی ننہو پارلر چلی ہیں۔ چہرہ کے ڈیڈی دور کرتی ہیں اسی وجہ سے ان وہ دن میاں بیوی میں خوب وقتی ہم آتی ہے۔ بحال ہے ایک دوسرے کو مذاق میں ہی سہی مگر برا بھلا بھی نہیں مٹاتے۔ ہاں کل آپ کے کوئی دوست اصغر آئے تھے اور ڈھائی لاکھ دے گئے ہیں کہ انہوں نے آپ سے لیے تھے، میں فوراً چا کر اپنے لیے سوئے گا سیٹ لے کر آتی تھی کس دن اس قدر تیزی سے بدعمرہ سے جب تک آپ آئیں گے ڈھائی لاکھ کا میٹ میں لاکھ کا چکا ہو گا آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں آپ کے گھر والوں کا کیا خیال رکھتی ہوں تو خوش ہو جاں جس دن میں اپنے لیے سیٹ لائی اسی دن میں گھر میں مٹھائی بھی لے کر آئی تھی اور آپ کے سب گھر والوں کو کھلائی۔ آپ کی اماں میرا سیٹ دیکھ کر پوچھ رہی تھیں کہ کتنے کا خریدا میں نے انہیں مدد سے سے بچانے کے لیے کہا یہ میرے ڈیڈی کی میرے لیے لائے ہیں اور اپنا پانچ لاکھ کا ہے اس پر وہ بہت خوش ہوئیں۔ دیکھا، میں سب کی خوشیاں کا کتنا خیال رکھتی ہوں اسی خوشی میں جلدی سے میرے نام ڈرافٹ بھیجیں..... فوراً۔

آپ کی بیگم شریا۔

☆☆☆

میں اکثر گنگناتی ہوں

صغریٰ زیدی



☆ شہلا رضا.....راول پنڈی

دورِ فرقت سہا نہیں جاتا
لیکن اُن سے کہا نہیں جاتا
جی رہا ہوں کہ مر نہیں سکتا
مر رہا ہوں جیا نہیں جاتا

☆ پروین شکور.....لاہور

شہنشاہی ایک بوہندی پھولوں کی کائنات
وہ بھی نہ جگ سکی ہوئی آفتاب سے
☆ نینا ذوالفقار.....کراچی

یہ شہر جہاں ہم ہیں یہاں کون ہے اپنا
یہ بات ہی کیا کم ہے یہاں بیت کیا دن
☆ سعید انور.....راول پنڈی

میرا اصرار کیا کم ہے کہ میں حوا کی بی بی ہوں
مثالِ مدام الف تیری تسی ہے گزری ہوں

☆ نذر ہر نماز.....اسلام آباد

پھولوں سے تو قریب بہت کچھ کچھوں میں
تو مجھ کو چاہتا ہے تو پتھر تلاش کر
☆ فاطمہ.....فیصل آباد

افرونی زیت کی تردید نیچے
ہاں مسکرائیے، مری تانیہ نیچے
☆ نسreen یاسین.....حیدر آباد

مچھلیوں کا مندر ہے بدگمانی بھی
کہ تیرے ساتھ ہوں اور نہ جانے کہیں
وفا کا چاند نہیں پانیوں میں اترتا ہے

یہ میرے خواب کا منظر نہر نہ جانے کہیں
☆ رابعہ اسلم.....رحیم یار خان
آساں نہیں آباد کرنا گھر محبت کا

یہ اُن کا کام ہے جو زندگی برباد کرتے ہیں
☆ آصف ستار.....فیصل آباد
گھر موم کا پہلے تو بنایا نہیں جاتا

بن جائے تو سورج سے چھایا نہیں جاتا
اب تم ہو مقابل تو مجھے ہارنا ہوگا
تم کو تو میری جان ہرایا نہیں جاتا

☆ نذیراں بی بی.....بھکر
ہجوم اپنی جگہ تاریک جنگل کے درختوں کا
پرنسے پھر بھی اپنا آشیانہ یاد رکھتے ہیں

☆ فرہیم.....ساہیوال
میں تیری ذات سے آگے نہ کچھ بھی سوچ سکیں
میں کیا کروں کہ یہ دل کا معاملہ ضمیرا

☆ نواز اختر.....خانپل
پتوں سے بھر رہے تھے ہواؤں کی جھولیاں
گرتے ہوئے طہر بھی جی اختیار کے تھے

☆ مسعود یحییٰ.....میر آباد
اسے نکالے میں خود بھی چھوڑ گیا طالب
وہ ایک شخص تو ہر پل تھا آئینہ میرا

☆ حرا شریف.....فیصل آباد

تیرے تعلق ہی نہیں برسوں سے میرا
خواب آ کر میری چھت پر پھٹتے کیوں ہیں
میں نہ جگنو ہوں نہ دیا، نہ کوئی تارا

روشنی والے پھر نام سے میرے جلے کیوں ہیں
☆ نوشین اقبال نوشی.....درمجان
میرے لفظوں سے نکل جائے اثر

کوئی خواہش جو تیرے بعد کروں
☆ شاکر انجم.....سرگودھا
جھیل سی اپنی طبیعت ہے ذرا بات پر

ذہن میں الفاظ جم جائے ہیں کائی کی طرح
☆ ایدہ منیب.....سلاوالی
کتے مگر ہیں جو بھی اجڑے بھی بے

اجڑا جو ایک بار یہ دل بھر رہا نہیں
☆ عالیہ طاہر رفیقہ.....لاہور
کبھی یوں بھی تھا کہ ہزار تیر جگہ میں تھے تو کبھی نہ تھے

مگر اب یہ ہے کہ کسی میراں کے تپا کے بھی رلا دیا
☆ مس اینتاجہ.....لاہور
گلیا اندھیرا تھا سوکار خاموشی

عمر اس طرح جتنی شام ڈھل گئی جیسے
☆ امین فاطمہ.....سیالکوٹ
تم ہم سفر ہوئے تو ہوئی زندگی عزیز

مجھ میں تو زندگی کا کوئی حوصلہ نہ تھا
☆ نواز اختر.....اوکاڑہ
کاش دیا کہ مصائب کو سمجھنے کے لیے

تم نے کچھ دن میری دنیا میں گزارے ہوئے
☆ قرۃ العین قرۃ.....لیہر کراچی
آتے جاتے سارے موسم اس سے نسبت رکھتے ہیں

اس کا ہجر خواؤں جیسا اس کا قرب ہاروں جیسا
☆ مسعود آصف.....ملتان
مناظر اگر نہیں آساں تو پہل ہے

دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

☆ عالیہ شفاق.....راول پنڈی

ہر اک سے کون محبت بناہ سکتا ہے
کہ سب سے دوستی یاری تو کی دفا نہیں کی
☆ حرا طارق.....کراچی

اک نگاہ خود شفاں مجھ سے ہوئی جو روشناس
اپنے ہر اک سوال کا خود ہی جواب ہوگئی
☆ فرزانہ ٹرس.....سرگودھا

بھٹیوں کے گلے جب گلاب آنکھوں میں
کسی کے خواب رہے بے حساب آنکھوں میں
☆ قرۃ العین.....لاہور

زندگی ختم ہوئی دوست جہاں ختم ہوئے
رہ گئی عمر تو چاہے وہ جہاں تک پہنچے
☆ سعیدہ.....لاہور

دل اک خون کے قطرے سے زائد نہ تھا مگر
آنکھوں نے اس کو بھی طوفان بنا دیا
وہ قیس تھا کہ جس نے بیاباں کو گھر کیا

ہم نے تو اپنا گھر ہی بیاباں بنا دیا
☆ فہیدہ.....میاں چنوں
اس سے پہلے کہ رُت بدل جائے

اپنے سارے گلاب لے جاتا
☆ محبت.....کوئٹہ
قرارِ غم بھی ملتے ہیں نصیب والوں کو

ہر اک کے ہاتھ کہاں یہ خزانے لگتے ہیں
☆ یاسین عمر.....کراچی
بھری بہار میں اب کے عجیب پھول گلے

نہ اپنے زخم ہی پہنچے نہ دل کے چاک گلے
☆ نایبہ.....اسلام آباد
یہ مصیبتِ وقت ہے یا کرب کی شدت

ہوٹوں پہ بھی آنکھوں میں اشکوں کے بجائے
☆ ربیعہ سعید.....سیالکوٹ
میری خاکوں میں میری مجھ کا دھل نہیں

میں جو بھی کرتا ہوں ہے اختیار کرتا ہوں

میں ڈال کر اوپر سے لیوٹوں کا سر چمک کر کچھ سے
سکس کریں۔ سارے پھلوں کو ایک کے درمیانی خالی
حصے میں ڈال دیں۔
مرسلہ: سازو نمبر کراچی۔

شلمج کا قورمہ

اشیاں: گوشت، آدھا کلو، شلمج، آدھا کلو، سبزی،
تین چمچاں نمک، لوہے، دس عدد۔ الائچی، چار عدد
لہسن، ایک ٹمبی۔ پیاز کے لمبے، آدھا پاؤ۔ اورک،
ایک گرہ۔ دھنیا بھوا ہوا، دو تولہ۔ سرخ مرچ پیلی
ہوئی۔ حسب ضرورت۔ لیوٹوں کا سر، حسب ذائقہ۔
جاوڑی، ڈرامی۔ دارچینی، ٹھوڑی سی۔ کالی مرچ،
ایک عدد نمک، حسب ذائقہ۔ جانتل، دو رسا۔

ترکیب: پہلے شلمج پھیل کر بڑے بڑے
ٹکڑے کر کے پی کولدار پیڑ سے گوندیں بھرائیں سبزی
میں الائچی ڈال کر سرخ کر کے نکال لیں اور پیاز کے
آدھے لمبے کٹی میں سرخ کر کے نکال لیں۔ بقیہ پیاز
کو سالے کے ساتھ ملا لیں۔ لہسن، پیاز کے آدھے
لمبے، اورک، دھنیا اور سرخ مرچ ایک ہی بار تین
لیوٹوں اور سبزی جو شلمج تھلے اور پیاز سرخ کرنے سے بچ
گیا ہے اس میں پیاز ٹکڑے اور دو بڑے الائچی ڈال کر
کڑکڑا کر پھر گوشت کو دو کراس میں ڈال دیں اور
بجوں کر سرخ کر لیں۔ اس کے بعد باقی سالے اور
نمک حسب ضرورت ڈال کر بجھیں اور پانی ڈال کر
کھلنے کے لیے چڑھا دیں۔ جب گوشت گل جائے اور
پانی گل جائے تو آدھا پاؤ دہنی ڈال کر خوب بجھیں
اگر ہو سکے تو ایک لیوٹوں کا سر بھی ڈال دیں تاکہ
تھلے بھی گل جائیں۔ آخر میں لال کی ہوئی پیاز،
جانتل، جاوڑی، دارچینی، لوہک، کالی مرچ، ہری
الائچی ٹمبی کر ڈال دیں اور کیوے کا عرق بھی
ملا دیں تاکہ خوشبو آئے۔
مرسلہ: ڈکھو ملاز کراچی۔

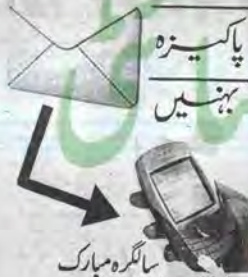
☆☆☆



دھنی کا کیک

اشیاں: ترش پھلوں کا رس، پون کپ۔ جلیان
پاؤڈر۔ ایک کھانے کا کچھ۔ انڈے کی سفیدی، تین
عدد، دہی، دو چائے کپ۔ بزرگے کھنڈے کا چھٹا کا
ایک عدد۔ آم، ایک عدد۔ کیوی فروٹ، دو عدد۔
کچے انگوڑے دس سے بارہ عدد۔ لیوٹوں کا سر، دو کھانے
کے کچے۔
ترکیب: پھلوں کے رس کو گرم کریں اور
جلیان پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح حل کر لیں۔ ایک
پيالے میں انڈے کی سفیدی کو پھینٹیں ساتھ ساتھ
لیوٹوں کے چھلکے اور دہی ڈالنے جائیں۔ اسی آمیزے
میں جلیان اور پھلوں کے رس کا آمیزہ بھی ڈال کر
چمکتے ہیں یہاں تک کہ تمام اشیا اچھی طرح سے بھنک
جائیں۔ آمیزے کو جھلی کے سانچے میں ڈال کر فریج
میں ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دیں۔ سانچہ ایسا ہو جو
درمیاں سے خالی اور اطراف سے رنگ کی ٹھنڈی کا ہو۔
تیار شدہ ٹھنڈی کیک کو پھینٹ میں نکال کر فریج میں رکھ
دیں۔ آم کو پھینٹ کر ٹھنڈی نکال لیں اور کدوے کے
کھلے کریں۔ کیوی فروٹ پھینٹ کر ٹکڑے کر لیں
انگوڑے دو ٹکڑے کر لیں۔ کٹے ہوئے پھلوں کو پیالے

سندیسی



پاکیزہ بہنیں

ساگرہ مبارک

مج کی کرن بولی
اتھو نہ دیا یادہ کھائیں۔ لوگ آپ کے ناول دل و جان
میں پڑھتے ہیں۔ پائیں لفظوں کے یہ خزانے آپ نے
رک پیل
ایس ایم ایس تو راول
اس دوست کو جو
مج سے بھی
چارا ہے
ساگرہ مبارک

مرسلہ: عزیز وکم، گوجرانولہ

عمیرہ سید کے نام

قلم جن کے ہاتھوں میں آ کر کفر کرے کاب
لفظوں کے وہ موتی بکھیرے جائیں گے کہ جن کو سب
کرنا ہے دامن میں بھر کر قارئین مالامال ہو جائے ہیں۔
کچھ لوگوں کو خدا ایسی صلاحیتوں سے نوازتا ہے کہ جب
وہ اپنی ان خوبیوں کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں تو پھر
طرف ان کا بھی چہا ہوتا ہے۔ عمیرہ سید آگ ایسا ہی
نام ہے جسے دیکھتے ہی یقین ہو جاتا ہے کہ اب ہم کوئی

ایسی تحریر پڑھنے والے ہیں جو دیر سے دیر سے بحر
طاری کروے گی اور کچھ وقت کے لیے ہم ارد گرد کو بھول
کر ان کرداروں کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ محبت
کے نرم و گداز موضوع کے ساتھ ساتھ ان کے افسانوں
میں معاشرے کی تلخ حقیقتیں بھی شامل ہوتی ہیں جو ان
کی تحریر کا خاصہ ہے۔ اللہ ان کے قلم کو اور طاقت دے۔
مرسلہ: سدھو رضوان، راولپنڈی

عمیرہ احمد کے نام

عمیرہ آہلی، آپ ہم سب کی مونس فیورٹ رائٹر
ہیں۔ ہم سب سیمپل ان آپ کی تحریروں کی دہائی ہیں۔
آپ کوئی وی والوں نے بہت مصروف کر دیا ہے۔ آپ
کے ڈرامے بھی شوق سے دیکھے جاتے ہیں پر آپ کی
تحریر پڑھتے ہوئے تو نشہ سا چھا جاتا ہے۔ آپ خوب
نیا دہ دیا یادہ کھائیں۔ لوگ آپ کے ناول دل و جان
میں پڑھتے ہیں۔ پائیں لفظوں کے یہ خزانے آپ نے
کمال سے تحریر کیے ہیں۔ ایک عام سے منظر کو آپ کا
انداز بیان خاص بنا دیتا ہے۔ آپ کا کوئی ہیرو اگر ف
پڑھ کر ہی جاگ نکلتا ہے کہ عمیرہ احمد ہی ہیں۔ آج
کے دور کی منفرد ترین رائٹر میں آپ بہر فرست ہیں۔
اللہ آپ کو کبھی عرصہ طاق کرے اور قلم سے رشتہ ہمیشہ مضبوط
رہے، آمین

مرسلہ: ناہید جبین، اٹک

پیاری بہوؤں کے نام ایک مفید پیغام

آج کل اکثر گھروں کا یہ مسئلہ ہے کہ نہیں بہت
خوشی خوشی بیٹے کی شادی کر کے بہو کو لاتی ہیں لیکن بیٹا
اگر ذرا سانس بول لے، بیوی کو لے کر نہیں گھومتے پھرتے
... چلا جائے بس ان کو نورا پریشانی شروع ہو جاتی ہے
اور بہو کا بیٹا دو بھر کر دیتی ہیں اور بیٹے کو بھی بیوی سے
بدن کر دیتی ہیں۔ ان بچیوں کے لیے جو شر اور سامان
سے بہت پریشان ہیں 7 پارسم اللہ الرحمن الرحیم دیا



ادارہ

روحانی مشورے

لے تو انشاء اللہ اس کو شفا ہوگی۔

☆ ہر نماز کے بعد پندرہ (15) مرتبہ
(اَللّٰهُمَّ بِكَ سَلَامٌ مُّبَلِّغٌ) پڑھ کر ہر طرح کی
سلاحتی کے لیے مفید ہے۔

☆ جو کوئی ایک سو پندرہ (115) مرتبہ یہ اسم
پڑھ کر بیمار پر دم کرے گا اللہ اس کو صحت و شفا عطا
فرمائے گا۔ انشاء اللہ!

چھوٹے بچوں کے مسائل اور ان کا حل

☆ اگر دودھ پیتے بچے کا پیٹ خراب ہو جائے تو
1/2 چائے کا چمچ عرقِ حرقہ گاؤں 1/2 چائے کا چمچ
سوف کے عرق میں ملا کر نیم گرم کر کے چند دانے
چینی شامل کر کے دن میں دو تین دفعہ پینے کو بچا دیں۔
☆ اگر بچہ بلا وجہ التلیاں کر رہا ہو تو بچوں کے
اندے سے دودھ رچ نکال کر چھکا اتاریں پھر بچہ میں
رکھ کر کھجے کے اٹلے سرے سے پیس لیں پھر چمچ میں رکھ
کر ہلکا سا پیانی ملا کر دے دیں۔ انشاء اللہ دو تین دفعہ
دینے سے آرام پا جائے گا۔

☆ سفید سفیر کے پھول لے کر دھو کر سکھائیں،
اس طرح سکھائیں کہ ایک سفید مِلل کا ٹکڑا تینے
پر لٹھیاں اور اوپر پھول رکھ دیں اور ایک سفید مِلل کا
ٹکڑا اوپر ڈال دیں، سوکھ جائیں تو صاف کر گنڈھڑ یا
کوٹری میں باریک ٹپس کر چھان لیں۔ جس بچے کو
بہت زکام ہو۔۔۔ ایک ٹوٹھ پک کے سرے پر جتنا
پاؤڈر آتا ہے وہ ایک ایک دو تین تھوٹوں میں لگا کر
آنکھوں پر کپڑا رکھ کر (بچے کی) پھونک مار دیں۔ چند
پھینکیں اگر سارا ریشہ باہر نکل آئے گا۔ دن میں دو
دفعہ کر لیں۔

یاسلام کے معنی اور اس کے خواص

(سب عیوب و آفات سے سالم، سب نفس
اور کمزوریوں سے پاک، سلامت و عیبِ ذات)

خواص

☆ جو ہر صبح حج کی نماز کے بعد ایک ہزار
(1000) بار اس اسم کو پڑھے گا اس کا ظلم زیادہ
ہوگا۔

☆ اگر کوئی اس اسم کو ایک سو اکیس (131)
بار یا ایک سو اسی (161) بار پڑھ کر بیمار پر دم کرے
گا تو بیمار صحت پائے گا۔

☆ جو اس اسم کو کثرت سے پڑھے یا لکھ کر پاس
رکھے وہ دشمن سے بے خوف رہے گا۔

☆ بیمار یا خائف اگر ایک سو نو بار (111) بار
پڑھ کر دم کرے تو بیماری اور خوف سے محفوظ رہے گا۔

☆ جو کوئی کثرت سے اس اسم کو پڑھتا رہے گا
انشاء اللہ تمام آفتوں سے محفوظ رہے گا۔

☆ یہ اسم مبارک چھ سو نوے (690) بار
شیرینی پر پڑھ کر دشمن کو کھلائے تو دشمن مہربان
ہو جائے۔

☆ اگر کوئی ایک سو اکیس (121) بار یہ اسم
اور (مُسْلِمٌ قُوْلُہٗ مِنْ رَبِّہِ رَحِیْمٌ) کی
مرتبیں پڑھے تو مرعیض شفا پائے گا یا کم از کم اس
کے مرض میں کمی ہوگی۔

☆ اگر کوئی شخص مریض کے پاس اس کے
سرہانے بیٹھ کر دو تین یا چار گھنٹے تک یہ اسم ایک سو تیس
(136) بار اُتقی بلند آواز سے پڑھے کہ مریض سن

جائیں۔ آپ سنے سنے اُتقیانے اور نور منظر عام پر
لائیں لوگ مشتاق ہیں پڑھنے کے لیے۔ اپنی
معروفیات میں سے قارئین کے لیے وقت نکالیں اور
اسے منفرد قلم سے رنگ نکھیر دیں۔

مرسلہ: جویریہ فاطمہ بزارت

من توسی

سنو!

کبھی ناراض مت ہوتا
کبھی ایسا جو ہو جائے کہ
تیری یاد سے غافل کسی لمحے ہو جو جاؤں

ہنا، جیسے تیری صورت
کسی شب میں جو سو جاؤں

تو پیٹوں میں پیلتا تھا
مجھے احساسِ دلا جان

سنو ناراض مت ہوتا
کبھی ایسا جو ہو جائے

جتنیں کہنا ضروری ہو
وہ مجھ سے لفظ چھو جائیں

ابا کو کثرت لانا میری آواز میں جانا
کبھی ناراض مت ہوتا

مرسلہ: گلشن نازک بلی پور

تمام مصنفات کے نام

اس نے سال کی کوکھ سے
پیکل فزائیکہ رات کی

ان چھوٹی کبکھی ساتوں میں
تم نے استے خوب صورت اعزاز میں

مجھ سے دوستی کا اقرار کیا کہ
میری آنکھوں میں آنسو آگئے

سے سال پر اس سے سچا
اور قبول تھ

اور کیا ہو سکتا تھا
شاعرہ: پروین عطار شہد کراچی

رفعت آنی کہاں غائب ہیں آپ؟؟؟ اپنی

چاہنے والی، بہنوں کی پکار پر لوٹ آئیں۔ آپ کی چھوٹی

نعرہ یہ پڑھنے کو ہم بے تاب رہے ہیں۔ انفلو کی

بازنگاری سے وہی جادو نکھیر دیں جو قاری کو اپنے حصار

میں لے لیتا ہے۔ آپ کی دل موہ لینے والی کہانیاں

آپ کا بے ساختہ یمن اور چھوٹے اُتقیانے میں بڑی

بات کہہ دینا سب ہم یاد کرتے ہیں۔ آپ کے طویل

ناؤ پڑھنے کو ہم دل چاہتا ہے کہ کس پڑھنے ہی

سیون یا نقد و یا غنودہ پڑھ کر پانی
پر دم کر لیں اور سانس اور شوہر کو
پلائیں ساتھ اپنا رویہ بھی درست رکھیں شوہر کی ماں آپ
کی ماں ہے ان کی عزت کریں، محبت اور خدمت کریں
شوہر کی اطاعت کریں پھر کرشمہ نکالیں۔

ماخوذ حقوق الرجال

مرسلہ: رفعت تبین رونی، کراچی

اقبال بانو کے نام

ہماری یاری اقبال بانو آپ بہت کم کم نظر آتی
ہیں..... مسلسل غائب رہنا اچھا نہیں ہوتا۔ آپ کو پتا

ہے ہم لوگ آپ سے کتنا یاد کرتے ہیں۔ میں اور میری

مہن اسکول کے زمانے سے آپ کی کہانیوں کے نشین

ہیں۔ آپ کے ناول اور اُتقیانے کسی بھی رسالے کی

جان ہوتے ہیں۔ آپ کی کہانیاں اس قدر حق کی مٹی کی

خوشبو میں جلی ہوئی ہیں۔ آپ کے لفظ لفظ میں اپنی

ثقافت بڑتی ہے۔ یہی کھرا این اور سادگی آپ کو سب

سے ممتاز کرتی ہے۔ پائیزہ کے صفحات میں جلدی

جلدی آیا کریں محبت کے موضوع پر لکھتے ہوئے آپ

سرتا عجب آواز دے لیتی ہے یہی چادر پڑھنے والے کو بھی

اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

مرسلہ: طلعت جہیں نیاز، کراچی

رفعت سراج کے نام

رفعت آنی کہاں غائب ہیں آپ؟؟؟ اپنی

چاہنے والی، بہنوں کی پکار پر لوٹ آئیں۔ آپ کی چھوٹی

نعرہ یہ پڑھنے کو ہم بے تاب رہے ہیں۔ انفلو کی

بازنگاری سے وہی جادو نکھیر دیں جو قاری کو اپنے حصار

میں لے لیتا ہے۔ آپ کی دل موہ لینے والی کہانیاں

آپ کا بے ساختہ یمن اور چھوٹے اُتقیانے میں بڑی

بات کہہ دینا سب ہم یاد کرتے ہیں۔ آپ کے طویل

ناؤ پڑھنے کو ہم دل چاہتا ہے کہ کس پڑھنے ہی

اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔



یہ احتیاطیں کریں۔
1- مٹھی بھر منجنغذاؤں سے پرہیز کریں
(اس میں شربت کو لڈرنگ برائی شامل ہیں)
2- چھل قدرتی کی عادت ڈالیں ابتدا دس
منٹ سے کریں۔
3- رکھانے سے پہلے ایک گلاس پانی ضرور
پینیں کھانے کے ساتھ اور بعد ناکل بھی نہ پینیں۔
4- ڈاکٹر ولما رشابے جرنی کی مندر جوڈیل
ادویات استعمال کریں Calc Carb 200
ہر ہفتہ ایک خوراک استعمال کریں۔
Bryonia 30 Rhustox 30
5.5 قطرے صبح دوپہر شام استعمال کریں
Phytolacca berry Q
10 قطرے دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔
☆.....☆.....☆
نگلٹری کا درد اور
چہرے کے دانے
میرا مسئلہ نمبر ایہ ہے کہ میری اپنی ناک میں
تھننے کی سائین پر درد ہے۔ میں اگر ناک کو...
مڑلوں تو درد ہوتا ہے اور کھنکا تو سانس ہوتا ہے
ناک کو سیدھا کروں تو ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اور اگر
میں کھڑی ہو جاؤں تو ایک دم سے کھڑا نہیں ہو جاتا

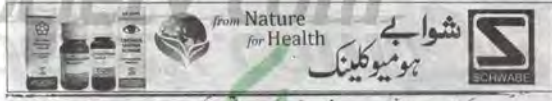
اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرانی جاری تھی کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار
ہومیوپیتھک ڈاکٹر وں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہر اندرانے اور تجربے کی روشنی میں نہ
صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف
امراض کے متعلق گامی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو پورے کے ہارڈ تجربہ کار
ڈاکٹر کے ذریعہ حل کر سکیں تاکہ آپ کا معیار صحت بلند ہو لہذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں
ہمیں اس پتہ پر لکھ دیجیے، پوسٹ نمبر 733 کراچی۔ ہم ماہنامہ ایکڑہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے
متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، پتہ اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق
ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی کو نو
کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔

مٹا پا اور کمر درد
میری عمر 38 سال ہے۔ میں زیادہ کھاتی
بھی نہیں لیکن پھر بھی مٹا پا ہے۔ اس کے علاج کے

ٹوکن
برائے شوابے ہومیوپیتھک
مئی 2012
اپنا مسئلہ ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں ٹوکن کے بغیر
آئے ہوئے مسئلوں پر تو جتنیں دی جائے گی۔ اپنا
مسئلہ جس میں بھیجیں اسی میں ٹوکن استعمال کریں۔
نام:
پتا:

میرا بیٹا عمر تقریباً 19 سال، بیٹی عمر
تقریباً 16 سال دونوں کا قد تین سو بڑھ رہا میرا بیٹی
فرما کر کوئی اچھی سی دوائی تجویز فرما۔ بیٹے کا
قد پانچ فٹ ساڑھے 6 انچ بیٹی کا قد پانچ
فٹ 1 انچ میرا بیٹی تیز اثر دوائی تجویز
ملاحظہ فرمائیے۔ اپریل 2012

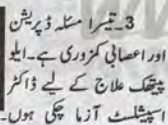
ملاحظہ فرمائیے۔ اپریل 2012



لیے کافی ادویات استعمال کر چکی ہوں لیکن کوئی
فرق نہیں پڑا۔ میں کمرے میں جتا ہوں، جس
کی ادویات بھی استعمال کر رہی ہوں۔ اور اس
مرض کی وجہ سے کوئی ورزش بھی نہیں
کر سکتی۔ برائے مہربانی کوئی اچھی دوائی بتائیں
جس سے مٹا پاکم ہو جائے۔
آپ کی دیکھی ہیں۔۔۔ افرحت ضلع بکر
جواب: فرحت آپ نے نہیں لکھا کہ آپ
کا قد کتنا ہے اور یہ بھی نہیں بتایا کہ کتنے دوپہر اور
رات کھانے میں کیا اور کتنا لگتی ہیں، شادی شدہ
ہیں یا نہیں اور کتنے بچے ہیں، کمر کی تکلیف کیا ہے
اس کی کوئی رپورٹس کروائی ہیں؟ ماہوار کی
متعلق بھی بتائیں۔ ان سب چیزوں کے بعد آپ
کو یقیناً پھر اچھی دوا تجویز کی جاسکتی ہے۔ جب
تک آپ یہ تفصیلات ہمیں روانہ کریں اس وقت

اپنا مسئلہ ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں ٹوکن کے بغیر
آئے ہوئے مسئلوں پر تو جتنیں دی جائے گی۔ اپنا
مسئلہ جس میں بھیجیں اسی میں ٹوکن استعمال کریں۔
نام:
پتا:

ملاحظہ فرمائیے۔ اپریل 2012



Antimoniumtart – 30

میں دوست ہوں ہے۔

ماہنامہ پاکیزہ — اپریل 2012ء

سے دور رہیں، ہاں لٹی، مشو (سنت بھی ہے) چیل گیری، قالہ، انناس، کیری، آم، لیٹو کے تازہ جوس و شربت حقیقی صحت اور تازگی کے لیے مفید ترین ہیں۔

4۔ موسمی پھل اور سبزیوں کا استعمال آپ کی صحت کو بحال رکھے گا۔

5۔ اسی طرح گرمی کی مناسبت سے کپڑوں کا استعمال بھی کرنا چاہیے۔ سر کو گرمی سے ضرور بچائیں۔

6۔ پسینے کو کبھی ٹھنڈا یا ہوانہ لگائیں اس طرح جسم کے پٹھے اکڑ سکتے ہیں، ان میں درد ہو سکتا ہے، دل کی حرکت بند ہو سکتی ہے یا فالج کا اثر ہو سکتا ہے۔

7۔ صفائی کا خیال رکھیں، رواز نہ کم از کم ایک مرتبہ ضرور نہائیں۔

8۔ باہر ٹوچل رہی ہو یا گرمی کی شدت ہو تو کم از کم ایک گلاس پانی لے کر گھر سے نکلیں۔

9۔ جلد کو دھوپ کی تمازت سے بچانے کے لیے سن بلاک والا فیس واش لوشن استعمال کریں، ہم سے بھی منگوا سکتے ہیں۔

10۔ یاد رکھیں یہ وہ احتیاطی تدابیر ہیں جن کو اختیار کر کے آپ اپنی موجودہ صحت کو مزید بہتر کر سکتے ہیں۔ بیماریوں سے اور گرم موسم کی شدت سے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

اور 30 kalliphos 5، 5 قطرے 1/2 کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں اور رات کو سونے سے پہلے Passiflora - Q کے 10 قطرے 1/2 کپ پانی میں لیں۔ نمک کم سے کم کھائیں، مرغن و شیشی اشیاء سے پرہیز کریں، چیل قدی کیا کریں، گہرے سانس لیا کریں۔

☆.....☆.....☆

گرم موسم کی خصوصی احتیاطیں

جن کو اختیار کر کے آپ موسم گرما کو انجوائے کر سکتے ہیں۔

1۔ گرم ٹھنڈا یا ٹھنڈا گرم نہ کریں۔ یعنی گرم جگہ سے ایک دم انرکنڈیشن میں نہ جائیں یا ٹھنڈی جگہ سے گرم جگہ نہ جائیں، اسی طرح نہا کر فوراً پچکے یا انرکنڈیشن میں نہ آئیں یا باہر لو میں نہ نکلیں۔

2۔ گرمی کی شدت کے حساب سے پانی کا استعمال کریں لیکن یاد رکھیں پیاس کتنی بھی لگ رہی ہو گرمی سے آکر فوراً پانی نہ پیئیں خصوصاً ٹھنڈا بلکہ پہلے ہاتھ منہ دھو کر خود کو ٹھنڈا کریں اس کے بعد پانی پیئیں، دن میں کم سے کم 10 سے 12 گلاس پانی پیئیں، بچوں کو 6 سے 8 گلاس پانی پلائیں دن میں لیکن یاد رہے کہ کھانے کے ساتھ اور کھانے کے فوراً بعد نہیں پیئیں۔ نہا کر منہ، کھانے سے پہلے اور کھانے کے دو سے ڈھائی گھنٹے بعد پانی کا استعمال صحت و ہاضمہ کے لیے مفید ہے۔

3۔ مصنوعی شربتوں، سے ہر قسم کی کولڈرنک



Dr. Willmar Schwabe , Germany.

Available at All Leading Medical & Homoeopathic Stores